اللہ جل جلالہ
خطبات فقیر
جلد چودہ
اللہ تعالیٰ سے جنونی تعلق
محبوب کل جہاں
ایمانی زندگی کے تقاضے
اعمالِ صالح اور یقینِ کامل کے ثمرات
دنیا کی حقیقت
تقویٰ کے ثمرات
پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت، مفکرِ اسلام
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ
مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد
+92-041-2618003

خطباتِ فقیر
جلد ۱۴
از افادات
محبوب العلماء والصلحاء
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی
مجددی مدظلہم
مرتب
ڈاکٹر شاہد محمود غفرلہٗ
ناشر
مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد
041-2618003

نام کتاب ——— خطباتِ فقیر (جلد ۱۴)

از افادات ——— حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

مرتب ——— ڈاکٹر شاہد محمود غفرلہ

ناشر ——— مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد

اشاعت اوّل ——— اکتوبر 2008ء

اشاعت دوم ——— جنوری 2009ء

اشاعت سوم ——— مئی 2009ء

اشاعت چہارم ——— اکتوبر 2009ء

اشاعت پنجم ——— مئی 2010ء

تعداد ——— 1100

سرورق ——— حافظ انجم محمود

کمپیوٹر کمپوزنگ ——— ڈاکٹر شاہد محمود غفرلہ

فہرست

عرض ناشر

محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم کے علوم ومعارف پر مبنی بیانات کو شائع کرنے کا یہ سلسلہ خطبات فقیر کے عنوان سے 1996ء بمطابق ۱۴۱۷ھ میں شروع کیا تھا اور اب یہ تیرہویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ جس طرح شاہین کی پرواز ہر آن بلند سے بلندتر اور فزوں سے فزوں تر ہوتی چلی جاتی ہے کچھ یہی حال حضرت دامت برکاتہم کے بیاناتِ حکمت ومعرفت کا ہے۔ ان کے جس بیان کو بھی سنتے ہیں ایک نئی پرواز فکر آئینہ دار ہوتا ہے۔ یہ کوئی پیشہ ورانہ خطابت یا یاد کی ہوئی تقریریں نہیں ہیں بلکہ حضرت کے دل کا سوز اور روح کا گداز ہے جو الفاظ کے سانچے میں ڈھل کر آپ تک پہنچ رہا ہوتا ہے۔ بقول شاعر

میری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کہ میں ہوں محرمِ راز درونِ خانہ

''خطبات فقیر'' کی اشاعت کا یہ کام ہم نے اسی نیت سے شروع کر رکھا ہے کہ حضرت اقدس دامت برکاتہم کی فکر سے سب کو فکر مند کیا جائے اور انہوں نے اپنے مشائخ سے علم وحکمت کے جو موتی اکٹھے کر کے ہم تک پہنچائے

ہیں، انہیں موتیوں کی مالا بنا کر عوام تک پہنچایا جائے۔ یہ ہمارے ادارے کا ایک مشن ہے جو ان شاء اللہ سلسلہ وار جاری رہے گا۔ قارئین کرام کی خدمت میں بھی گزارش ہے کہ اس مجموعہ خطبات کو ایک عام کتاب سمجھ کر نہ پڑھا جائے کیونکہ یہ بحر معرفت کے ایسے موتیوں کی مالا ہے جن کی قدر و قیمت اہل دل ہی جانتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ یہ صاحب خطبات کی بے مثال فصاحت و بلاغت، ذہانت و فطانت اور حلاوت وذکاوت کا فقید المثال اظہار ہے جس سے اہل ذوق حضرات کو محظوظ ہونے کا بہترین موقع ملتا ہے۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اشاعت کے اس کام میں کہیں کوئی کمی یا کوتاہی محسوس ہو یا اس کی بہتری کے لئے تجاویز رکھتے ہوں تو مطلع فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں تازیست اپنی رضا کیلئے یہ خدمت سر انجام دینے کی توفیق عطا فرمائیں اور اسے آخرت کے لئے صدقہ جاریہ بنائیں۔ آمین بحرمت سید المرسلین ﷺ

ڈاکٹر شاہد محمود نقشبندی غفرلہٗ

خادم مکتبۃ الفقیر فیصل آباد

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

فقیر کو جب عاجز کے شیخ مرشد عالم حضرت مولانا پیر غلام حبیب نقشبندی مجددی نوراللہ مرقدہ نے اشاعت سلسلہ کے کام کی ذمہ داری سونپی تو ابتدا میں چند دن اپنی بے بضاعتی کے احساس کے تحت اس کام کے کرنے میں متذبذب رہا، لیکن حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ نے بھانپ لیا، چنانچہ فرمایا کہ بھئی تم نے اپنی طرف سے اس کام کو نہیں کرنا بلکہ اپنے بڑوں کا حکم پورا کرنا ہے، کیوں نہیں کرتے؟ مزید فرمایا کہ جب کبھی مجلس میں بیان کے لیے بیٹھو تو اللہ کی طرف متوجہ ہو جایا کرو، بڑوں کی نسبت تمہاری پشت پناہی کرے گی۔ چنانچہ حضرت کے حکم اور نصیحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے بندہ نے وعظ و نصیحت اور بیانات کا سلسلہ شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوئی، حلقہ بڑھتا رہا اور الحمدللہ شرکاء کو کافی فائدہ بھی ہوتا کیونکہ ان کی زندگیوں میں تبدیلی عاجز خود بھی دیکھتا تھا۔ تھوڑے ہی عرصے بعد چہار اطراف سے بیانات کے لیے دعوتیں آنے شروع ہوگئیں۔ شیخ کا حکم تھا، سرتابی کی مجال کہاں؟ جب بھی دعوت ملی رخت سفر باندھا اور عازم سفر ہوئے۔ اس کثرت سے سفر ہوئے کہ بعض اوقات صبح ایک ملک، دوپہر دوسرے ملک اور رات تیسرے ملک میں ہوئی، اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ملکوں کو محلہ بنا دیا۔ اس ناتواں میں یہ ہمت کہاں؟...... مگر وہ جس سے چاہیں کام لے لیتے ہیں۔ بقول شخصے

''قدم اٹھتے نہیں اٹھوائے جاتے ہیں''

حقیقت یہ ہے کہ یہ میرے شیخ کی دعا ہے اور اکابر کا فیض ہے جو کام کر رہا ہے،

و اما بنعمة ربك فحدث ۔

بیانات کی افادیت کو دیکھتے ہوئے کچھ عرصے بعد جماعت کے کچھ دوستوں نے ان کو کتابی شکل میں مرتب کرنے کا سلسلہ شروع کیا، مکتبۃ الفقیر نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری اٹھائی، یوں خطبات فقیر کے عنوان سے نمبروار یہ ایک سلسلہ چل پڑا۔ یہ عاجز کئی ایسی جگہوں پر بھی گیا جہاں یہ خطبات پہلے پہنچے ہوئے تھے اور وہاں علماء طلباء نے کافی پسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔

اس کتاب کے مطالعے میں ایک بات یہ بھی پیش نظر رکھیں کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے بلکہ بیانات کا مجموعہ ہے، ان میں علمی غلطی یا بھول کا امکان موجود ہوتا ہے۔ اس لیے معزز علمائے کرام سے گزارش ہے کہ جہاں کہیں کوئی غلطی دیکھیں تو اصلاح فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

دعا ہے کہ جو حضرات بھی ان بیانات کی ترتیب و اشاعت میں کوشاں ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کی کوششوں کو شرف قبولیت عطا فرمائیں اور انہیں اپنی رضا اپنی لقا اور اپنا مشاہدہ نصیب فرمائیں اور عاجز کو بھی مرتے دم تک اپنے دین کی خدمت کے لیے قبول فرمائیں۔ آمین ثم آمین

دعا گو و دعا جو

فقیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی

كان الله له عوضا عن كل شيء

﴿ وَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰه ﴾

(البقرة: ۱۶۵)

اللہ تعالیٰ سے جنونی تعلق

یہ بیان 2004ء کو معہد الفقیر الاسلامی جھنگ میں سالانہ نقشبندی اجتماع کے موقع پر ہوا، جس میں حضرت اقدس کے خلفاء اور اندرون و بیرون ملک سے ہزاروں مریدین شریک تھے۔

اقتباس

اور اللہ تعالیٰ کیا چاہتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ میرے بندے کو مجھ سے جنونی تعلق ہونا چاہیے۔اور یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا، یہ مخبر صادق، اللہ کے پیارے محبوب نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے آکر بتائی اور فرمایا:

اُذْکُرُوْ اللّٰہَ حَتّٰی یُقَالَ اِنَّہُ مَجْنُوْن

[تم اللہ کا ذکر اتنا کرو حتیٰ کہ لوگ کہیں کہ یہ تو مجنون ہے]

تو اللہ تعالیٰ بندے سے جنونی تعلق چاہتے ہیں۔اور پھر جب جنونی تعلق ہوتا ہے، تو پھر فرض پڑھ کر مزہ پورا نہیں ہوتا۔پھر واجب بھی ،سنتیں بھی، مستحبات بھی ،فرض کے بعد مسجد میں مراقبے میں بیٹھنے کو بھی دل کرتا ہے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

اللہ تعالیٰ سے جنونی تعلق

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○
اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِذَا ذُکِرَاللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِم
اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَاناً وَعَلٰی رَبِّھِم یَتَوَکَّلُوْنَ ○ (الانفال:۲)
سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا یَصِفُوْنَ○وَسَلَامٌ عَلَی
الْمُرْسَلِیْنَ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّم

محبت کا بیج:

محبت کا لفظ بعض علماء کے نزدیک حبہ سے نکلا ہے۔حبہ کہتے ہیں بیج کو اور سب جانتے ہیں کہ اگر کسی بھی بیج کو مناسب زمین مل جائے ؛ ماحول مل جائے تو وہ پھلتا پھولتا ہے اور پھل پھول نکالتا ہے۔اسی طرح محبت کا جذبہ ہر انسان کے اندر فطری طور پر موجود ہے۔ یہ بیج اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے اندر یوم میثاق میں رکھ دیا تھا۔یوم میثاق اس دن کو کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے سب روحوں سے ایک عہد لیا اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ تو سب نے جواب دیا: قَالُوْ بَلٰی اے پروردگار! آپ ہی ہمارے رب ہیں۔

محبت کیسے ہوتی ہے؟

محبت دو وجوہات سے ہوتی ہے،کبھی دیکھنے سے اور کبھی بات کرنے سے۔دیکھنا

بھی محبت کا ذریعہ بنتا ہے اور کلام بھی محبت کا ذریعہ بنتا ہے۔ اسی لئے جتنے بھی انبیاء کرام دنیا میں گزرے ہیں، ان میں سے کسی نے بھی دنیا میں اللہ رب العزت کو دیکھنے کی تمنا ظاہر نہیں کی سوائے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے، انہوں نے کہا:

رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ [اے پروردگار! میں آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں]

تو سب انبیائے کرام میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آخر ایسا کیوں کہا؟ تو علماء نے لکھا ہے کہ وہ کلیم اللہ تھے، وہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کرتے تھے اور جب بھی کسی سے ہم کلامی ہو تو اس کو دیکھنے اور اس سے ملنے کی دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے۔ گویا کلام، محبت کا ذریعہ بنتا ہے اور اگر دیکھ لیا جائے تو پھر محبت راسخ ہو جاتی ہے۔

یہ دونوں نعمتیں انسان کو اسی دن مل گئیں۔ جس دن کلمہ عیان نے ساری روحوں کے سامنے اپنی تجلی ڈالی، بغیر کسی نقاب اور حجاب کے۔ بے نقاب تجلی جب روحوں پر پڑی تو ان کو دید نصیب ہوئی اور اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے ذریعے ہم کلامی فرمائی۔ تو تمام روحوں کو یہ دو نعمتیں اس دن مل گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا جمال دکھا کر سوزِ عشق عطا کر دیا اور اپنا کلام فرما کر کیفِ علم عطا فرما دیا۔ یہ دونوں نعمتیں انسان کو مل گئیں۔ کیفِ علم بھی ملا اور سوزِ عشق بھی ملا۔

محبت کا فطری جذبہ:

تو فطری طور پر ہر انسان کے اندر محبت کا بیج موجود ہے۔ اسی لئے ہر انسان فطری طور پر حسن و جمال کا قدردان ہے...... اچھا منظر دیکھیں گے، اچھا لگے گا، اچھی عمارت دیکھیں، اچھی لگے گی، خوبصورت درخت دیکھیں، اچھے لگیں گے، خوبصورت شخصیت دیکھیں، اچھی لگے گی، کسی چیز میں بھی حسن و جمال ہوگا تو انسان کا دل اس کی طرف کھنچے گا یہ ایک فطری سی چیز ہے۔ اسی کو شعراء نے اپنے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ چنانچہ کسی نے تو یوں کہا:

بس ایک بجلی سی پہلے کوندی
پھر اس کے آگے خبر نہیں ہے
مگر جو پہلو کو دیکھتا ہوں
تو دل نہیں ہے، جگر نہیں ہے

اللہ تعالیٰ نے جو تجلی ڈال دی تو بندے سے دل لے لیا۔ ہر بندے کے دل میں یہ محبت کا بیج ڈال دیا۔ چنانچہ کسی نے کہا:

؎ شاید بزم ازل میں اک نگاہ ناز سے
عشق کو اس انجمن میں آشکارا کر دیا

اک نگاہ ڈال دی اور مخلوق کے اندر محبت کا یہ سلسلہ شروع کر دیا۔ ایک شاعر نے کہا:

؎ ازل سے حسن پرستی لکھی تھی قسمت میں
میرا مزاج لڑکپن سے عاشقانہ ہے

کسی نے کہا:

؎ پیدا ہوئے تو ہاتھ جگر پہ دھرے ہوئے
کیا جانیں ہم ہیں کب سے کسی پر مرے ہوئے ؟

(کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس کے ہاتھ اس کے جگر پر ہوتے ہیں)

کسی نے یوں کہا

؎ میری طفلی میں شانِ عشق بازی آشکارا تھی
اگر بچپن میں کھیلا کھیل تو آنکھیں لڑانے کا

اور ایک شاعر نے اس کو یوں کہا:

؎ کہیں کون و مکاں میں جو نہ رکھی جا سکی اے دل!
غضب دیکھا وہ چنگاری میری مٹی میں شامل تھی

[وہ عشق کی چنگاری جو کون و مکاں میں کہیں نہیں سماتی تھی۔ اللہ رب العزت نے اس عشق کی چنگاری کو میرے دل کی مٹی میں شامل کر دیا]

عِشق اور فِسق:

چنانچہ دنیا کے ہر انسان کو عشق سے واسطہ پڑتا ہے یہ اور بات ہے کہ خالق کا عشق ہو یا مخلوق کا عشق ہو۔ خالق کا عشق ہو تو وہ نور ہو گا اور مخلوق کا شیطانی، نفسانی، شہوانی عشق ہو گا تو اسکے اندر ظلمت ہو گی۔ خالق کا عشق نیکی ہے اور مخلوق کا عشق جو نفسانی اعتبار سے ہو وہ گناہ ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کی محبت کو عشق کہنا چاہئے اور مخلوق کے نفسانی تعلق کو فسق کہنا چاہئے۔ یہ عشق نہیں ہوتا، یہ فسق ہوتا ہے۔

پتھر سے ہو خدا سے ہو یا پھر کسی سے ہو
آتا نہیں ہے چین محبت کیے بغیر

اور ایک شاعر نے کہا:

دل بحر محبت ہے محبت یہ کرے گا
لاکھ اس کو بچا تو یہ کسی پر تو مرے گا

جب دل نے محبت کرنی ہی ہے تو اے بندے! کیوں نہ اپنے پروردگار سے محبت کر لو۔ مخلوق سے محبت کرنے کا کیا نتیجہ نکلے گا کہ ایک دن بالآخر اس سے جدا ہو جانا ہے۔ تو یاد رکھیے کہ جس انسان نے مخلوق سے دل لگایا، ایک نہ ایک دن مخلوق سے جدا کر دیا جائے گا اور جس انسان نے اللہ رب العزت سے دل لگایا ایک نہ ایک دن اللہ سے ملا دیا جائے گا۔

ماہرینِ نفسیات کے فلسفہ ہائے حیات:

دنیا کے سائنسدانوں نے، ماہر نفسیات لوگوں نے انسان کی نفسیات کا مطالعہ

(Study) کرنے میں پوری پوری زندگی گزار دی۔ دنیا میں بڑے معروف اور نمایاں قسم کے ماہر نفسیات گزرے ہیں، سائنسدان گزرے ہیں۔ انہوں نے اپنی زندگی کی محنتوں کا نچوڑ نکالا یہ اور بات ہے کہ وہ ٹھیک تھا یا غلط تھا۔

کارل مارکس کا نظریہ:

مثلاً کارل مارکس نے اپنی ساری زندگی کی محنت کا نچوڑ یہ نکالا کہ انسان کی زندگی کے اعمال کا محرک اس کا کھانا پینا ہے۔ اس نے روٹی پانی کو انسان کے اعمال کا محرک قرار دیا ہے کہ انسان کے تمام اعمال روٹی پانی کے گرد گھومتے ہیں۔ یہ سارا کاروبار جو نظر آتا ہے، یہ دنیا کا جو بازار سجا نظر آتا ہے یہ سب روٹی پانی کا چکر ہے۔ چنانچہ اس نے روٹی پانی کو انسان کے تمام اعمال کا محرک اور مرکز قرار دیا ہے۔

الفریڈ ایڈلر کا نظریہ:

ایک اور ماہر نفسیات الفریڈ ایڈلر نے کہا کہ جذبہ تفوق (دوسروں پر فوقیت حاصل کرنا) انسان کے تمام اعمال کا مرکزی نقطہ ہے۔ انسان دنیا میں جو کام بھی کرتا ہے وہ بڑائی چاہتا ہے، وہ دوسروں سے Superierity (برتری) چاہتا ہے۔ وہ دوسروں پر مکمل اختیار چاہتا ہے، تو اس نے جذبہ تفوّق کو انسانی اعمال کا محرک قرار دیا ہے۔

فرائیڈ کا نظریہ:

ایک تیسرا سائنسدان فرائیڈ تھا۔ اس نے جذبہ جنسیات کو انسان کے اعمال کا محرک قرار دیا ہے۔ اس نے کہا کہ جی نہیں، روٹی پانی ایک طرف، اصل میں تو انسان کے اندر جنسی خواہشات کے مزے لوٹنے کی اتنی زیادہ چاہت ہوتی ہے کہ یہ تمام دنیا کا کھیل اسی کے گرد کھیلا جا رہا ہے۔ مرد اور عورت میاں بیوی بنتے ہیں، اپنے اسی جذبہ جنسیات کو پورا کرنے کی خاطر اور چونکہ اولاد ہو جاتی ہے تو باقی ذمہ داریاں ان

کے پلے پڑ جاتی ہیں۔اس نے جنسیات کوانسانی زندگی کا مرکز اور محور قرار دیا ہے۔

اسلامی نظریہ:

دین اسلام نے آکر بتایا کہ لوگو! تمہیں دھوکہ ہوا، تمہیں بھول ہوئی، تم اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے پھرے، تم نے ہاتھی کے پاؤں کو ستون سمجھ لیا، تم نے حقیقت کو سمجھنے کی کوشش تو کی لیکن عقل چونکہ ادھوری تھی اس لئے وہ پوری بات کو سمجھ نہ سکی۔دین اسلام نے محبت الٰہی کو تمام اعمال کا محرک قرار دیا۔اس لیئے اگر آپ غور کریں تو دنیا کی اکثریت ایسے انسانوں کی ہے جو کسی نہ کسی شکل میں خدا کو مانتے ہیں۔ایک خدا کو مانیں یا سینکڑوں خدا کو مانیں، خدا کو مانتے ضرور ہیں۔مکہ کے مشرکین نے بھی ۳۶۰ بت رکھے ہوئے تھے۔روز کا نیا خدا، کوئی لکڑی کا خدا، کوئی پتھر کا خدا، کوئی لوہے کا خدا، کوئی موٹا خدا، کوئی چھوٹا خدا، سب جھوٹے خدا۔مگر خدا کا تصوران کے ذہن میں بہرحال تھا۔دنیا کے جتنے بڑے بڑے مذاہب ہیں، مسلمان ہیں، یہودی ہیں، عیسائی ہیں یاان کے علاوہ ہندوؤں کو دیکھو، سکھوں کو دیکھو، بدھ مت کو دیکھو سب لوگ کسی نہ کسی شکل میں خدا کے تصور کو مانیں گے۔فرق اتنا ہے کہ ہم نے اس کو ''اللہ'' کہا اور ہندوؤں نے اس کو ''رام'' کہا، مگر کسی نہ کسی بڑی ذات کو مانتے ضرور ہیں۔اپنی مصیبت میں کسی نہ کسی کے سامنے دامن پھیلائے کھڑے ضرور ہوتے ہیں۔جب دریا میں کشتی ڈوبنے لگتی ہے، قرآن کہتا ہے کہ ذرا پوچھو ان سے! یہ کس کو پکارتے ہیں؟ یہ جس کو پکارتے ہیں وہی ان کا پروردگار ہے۔

سائنسدانوں کا دھوکہ:

لیکن چونکہ دنیا کے سائنسدانوں نے حقیقت کو نہ سمجھا اس لئے انہوں نے دھوکہ کھایا، ٹھوکر کھائی۔عقل کے اوپر جو بھی بنیاد ہوتی ہے وہ ہمیشہ نازک ہوتی ہے۔

جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا نا پائیدار ہوگا

چنانچہ کفر نے جب دیکھا کہ انسانی اعمال جنسیات کی وجہ سے ہیں یا روٹی پانی کی وجہ سے تو انہوں نے مخلوق کو اسی نظام کے پیچھے لگا دیا، مگر جو فطری جذبہ ان کے اندر تھا، وہ کھا، پی کر بھی پورا نہ ہو سکا، وہ اپنے جنسی تقاضے کو پورا کر کے بھی پورا نہ ہو سکا۔ اس لئے کہ وہ فطری جذبہ تو اپنی جگہ موجود تھا۔ لہٰذا کفر کی دنیا بے راہ روی کا شکار ہوگئی۔ اس محبت کے جذبہ کو پورا کرنے کے لئے انہوں نے مخلوق سے محبت کرنا شروع کر دی۔ چنانچہ کفر کی دنیا میں کھانا پینا مقصد زندگی ہے اور باقی زندگی ان کی مخلوق کی محبت کے گرد گھومتی ہے۔ ان کے نزدیک محبت (love) کا بنیادی مقصد ایک مرد اور عورت کا آپس کا ملاپ ہے۔ اس لئے وہ تمام چاہتوں کو پورا کر کے بھی ادھوری زندگی گزارتے ہیں اور انہیں اپنا آپ خالی نظر آتا ہے۔ کھوئے کھوئے لگتے ہیں، حق کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں، انہیں مقصد زندگی نصیب نہیں ہوتا۔ اس لئے کہتے ہیں

We are in search of truth

ہم سچ کی تلاش میں پھر رہے ہیں۔

سچ کیا ہے؟

اور سچ کیا ہے؟ جو اسلام نے بتایا کہ لوگو! تمہارا ایک پروردگار ہے جو بہت صفات کا مالک ہے، تمہیں اپنے اس خالق اور مالک کے ساتھ بے پناہ محبت حاصل کرنی چاہئے، زندگی کی ترتیب یہ ہوگی تو تمہارے فطری جذبے کو تسکین مل جائے گی۔ اسی لئے دینِ اسلام نے ایک ٹھوس بات بتائی کہ لوگو! اپنے دلوں میں اپنے رب کی محبت کو پیدا کر لو، تمہاری زندگیوں کی تمام پریشانیوں کا حل تمہیں مل جائے گا۔ تمہاری پریشانیوں کا حل نہ روٹی میں ہے، نہ کپڑے میں، نہ مکان میں، کسی چیز میں حل نہیں

ہے، تمہاری پریشانیوں کا حل تمہارے مالک اور خالق کی محبت کے حاصل کرنے میں ہے۔ اگر وہ محبت دل میں ہوئی تو تم فاقے سے بھی ہو گے تو تم اپنی زندگی سے محظوظ (Enjoy) کر رہے ہو گے، تم ویرانے میں بھی بیٹھے ہو گے تو تمہیں انجمن میں بیٹھنے کا مزہ آرہا ہو گا۔

محبت کی حقیقت:

دینِ اسلام نے محبت کی حقیقت کو بڑے اچھے انداز سے کھول کر واضح کر دیا اور بتایا کہ محبت ایک وجدانی کیفیت ہے اور اس کا مادہ فطری طور پر ہر انسان کے خمیر میں رکھ دیا گیا ہے۔ جس کو وہ ماحول مل جاتا ہے تو یہ بیج پھر پھلتا پھولتا ہے اور اس میں نیک اعمال کے پھل پھول نکلتے ہیں۔ لہٰذا دنیا کا کتنا گناہ گار اور غافل ترین انسان کیوں نہ ہو اگر اس کو آپ اچھے ماحول میں لے آئیں تو اس کے اندر وہ فطری بیج پھلنے پھولنے کے Chance (امکانات) موجود ہوتے ہیں۔

اس لئے دنیا نے دیکھا کہ ابن ثبات وقت کا کتنا بڑا ڈاکو تھا۔ وقت کے حکام نے اس کو سزائیں دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، حتی کہ اس کا ہاتھ بھی کاٹا، اس کو دس سال تک انہوں نے قید و بند کی صعوبتوں میں بھی رکھا، لیکن دس سال کے بعد جب جیل سے نکلا تو پھر اس نے چوری کرنی شروع کر دی۔ بالآخر جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا کسی طرح واسطہ پڑا تو اس مردِ قلندر کی ایک نگاہ تھی جس نے اس کے دل کو بدل دیا۔ حتی کہ وہ وقت کا ولی بنا اور جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے اس نے اجازت و خلافت پائی۔ تو انسان کتنا ہی غافل کیوں نہ ہو، اللہ والوں کی صحبت میں وہ ماحول مل جاتا ہے، وہ فضا مل جاتی ہے جہاں ہر انسان کے اندر چھپا ہوا دل محبت الٰہی کی انگڑائی لیتا ہے اور انسان کا دل اسے نیکی کی طرف آنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ اس لئے اللہ والوں کی ایک محفل بعض لوگوں کی زندگی کا رخ بدلنے کا ذریعہ بن جایا کرتی ہے،

دل ازل سے ہے کوئی آج کا شیدائی ہے
تھی جو ایک چوٹ پرانی وہ ابھر آئی ہے

وہ جو یوم میثاق کو عشق کی چوٹ پڑی تھی، ان کی محفلوں میں وہ چوٹ پھر ابھر آتی ہے، پھر وہ دردِ محبت دل میں نمایاں ہو جاتا ہے۔ پھر انسان اپنے آپ کو اللہ کے قریب محسوس کرتا ہے اس لئے ایک شاعر نے ناز میں آکر اپنے بارے میں اشعار کہے۔ کہتا ہے:

نازم باچشم خود کہ جمالے تو دیدہ است
افتم باپائے خود کہ باکوئید رسیدہ است

[میں اپنی آنکھوں پر بڑا ناز کرتا ہوں کہ اس نے تیرے جمال کو دیکھا ہے، میں اپنے پاؤں پر گرا ہوا ہوں اسی خوشی کی وجہ سے کہ وہ تیرے کوچے کے اندر چل کر گئے ہیں]

ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را
کو دامنت گرفتہ بوسویم کشیدہ است

''ہر لمحے میں اپنے ہاتھوں کو بوسہ دیتا ہوں کہ تیرے دامن کو انہوں نے پکڑا اور تجھے اپنی طرف کھینچا''

جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے محبت ملتی ہے نا تو پھر انسان کو اپنے اوپر بھی پیار آتا ہے کہ میں نے یہ کتنا اچھا کام کیا کہ اللہ کی محبت کو اپنے دل میں بسا لیا، میں نے کتنے اچھے راستے کو چن لیا۔ میں نے اس محبوب حقیقی کی محبت کو زندگی کا مقصد بنا لیا۔

محبت الٰہی کی شیرینی:

میرے دوستو! حلوائی کی دکان پر مکھیاں بیٹھی ہوتی ہیں، وہ ان کو اڑاتا بھی ہے تو مکھیاں جاتی نہیں ہیں، وہ پھر ہٹ کر لڈو پر بیٹھتی ہیں، پھر ہٹ کر برفی پر بیٹھتی ہیں، شہد

پر بیٹھتی ہیں، ہٹتی نہیں ہیں، سینکڑوں دفعہ اڑاؤ تو پھر وہیں آ کر بیٹھیں گی۔ آخر بات کیا ہے؟ شیرینی نے ان کو اپنی طرف کھینچ لیا ہوتا ہے۔ ان محفلوں میں یہ محبت الٰہی کی شیرینی ہوتی ہے جو کھینچ کر لے آتی ہے۔ کسی کے کاروبار کا تقاضا، کسی کے گھربار کا تقاضا، کسی کی صحت کا معاملہ، سینکڑوں چیزیں ہوتی ہیں، جو ان کو یہاں سے لے جانے پر مجبور کر رہی ہوتی ہیں، تمام تقاضوں کو اپنی جگہ دبا کر ان محفلوں میں بیٹھے ہوتے ہیں۔ اور یہاں ڈانٹ ڈپٹ بھی ہوتی ہے، سمجھانا بھی پڑتا ہے، آداب سکھانے پڑتے ہیں۔ اور جب بھی تربیت کرنی پڑے گی تو کبھی پیار سے اور کبھی ناراض ہو کر، جلال اور جمال اور دونوں انداز سے بندے کی تربیت ہوتی ہے۔ ماں باپ یہی تو کرتے ہیں، کبھی بچے کو پیار سے سمجھاتے ہیں اور کبھی اس کو غصے میں آ کر سمجھاتے ہیں۔ عین غصے میں بھی ان کے دل میں پیار ہی پیار ہوتا ہے مگر بچے کو سمجھانا ہوتا ہے۔ اسی طرح سالکین کو یہاں کتنی مرتبہ ایک بات پر ٹوکا جاتا ہے، روکا جاتا ہے، وہ ڈانٹ ڈپٹ بھی کھاتے ہیں پھر قریب آتے ہیں۔ وہ حلوائی کی دکان کی طرح ہٹ کر جاتے نہیں ہیں۔ یہ محبت الٰہی کی شیرینی ایسی ہے کہ جب دل کو ایک مرتبہ اپنی طرف کھینچ لیتی ہے تو جانے کا دل نہیں کرتا۔

کتنے لوگ اجتماع کی دعا کے دن مجبوریوں کی وجہ سے جانا چاہتے ہیں اور ان کے پاؤں ایسے ہوتے ہیں کہ جیسے زمین نے پکڑ لئے ہوں۔ کہتے ہیں: جی پتہ نہیں کیا مقناطیسیت ہے؟ کہ یہاں سے پاؤں ہٹتے ہی نہیں۔ کہنا پڑتا ہے کہ بھئی آپ نے جانا تھا تو آپ جائیں...... وہ کیا چیز ہوتی ہے؟ وہ اصل میں محبت الٰہی ہے۔

عشق کی دکانیں اور عشق کی پُڑیا:

جن کے دلوں میں یہ محبت الٰہی جوش مارتی ہے، وہ پھر عشق کی دکانوں کو تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ جیسے دنیا میں حلوائی کی دکانیں ہوتی ہیں، ایسے ہی اس دنیا میں

عشق کی بھی دکانیں ہوتی ہیں۔ یہ جو اللہ والوں کی جگہیں ہوتی ہیں، خانقاہیں ہوتی ہیں یہ عشق کی دکانیں ہوتی ہیں، یہاں سے عشق کی پڑیا ملتی ہے۔ حکیم کے پاس چلے جاؤ تو جسمانی بیماری کی پڑیا ملے گی، ان روحانی طبیبوں کے پاس چلے آؤ تو روحانی بیماریوں کی پڑیا ملے گی۔ محبت الٰہی والی ایسی ایک پڑیا دیتے ہیں کہ اندر کی ساری بیماریوں کو شفاء کلی نصیب ہو جاتی ہے۔ یہی دوائے دل ہے جس کو لینے کے لئے آپ حضرات یہاں آتے ہیں اور اپنا وقت یہاں گزارتے ہیں۔ یہ سالکین کا اجتماع اسی دوائے دل کو حاصل کرنے کے لئے ہے۔ سب اللہ کو چاہنے والے ہیں،

؎ ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

سب اللہ کے چاہنے والے، سب اسی کے دیوانے، اسی کی محبت میں بے قرار ہو کر ان جگہوں پہ آ جاتے ہیں۔ اسی کو شاعر نے کہا:

؎ نہ دانامہ گل خانداکہ رنگ و بو دارد
کہ مرغ ہر چمن گفتگوئے او دارد

ایمان کی شرط:

دنیا میں اسلام کا حسن و جمال دیکھئے کہ اس نے محبت الٰہی کو ایمان کی شرط قرار دیا ہے۔ دین اسلام نے محبتِ الٰہی کو ایمان کی شرط قرار دیا۔ چنانچہ ابو رضیع رضی اللہ عنہ ایک صحابی نے نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے پوچھا کہ ایمان کیا ہے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَنْ یَکُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِمَّا سِوَاهُمَا

کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا سے تمہیں زیادہ محبوب ہو جائیں، اسی

کا نام ایمان ہے۔تو یہ ایمان کی شرط ہے۔قرآن مجید میں بھی کہہ دیا:

قُلْ اِنْ كَانَ آبَائُكُمْ وَ اَبْنَائُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسَاكِنَ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَجِهَادٌ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ . (توبہ: ۲۴)

[کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور خاندان کے آدمی اور مال جو تم کماتے ہو اور تجارت جس کے بند ہونے سے تم ڈرتے ہو اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو، خدا اور اس کے رسول اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ عزیز ہوں تو ٹھہرے رہو حتی کہ اللہ اپنا حکم (عذاب) بھیجے۔]

دیکھا! ان تمام چیزوں سے اللہ رب العزت اور اس کے محبوب ﷺ کی محبت کو غالب ہونا چاہئے۔

دل اور دماغ کا فرق:

میرے دوستو! انسان کے پاس دو نعمتیں ہیں ایک دل اور ایک دماغ..دماغ علم الٰہی کا برتن ہے اور دل عشق الٰہی کا برتن ہے، مگر دونوں میں فرق بہت زیادہ ہے۔وجہ کیا ہے؟ دماغ ہفت زبان ہوتا ہے اور دل یک زبان ہوتا ہے۔

سات زبانوں میں اشعار:

سات زبانیں تو بہت سارے لوگ جانتے ہی ہیں۔چلیں آپ کو سات زبانوں میں اشعار سناتے ہیں:

اردو میں علامہ اقبال نے کہا:

؎ عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولین ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دین بت کدہ تصورات

[اگر محبت الٰہی نہ ہو تو پھر پوری کی پوری شریعت تصورات کا بت کدہ بن جاتی ہے۔ اگر محبت الٰہی کو نکال دو تو پیچھے کیا رہ گیا]

فارسی میں کہنے والے نے کہا:

؎ یا بہ مورہ یا بم جستجوئے می کنم
حاصل آید یا نہ آید آرزوئے می کنم

[میں اسے پاؤں یا نہ پاؤں مگر میں اس کو پانے کی جستجو تو کروں گا وہ مجھے حاصل ہو یا نہ ہو مگر اس کی آرزو تو مجھے کرنی ہے]

عربی زبان میں بھی اشعار ہیں۔ کسی نے کیا پیارا شعر کہا ہے:

تَرَکْتُ لَاتَ وَالْعُزّٰی جَمِیْعًا
کَذٰلِکَ یَفْعَلُ الرَّجُلُ الْبَصِیْرُ

کبھی کبھی تنہائی میں اپنے نفس کو مخاطب کر کے یہ شعر پڑھنا چاہئے اور انسان کے دل میں یہ جو مخلوق کی محبت چھپی ہوئی ہے نا، کسی کزن کی محبت، کسی پڑوسن کی محبت، یہ لات اور منات ہیں آج کی دنیا کے۔ تو اپنے نفس کو کہنا چاہئے۔

تَرَکْتُ لَاتَ وَالْعُزّٰی جَمِیْعًا
کَذٰلِکَ یَفْعَلُ الرَّجُلُ الْبَصِیْرُ

[لات اور منات کو میں نے چھوڑ دیا، ایسا ہی کرتا ہے ہر وہ شخص، جس کو اللہ نے بصیرت دی ہوئی ہوتی ہے]

انگریزی میں بھی کہنے والوں نے محبت الٰہی میں باتیں کیں، مثلاً کسی نے کہا:

Oh Allah! sweet is your memory,

Dear is your name,

Deep in my heart you will always remain.

[او اللہ! آپ کی یاد بڑی میٹھی ہے اور آپ کا نام بڑا پیارا ہے۔ اللہ! میرے دل کے اندر آپ ہمیشہ رہیں گے۔]

سرائیکی زبان میں بھی اللہ کی محبت میں کہنے والوں نے کہا:

ہور کہانی مول نہ بھانی

الف لئم دل کھس وے میاں جی

''ب'' ''ت'' دی میکوں لوڑ نہ کائی

الف کیتم بے وس وے میاں جی

[اللہ! کوئی اور کہانی مجھ کو اچھی نہیں لگی، ایک الف اللہ وہ ہی مجھے کافی ہے، الف نے مجھ سے میرا دل چھین لیا] ...... اللہ اکبر کبیرا!

پنجابی زبان میں بھی حضرت باہوؒ کے کتنے پیارے شعر ہیں:

الف اللہ چنبے دی بوٹی

من مرشد میرے وچ لائی ہو

نفی اثبات دا پانی ملیا

ہر رگے ہر جائی ہو

اندر بوٹی مشک مچایا

جان پھلن تے آئی ہو

جیوے مرشد کامل باہو

جیں اے بوٹی لائی ہو

اللہ تعالیٰ کی محبت میں پشتو زبان والوں نے بھی اشعار کہے۔ ہمیں تو آتی نہیں

ہے لیکن آپ کو شعر سناتے ہیں۔

چہ اللہ در سرہ مل نہ وی رحمانہ
کہ لبنکرے در سرہ وی یک تنہائے

[اگر تجھے اللہ نہ ملے تو اے رحمٰن! تیرے پاس لشکر بھی ہوں تو تو اکیلا اور تنہا ہے]

دل کی زبان:

تو انسان کا دماغ ہفت زبان ہے اور دل یک زبان ہے۔ دل ایک زبان جانتا ہے اور اس زبان کا نام ہے محبت، دل صرف محبت کی زبان جانتا ہے۔ اس لئے اللہ کا نام لو، دل پھڑک اٹھے گا، تڑپ اٹھے گا۔

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے
عشق بیچارہ نہ ملا ہے نہ واعظ نہ خطیب

تو دماغ ہفت زبان ہے، دل یک زبان، وہ محبت کی زبان جانتا ہے۔ اسی لئے کہنے والے نے کہا:

اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبان عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

عقل اور چیز ہے دل اور چیز ہے۔ عشق اور عقل کا علامہ اقبال نے ایک اور جگہ بہت پیارا تقابل لکھا ہے۔ کہتے ہیں:

نالہ ہے بلبل شوریدہ خام ابھی
اپنے سینے میں ذرا اور اسے تھام ابھی
پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی

عشق فرمودہ قاصد سے سبک گام عمل
عقل سمجھی ہی نہیں معنی پیغام ابھی
بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

عقل کہتی ہے، ادھر راستہ ہی نہیں جاتا، عشق کہتا ہے کہ اس راستے میں یار کو ہزاروں دفعہ مل کے آیا ہوں۔

؎ علم کی حد سے پرے بندہ مومن کے لئے
لذت شوق بھی ہے، نعمت دیدار بھی ہے

اسی لئے،

؎ لوٹ آئے جتنے فرزانے گئے
تابہ منزل صرف دیوانے گئے

(فرزانہ کہتے ہیں جو عقل سمجھ کے ساتھ اس راستے کو طے کر رہا ہو)
جن کے اندر منزل کو پالینے کی دیوانگی ہوتی ہے پھر وہ منزل پر پہنچ جایا کرتے ہیں۔ان کے لئے منزل قریب ہوتی ہے۔

دل کا کام:

انسان کے جسم کے مختلف اعضاء ہیں، ہر عضو کا ایک کام ہے: آنکھ کا کام ہے دیکھنا، زبان کا بولنا، کان کا سننا، دماغ کا سوچنا، اور دل کا کام محبت کرنا۔آنکھ کا تصور دیکھے بغیر نہیں، کان کا تصور سننے کے سوا نہیں، اسی طرح دل کا تصور محبت کے بغیر نہیں۔دل محبت کا برتن ہے، محبت اس میں ہوگی۔یہ الگ بات ہے کہ خالق کی محبت ہو یا مخلوق کی۔فرق اتنا ہوتا ہے کہ جو اللہ والوں کی صحبت میں آجاتے ہیں ان کے دلوں

سے مخلوق کی محبت کھرچ کے نکل جاتی ہے۔ اور اللہ کی محبت سے ان کے دل لبریز ہو جاتے ہیں، یہ عشق کی راہ پر چل جاتے ہیں اور دوسرے فسق کی راہ پر چل رہے ہوتے ہیں۔

اعضاء کی لذات:

ایک بات ذہن میں رکھنا! کہ انسان کے ہر عضو کی اپنی لذت ہوتی ہے۔

آنکھ کی لذتیں:

کچھ لذتیں انسان کو آنکھوں سے ملتی ہیں۔ آپ خوبصورت منظر دیکھیں تو اتنا اچھا لگتا ہے بسا اوقات تو کہ پیچھے ہٹنے کو دل نہیں چاہتا۔ کبھی دیکھا کریں، جو لوگ حج اور عمرے پہ جاتے ہیں جب وہ جدا ہو رہے ہوتے ہیں اور بیت اللہ شریف پر ان کی نگاہیں جمی ہوتی ہیں، اب ان کے لئے وہاں سے قدم پیچھے ہٹانا ایک مسئلہ ہوتا ہے، دل ہی نہیں چاہتا کہ بیت اللہ شریف سامنے ہے اور بندہ پیچھے ہٹ جائے اور اس کو اپنی آنکھوں سے اوجھل کر دے۔ ایک نعمت ہے جو بیت اللہ کو دیکھنے سے مل رہی ہوتی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ بغیر آنکھ جھپکے میں اللہ کے گھر کا دیدار کرتا رہوں۔ تو کچھ لذتیں دیکھنے کی راہ سے ملتی ہیں، کچھ لذتیں انسان کو سننے کے راستے سے ملتی ہیں۔ جیسے اچھی آواز میں قرآن پڑھا جائے کتنا مزہ آتا ہے! نبی ﷺ کی شان میں اشعار پڑھے جائیں کتنا مزہ آتا ہے۔ ابھی عزیزم اظہر اقبال آپ کے سامنے نعت پڑھ رہے تھے، میں نے مجمع میں کتنے لوگوں کو دیکھا جن کی آنکھوں سے آنسو آ رہے تھے۔ یہ کیا چیز تھی؟ ایک اچھی آواز میں اپنے محبوب کی جو تعریف ہوئی تو پھر دل قابو میں نہیں رہتا۔ وہ آنسوؤں کی زبان میں پھر اپنا پیغام لکھوانا شروع کر دیتا ہے۔ قلم تو سیاہی سے پیغام لکھواتا ہے اور دل آنکھوں کے پانی سے پیغام لکھوایا کرتا ہے۔

ناک کی لذتیں:

اسی طرح کچھ لذتیں انسان کو ناک کے راستے سے ملتی ہیں۔ مثال کے طور پہ خوشبوئیں، عنبر کو سونگھیں اور مزہ، عود کو سونگھیں اور مزہ کستوری کو سونگھیں تو اور مزہ۔ ہمیں ایک دفعہ ایک عربی دوست نے کستوری لا کر دیدی، بہت سال پہلے کی بات ہے، ابھی شادی نہیں ہوئی تھی عجیب خوشبو تھی اس کی۔ اللہ کی شان کہ کوئی ایک دو مہینے کے بعد ہمارے ایک قریبی دوست تھے (وہ جنرل منیجر تھے) ان کی شادی ہوئی تو ہم نے شادی پر اس کو وہ کستوری تحفہ اور ہدیہ کے طور پہ دے دی۔ ایک مہینے کی چھٹی گزار کر وہ واپس آئے تو بات بات میں ہم نے پوچھا کہ جی وہ خوشبو کیسی تھی؟ کہنے لگے: تھی تو بڑی اچھی، مگر اس نے تو لڑائی ڈلوادی۔ ہم بڑے پریشان ہوئے یا اللہ خیر! کہنے لگے کہ میں نے وہ خوشبو اپنی بیوی کو ہدیہ کر دی اور میری بیوی نے وہ خوشبو اپنے کپڑوں پر لگالی، اب خاندان کی جتنی نوجوان لڑکیاں تھیں وہ اس کے گرد ہو گئیں کہ یہ خوشبو ہمیں بھی دو، اس بیچاری نے ساری تقسیم کر دی۔ وہ کہتیں: تم نے چھپائی ہوئی ہے اور دو، جن کو دی، وہ تو خوش ہوئیں اور جن کو نہ دی وہ ناراض۔ اور اب تک سب یاد کرتے ہیں کہ وہ خوشبو کہیں سے منگوا کر دو۔ تو بعض اوقات ایسی خوشبوئیں ہوتی ہیں، اور وہ واقعی ایسی خوشبو تھی کہ اس عاجز نے اپنے کپڑوں کو اپنے ہاتھوں سے دھویا، کپڑے دھونے کے باوجود ایک ہفتے تک کستوری کی خوشبو میرے کپڑوں سے آرہی تھی۔ تو کچھ لذتیں انسان کو ناک کے راستے سے ملتی ہیں۔

زبان کی لذتیں:

کچھ زبان کے راستے سے لذتیں ملتی ہیں، یہ جو کھانے پینے کے Taste (ذائقے) اور لذتیں ہیں یہ بسا اوقات انسان کو مجبور کر دیتے ہیں۔ چنانچہ انسان کتنا کہہ رہا ہو کہ میں نے پیٹ بھر لیا ہے، پیٹ بھر لیا ہے، اس کو اگر آپ کوئی میٹھائی دکھا

دیں ،آئس کریم کے Flavour (مہک) سونگھا دیں تو اسی وقت منہ میں پانی آجائے گا، کہے گا کہ نہیں یہ تو مجھے کھانی ہی ہے۔ اور جس کو شوگر ہوگی وہ تو کہے گا نہیں جی اللہ توکل کھا لیتا ہوں، ویسے یہ مجھے کچھ کہتی نہیں ہے۔ تو میٹھا کھانے کے بہانے ڈھونڈتے ہیں اور ہماری محفل میں چونکہ دوستوں کو پتہ ہے کہ اگر کسی کو ایسی مرض ہو تو میں اس پر ذرا سختی کرتا ہوں تو جس نے کھانا ہوتا ہے وہ پھر مجھ سے چھپ چھپ کر کھاتا ہے۔ ڈاکٹر نے منع بھی کیا ہوتا ہے مگر کھانے سے رہ نہیں سکتے۔ تو کچھ لذتیں انسان کو زبان کے راستے ملتی ہیں۔

پوشیدہ اعضاء کی لذتیں:

کچھ لذتیں انسان کو جسم کے پوشیدہ ا ماء کے ذریعے ملتی ہیں۔ وہ جوانی کی لذتیں ہیں اور سب شادی شدہ لوگ جانتے ہیں کہ ان لذتوں کے سامنے کھانے پینے کی لذت کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔

دل کی لذتیں:

تو جس طرح ہر عضو کی لذت جدا ہے۔ اور ایک عضو سے بڑھ کر دوسرے عضو کی لذت بڑی ہے۔ ان تمام اعضاء کا سردار انسان کا دل ہے اور ایک لذت انسان کو دل سے بھی ملتی ہے اور وہ لذت ہے محبت الٰہی کی لذت۔ جس اللہ کے بندے کو یہ محبت الٰہی کی لذت مل گئی پھر جسمانی نفسانی لذتیں اس کے سامنے ہیچ ہو جاتی ہیں۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

یہ اللہ تعالیٰ کی لذت بھی عجیب ہوتی ہے۔ یہی ہوتی ہے جو اللہ والوں کو تہجد کے وقت میں جگاتی ہے، جو ساری ساری رات انسان کو مصلے پر بٹھاتی ہے، جو انسان کو

مراقبے میں گھنٹوں بٹھائے رکھتی ہے، جو تنہائی میں بھی انسان کو اداس نہیں ہونے دیتی۔ یہ دل کی لذت ہوتی ہے جو اللہ والوں کو دل کے مزے نصیب ہوتے ہیں۔ اسی لئے جو لوگ اللہ والوں کی محفل میں آتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو گدگدا دیتے ہیں۔ دیکھیں بھئی! بدن پر کوئی گدگدی کرے تو کتنی عجیب سی کیفیت ہوتی ہے، مزہ آتا ہے، برداشت نہیں ہوتا۔ تو جسم کو گدگدی ہو تو اتنا مزہ اور اگر دل کو گدگدایا جائے تو کتنا مزہ آئے گا! تو اللہ کی باتوں سے، اللہ کے تذکرے سے، اللہ کے ذکر سے، اللہ والے سالک کے دل کو گدگداتے ہیں۔ تو پھر بندے کو مزہ مل جاتا ہے، لطف نصیب ہو جاتا ہے۔

قانونی تعلق:

ایک بات دل میں رکھنا! ایک ہوتا ہے قانونی تعلق اور ایک ہوتا ہے جنونی تعلق۔ بات بڑی نکتے کی، سمجھنے والی ہے۔ ایک ہوتا ہے قانونی تعلق اور ایک ہوتا ہے جنونی تعلق۔ مثال کے طور پر کئی دفعہ میاں بیوی رشتہ میں تو میاں بیوی ہوتے ہیں لیکن انڈرسٹینڈنگ (مفاہمت) بالکل نہیں ہوتی، جس کی وجہ سے روز کھٹ پھٹ ہوتی رہتی ہے۔ اور کھٹ پھٹ ہوتے ہوتے ایک وقت ایسا آتا ہے کہ ایک دوسرے کی شکل دیکھنے کو دل نہیں کرتا۔ ایک گھر میں رہتے ہیں، ایک دوسرے کی زندگی کے ساتھی کہلاتے ہیں، خاوند کما کر لاتا ہے، بیوی کو خرچہ دیتا ہے اور بیوی روٹی پکاتی ہے، گھر کے کام کاج کرتی ہے، دونوں گھر چلا رہے ہوتے ہیں مگر تعلق کون سا ہوتا ہے قانونی تعلق ہوتا ہے۔ کہ میاں بیوی جو ہوئے، اب وقت تو گزارنا ہے۔ چنانچہ خاوند نے کبھی بیٹھ کر بیوی کے ساتھ روٹی نہیں کھائی ہوتی۔ بیوی بیمار ہو جائے تو کبھی اس نے پوچھا بھی نہیں ہوتا کہ تم نے دوائی بھی لی یا نہیں، اس لئے کہ قانونی تعلق جو رہ گیا۔ دل

میں محبت نہیں ہے، ظاہرداری ہے۔ اور اس ظاہرداری کی وجہ سے راتوں کو دیر سویر سے آتا ہے، کبھی بیوی کی طرف مسکرا کر نہیں دیکھتا، ذرا موقع ملتا ہے تو فوراً ڈانٹ ڈپٹ شروع کر دیتا ہے، لوگوں کے سامنے اس کو بے عزت کر کے خوش ہوتا ہے۔ لوگوں کے سامنے اس کی چھوٹی چھوٹی غلطیوں کو بھی بڑے بڑے عیب بنا کر پیش کرتا ہے۔ بیوی خاوند کی غلطیاں ڈھونڈتی ہے اور خاوند بیوی کی۔ ہیں آپس میں میاں بیوی مگر ایک دوسرے کے خلاف دل میں بغض ایسا بھرا ہوتا ہے کہ اگر ڈنڈا بیوی کے ہاتھ میں دیں تو سب سے پہلے وہ خاوند کے سر میں مارے اور خاوند کے ہاتھ میں دیں تو سب سے پہلے وہ بیوی کے سر میں مارے، یہ تعلق قانونی تعلق کہلاتا ہے۔

جنونی تعلق:

اور ایک ہوتا ہے جنونی تعلق۔ جب میاں بیوی کے درمیان جنونی تعلق ہوتا ہے تو پھر دفتر سے بھی صاحب بہانہ بنا کر جلدی گھر آ جاتے ہیں۔ پھر جب باہر کوئی کہتا ہے: کھانا کھالو! تو کہتا ہے، نہیں میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے میں گھر جا کر کھاؤں گا، مطلب یہ کہ جو سروس مجھے گھر میں ملے گی وہ کہیں نہیں مل سکتی۔ پھر گھر سے باہر رات گزارنی مصیبت نظر آتی ہے، پھر دفتر میں کام کے دوران بھی بہانے سے بیوی کو فون کر رہے ہوتے ہیں، بیوی کو پوچھ رہے ہوتے ہیں آج کیا پکایا، پھر چھٹیوں میں ادھر ادھر آؤٹنگ (گھومنے پھرنے) کے پروگرام بنائے جا رہے ہوتے ہیں۔ پھر بہانے سے او جی ہماری شادی کی سالگرہ کا دن آ رہا ہے تو اس دن ایک دوسرے کو گفٹ لئے دیئے جا رہے ہوتے ہیں، یعنی ایک دوسرے کے ساتھ مل بیٹھنے کے بہانے تلاش کر رہے ہوتے ہیں، اس کو جنونی تعلق کہتے ہیں۔

لوگ کہتے بھی ہیں کہ یہ دیکھو جی! زن مرید بن گیا ہے۔ ایک کان سے سنتے ہیں

دوسرے سے نکال دیتے ہیں۔ کسی کی پرواہ ہی نہیں کرتے، ایسے بھی دیکھا کہ اتنی افراط وتفریط زندگی میں آجاتی ہے کہ لوگ اپنے سگے ماں باپ کو بھی وہ محبت نہیں دے پاتے جو وہ اپنی بیوی کو دیتے ہیں، یہ تعلق کیا کہلاتا ہے؟ جنونی تعلق کہلاتا ہے۔ میاں بیوی ایک دوسرے کے ساتھ بہت رومانٹک زندگی گزارتے ہیں، تو ایک قانونی تعلق ہوتا ہے اور ایک جنونی تعلق۔

آج کے مسلمان کی حالت:

اگر آپ نے یہ مذکورہ مثال اچھی طرح سمجھ لی تو ایک افسوس کی بات یہ ہے کہ آج کے عام مسلمان کو اپنے اللہ کے ساتھ قانونی تعلق رہ گیا ہے۔ آج کے عام مسلمانوں کو اپنے اللہ کے ساتھ کون سا تعلق رہ گیا ہے؟ قانونی تعلق۔ اسی لئے پوچھتے ہیں یہ سنت ہی ہے نا؟ کوئی واجب اور فرض تو نہیں۔ جی میں نے واجب اور فرض پڑھ لئے ہیں اور کیا کروں؟ قانونی تعلق ہے بس فرض پڑھے بھگتا دیا، نفلیں بھی گئیں، تلاوت بھی گئی، ذکر بھی گیا، باقی مستحبات بھی گئے، بس وہ قانونی تعلق نبھا رہے ہیں۔ زکوۃ اگر کبھی دے دی تو بوجھل دل کے ساتھ، اللہ اللہ خیر صلا۔ اللہ راستے میں ایک پیسہ صدقہ دینے کی توفیق نہیں ہوتی۔ مسجد میں آنا مصیبت نظر آتا ہے، ایسے وقت میں آتے ہیں، جب امام اپنے عربی خطبے کے آخری الفاظ پڑھ رہا ہوتا ہے اور پچھلی صف میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ کر وہیں سے سیدھا واپس چلے جاتے ہیں اور مسجد سے نکل کر ایسے اپنے کپڑوں کو درست کرتے ہیں جیسے کسی جیل خانے سے نکل کے باہر آگئے ہیں۔ یہ قانونی تعلق ہے۔ مارے باندھے عمل کرتے رہتے ہیں، جتنا جان چھڑوا سکتے ہیں، اتنا چھڑوانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کو کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ سے قانونی تعلق۔ کلمہ پڑھ لیا، اس کو خدا مان لیا، لہٰذا اب کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہے۔ جیسے نکاح پڑھوایا گیا، بیوی ہے، لہٰذا اس کو تنخواہ تو لا کر دینی ہے۔ تو اسی طرح آج کے مسلمان کو اپنے

اللہ سے قانونی تعلق رہ گیا ہے۔

اللہ سے جنونی تعلق مطلوب ہے:

اور اللہ تعالیٰ کیا چاہتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ میرے بندے کو مجھ سے جنونی تعلق ہونا چاہئے۔ اور یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا، یہ مخبر صادق، اللہ کے پیارے محبوب نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے آ کر بتائی اور فرمایا:

اُذْكُرُوْ اللّٰهَ حَتّٰى يُقَالَ اِنَّهُ مَجْنُوْن

[تم اللہ کا ذکر اتنا کرو حتی کہ لوگ کہیں کہ یہ تو مجنون ہے]۔

تو اللہ تعالیٰ کیا چاہتے ہیں؟ بندے سے جنونی تعلق چاہتے ہیں۔ اور پھر جب جنونی تعلق ہوتا ہے، تو پھر فرض پڑھ کر مزہ پورا نہیں ہوتا۔ پھر واجب بھی، سنتیں بھی، مستحبات بھی، فرض کے بعد مسجد میں مراقبے میں بیٹھنے کو بھی دل کرتا ہے، پھر رات کو تہجد میں اٹھ کر ملاقات کرنے کو بھی دل کرتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کی یاد میں قرآن کی لمبی تلاوت کرنے کو بھی دل کرتا ہے، پھر انسان عبادت کے بہانے ڈھونڈتا ہے، پھر انسان اللہ تعالیٰ کا نام سن کر تڑپ جاتا ہے، پھر اللہ کے راستے میں کوئی رکاوٹ بنے اس رکاوٹ پر پاؤں رکھ کر انسان آگے گزر جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس بندے کو اللہ رب العزت سے جنونی تعلق ہوتا ہے۔ جب یہ جنونی تعلق ہوتا ہے تو پھر زندگی میں محبوب کا ہی غلبہ ہوتا ہے۔ دیکھیں! زلیخا کو یوسف علیہ السلام سے محبت ہوگئی تھی، جنونی تعلق ہوگیا تھا، اور یہ جنونی تعلق کیسا تھا؟ اتنا کہنے والے نے کہا:

چوں زلیخا کف سپندہ پابہ عور
نام جملہ چیز یوسف کرد بود

[زلیخا کا حال دیکھو! اس نے یہاں سے لے کر وہاں تک ہر چیز کا نام یوسف رکھ دیا]

زلیخا جو چیز سامنے نظر آتی تھی اس کو یوسف کہتی تھی۔ یہ بھی یوسف ہے تو یہ بھی یوسف ہے، یہ بھی یوسف ہے اس کو دنیا میں سارے یوسف ہی نظر آتے تھے۔ تو جب نفسانی، شیطانی محبتوں میں جنون کی کیفیت ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی جنونی تعلق اللہ رب العزت سے بھی ہو جاتا ہے۔ پھر انسان کے دل پہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ پھر انسان کو تلاوتِ قرآن کے بغیر مزہ نہیں آتا، پھر نماز کے بغیر مزہ نہیں آتا، پھر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح وہ کہتا ہے کہ

''اے اللہ! دن اچھا نہیں لگتا مگر تیری یاد کے ساتھ اور رات اچھی نہیں لگتی مگر تجھ سے راز و نیاز کے ساتھ''

پھر وہ کہتا ہے:

نہ غرض کسی سے نہ واسطہ، مجھے کام اپنے ہی کام سے
تیرے ذکر سے، تیری فکر سے، تیری یاد سے تیرے نام سے

اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ یہ محبت کا تعلق بندے کو میرے ساتھ ہو اس لئے ارشاد فرمایا:

﴿ وَ الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہ ﴾ (البقرۃ:۱۶۵)

[ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ سے شدید محبت ہوتی ہے]

ایمان والے اللہ تعالیٰ سے ٹوٹ کر پیار کرتے ہیں، اتنی محبت ہوتی ہے انہیں اللہ تعالیٰ سے

محبوب کی ہر چیز اچھی لگتی ہے:

چنانچہ جب کسی سے محبت ہو تو اس کی چیزوں سے بھی محبت ہوتی ہے۔ ایک ماں کا بیٹا فوت ہو گیا تھا، وہ بیٹے کے کپڑوں کو دیکھ کر رویا کرتی تھی، بیٹے کے کمرے میں جا کر رویا کرتی تھی، جس چیز پر بھی اس کی نظر پڑتی اسے بیٹا یاد آتا، وہ روتی تھی۔ تو

بالکل اسی طرح مومن کو جب اللہ تعالیٰ سے محبت ہوتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ سے نسبت رکھنے والی کوئی بھی چیز ہو تو بندے کو اس چیز سے محبت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس کو شعائرُ اللہ سے محبت ہوتی ہے، کلام اللہ سے محبت ہوگی، رسول اللہ سے محبت ہوگی، بیت اللہ سے محبت ہوگی، اولیاء اللہ سے محبت ہوگی۔ یہ اللہ تعالیٰ سے محبت ہوتی ہے کہ وہ نسبتیں بھی اسے اچھی لگ رہی ہوتی ہیں۔ چنانچہ جب محبوب کیساتھ محبت ہو، اس کی معیت اچھی لگتی ہے، اس کے ساتھ ہمکلامی اچھی لگتی ہے، اس کو دیکھنا اچھا لگتا ہے اور اس کے ساتھ ملاپ اچھا لگتا ہے۔

اللہ کے ذکر سے مؤمن کا دل تڑپتا ہے:

اور یہی حال مومن کا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اس کو اللہ تعالیٰ کی معیت ملتی ہے، جو کہ حدیث پاک میں فرما دیا گیا، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی بندہ میرا ذکر کرتا ہے،

اَنَا جَلِیْسُ مَعَ مَنْ ذَکَرَنِیْ

[میں اس بندے کا ہم جلیس ہوتا ہوں جو میرا ذکر کرتا ہے]

میں اس بندے کے پاس ہوتا ہوں۔ چونکہ ذکر کی حالت میں بندے کے ساتھ اللہ کی معیت ہوتی ہے لہٰذا مومن کو اللہ کی معیت اچھی لگتی ہے۔ وہ اپنا وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں گزارتا ہے۔ یہ معیت الٰہی اسے اچھی لگتی ہے، ذکر الٰہی میں اسے لذت ملتی ہے، اللہ کا نام سن کر اس کا دل تڑپ جاتا ہے اور یہی بات کہی گئی۔

سنئے اور ذرا دل کے کانوں سے سنئے! فرمایا

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ ﴾

[جو مومن بندے ہیں جب ان کے سامنے اللہ کا تذکرہ ہوتا ہے، ان کے دل تڑپ اٹھتے ہیں]

اللہ تعالیٰ کا نام سن کر مومن کا دل تڑپ اٹھتا ہے۔اب اس وجلت قلوبھم کو ذرا اور انداز سے سمجھیں۔

ایک بیمارِ عشق کا واقعہ:

ایک واقعہ سن لیجئے! ایک بادشاہ نے کسی لڑکی کے ساتھ نکاح کیا، بڑی محبتوں کے ساتھ اس نے اسے محل میں رکھا، مگر لڑکی روز بروز چپ ہوتی گئی، کمزور ہوتی گئی، اس کی صحت گرتی چلی گئی، شکل دیکھ کر پتہ چلتا تھا کہ یہ خوش نہیں ہے، یہ مغموم ہے، یہ اداس ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے بڑے علاج کروائے کوئی دوائی ٹھیک ہی نہیں بیٹھتی تھی۔ ایک طبیب تھا جس کو کچھ باطن کی نظر بھی حاصل تھی۔اس نے بادشاہ سے کہا: بادشاہ سلامت! میں اس کا علاج کرتا ہوں اگر آپ مجھے اجازت دیں اور اس کو آپ اس کی باندی کے ساتھ میرے پاس بھیج دیا کریں۔بادشاہ نے کہا بہت اچھا۔ بادشاہ نے اس کو اس طبیب کے پاس بھیج دیا۔طبیب نے اس لڑکی کے سارے کوائف جمع کر لئے۔ جدھر سے شادی ہو کر آئی تھی اور جتنے رشتے اس کے آئے تھے اور جتنے رشتے دار اس کے امیدوار تھے، اس نے وہ ساری معلومات اکٹھی کر لیں۔اس نے اس لڑکی کو بٹھایا اور چیک اپ کیا، اور دیکھا کہ کوئی بدنی مرض نہیں ہے۔ یہ کوئی اندر کا روگ ہے، اندر کا مرض ہے۔ چنانچہ اس نے اس کی نبض پر ہاتھ رکھا اور اس سے باتیں شروع کر دیں اور باتیں کرتے کرتے اس نے ان سب کے نام لینا شروع کر دیئے جن کے رشتے آئے تھے، تو جب اس نے اس جیولر کا نام لیا جو اس کا کزن بھی تھا اور جس کے ساتھ اس لڑکی کو چھپی محبت تھی تو اس کی نبض تیز ہو گئی۔لڑکی دراصل اس کزن سے شادی کرنا چاہتی تھی مگر ماں باپ نے وقت کے بادشاہ سے شادی کر دی، اب لڑکی دل میں اسے بسا رہی تھی اور گھر بادشاہ کا بسا رہی تھی۔

اب جب طبیب نے دیکھا کہ نبض تیز ہو گئی تو طبیب نے اس سے پوچھ لیا کہ

اب بتاؤ بھئی! آپ کے دل کی بات یہی ہے نا کہ آپ کی پسند یہ تھی کہ اس کے ساتھ شادی ہوتی اور ہو بادشاہ کے ساتھ گئی، تو اسے اپنا راز کھولنا پڑا۔

اللہ ذکر سے مؤمن کی نبض تیز ہو جاتی ہے:

تو یہ واقعہ ذہن میں رکھتے ہوئے اب آپ اس آیت کی تفسیر کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ ، مومن وہ لوگ ہوتے ہیں اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ جب ان کے سامنے اللہ کا نام آتا ہے وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ ان کی نبض تیز ہو جایا کرتی ہے۔ اللہ کا نام سن کر مومن کی نبض تیز ہو جاتی ہے، اللہ سے دل ملا ہوتا ہے، اللہ اس کے دل میں بسا ہوتا ہے، اللہ کی محبت اسکے دل میں رچ بس چکی ہوتی ہے۔ اس لئے اللہ کا نام سن کر یہ بے قرار ہو جاتا ہے، تڑپ اٹھتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو میرے مومن بندے ہیں وہ میرا نام سنتے ہیں تو میرا نام سن کر ان کے دل تڑپتے ہیں، ان کے دلوں کی دھڑکنیں تیز ہو جایا کرتی ہیں۔ کاش! اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنا ایسا ہی تعلق نصیب فرما دے۔

تلاوت قرآن......اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی:

تو ذکر سے اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہوئی ہے اور تلاوت سے اللہ تعالیٰ کی ہم کلامی نصیب ہوئی۔ اب اگر کسی کے ساتھ ٹیلیفون پر گفتگو ہو رہی ہو اور درمیان میں محبت کا جنونی تعلق ہو تو پانچ منٹ گزرنے کا پتہ بھی نہیں چلتا، دس منٹ کا بھی پتہ نہیں چلتا۔ اگر بیٹا کہے کہ امی میں سعودی عرب سے فون کر رہا ہوں اور آدھا گھنٹہ گزر گیا ہے، تو ماں کہے گی بیٹا! ابھی تو میں نے دو ہی باتیں کی ہیں۔ یہ ماں کو جنونی تعلق ہے۔ آدھا گھنٹہ بیٹے سے بات کرتی رہی اور اسے لگتا ہے کہ میں نے دو ہی باتیں کی ہیں۔ بالکل اسی طرح مومن کو جب اللہ تعالیٰ سے جنونی تعلق ہوتا ہے تو وہ گھنٹوں

قرآن پڑھتا ہے اسے لگتا ہے کہ ابھی تو میں نے تھوڑا سا اللہ کا قرآن پڑھا ہے۔تو قرآن پڑھتے ہوئے جی نہیں بھرتا، دل چاہتا ہے اور پڑھتا جاؤں اور پڑھتا جاؤں۔ وہ پڑھتا ہے اور محبوب سے باتیں کرتے ہوئے اس کا دل تڑپتا ہے اس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔قرآن مجید میں اس کیفیت کو یوں کہہ دیا:

﴿ وَ اِذَا سَمِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِيْنَ ﴾ (المائدة:۸۳)

اللہ اکبر۔

﴿ وَ مَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ مَا جَاءَ نَا مِنَ الْحَقِّ وَ نَطْمَعُ يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِيْنَ ﴾ (المائدة:۸۴)

اور جب یوں تڑپ کے بات کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا ﴾ (المائدة:۸۵)

پھر اللہ تعالیٰ بھی عطا فرما دیتے ہیں جو یوں تڑپ کر اپنے رب سے مانگتا ہے۔تو اللہ تعالیٰ سے پھر ہمکلامی اچھی لگتی ہے، پھر انسان کو اللہ تعالیٰ سے ملاقات اچھی لگتی ہے۔

نماز......اللہ تعالیٰ سے ملاقات:

نماز اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہے۔اسی لئے تو نبی علیہ الصلوۃ والسلام فرمایا کرتے تھے:

اَرِحْنِيْ يَا بِلَالُ [اے بلال مجھے ٹھنڈک پہنچا]

کیا مطلب؟ اذان دو! میرے دل کو ٹھنڈک مل جائے، میں اپنے رب سے ملاقات کرلوں۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللہ ﷺ یحدثنا و نحدثه فاذا حضرت الصلوة کانه لم یعرفنا و لم نعرفه

جب نماز کا وقت آ جاتا تھا، اللہ کے نبی ﷺ ایسے ہو جاتے تھے کہ وہ ہمیں نہیں پہچانتے تھے۔ فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ اذان کی آواز سنی تو اللہ کے محبوب اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ میں ذرا سامنے آئی تو نبی ﷺ نے پوچھا: **من انت** ؟ (تو کون ہے؟) میں نے کہا: عائشہ، تو نبی ﷺ نے فرمایا **من عائشة** ؟ (عائشہ کون؟) میں نے کہا: **بنت ابی بکر** (ابوبکر کی بیٹی)۔ فرمانے لگے: **من ابو بکر** ؟ ابوبکر کون؟ میں نے کہا: **ابن ابی قحافه** ۔ فرمانے لگے: **من ابی قحافه** ؟ فرماتی ہیں کہ جب نبی ﷺ نے فرمایا کہ ابوقحافہ کون؟ پھر میں گھبرا گئی کہ نبی ﷺ اب کسی کو نہیں پہچانیں گے۔ پیچھے ہٹ گئی نبی اکرم ﷺ کی جب کیفیت پھر عام حالت والی ہوئی اور وہ محبت کی کیفیت ذرا کم ہوئی تو فرمایا: عائشہ!

لی مع اللہ وقت [میرا اللہ کے ساتھ ایک وقت ہوتا ہے]

کوئی نبی مرسل، کوئی اللہ کا فرشتہ اس وقت میرے اور اللہ کے درمیان حائل نہیں ہوسکتا۔ پھر اللہ سے ملاقات کرنے کو دل چاہتا ہے۔ اور یہ نماز اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا سبب بن جاتی ہے، پھر مومن کا دل نماز سے نہیں بھرتا، پھر فرض پڑھنا تو اپنی جگہ پھر بنا سنوار کے واجب بھی پڑھتا ہے، سنت بھی پڑھتا ہے، نفل بھی پڑھتا ہے اور پھر نفل سے بھی دل نہیں بھرتا تو اور زیادہ اپنے رب کے سامنے لمبا قیام کر رہا ہوتا ہے، لمبا سجود بھی کر رہا ہوتا ہے، یہ اللہ سے ملاقات ہوتی ہے۔

ایک دوسری روایت میں عائشہ رضی اللہ عنہا، فرماتی ہیں:

و اذا سمع الآذان کانه لا یعرف احدا من النا س

(نبی اکرم ﷺ جب آذان سنتے تھے، ایسے ہو جاتے تھے جیسے لوگوں میں سے کسی ایک کو بھی نہیں پہچانتے)

اب اپنے رب نے بلا لیا، جیسے دلہے کی شادی ہو اور اسے گھر جانا ہو اور اس وقت میں دوست بلائیں، آؤ یار! ہم آپ کو کوک پلاتے ہیں تو وہ کہے گا کہ آج تو تیری کوک میرے گلے کو "چوک" کرے گی، آج نہیں میں کوک پیتا، مجھے آج گھر جانا ہے۔ اسی طرح مؤمن کی کیفیت ہوتی ہے، جب وہ آذان کی آواز سن لیتا ہے پھر اس کو مسجد کی طرف جائے بغیر چین نہیں آتا، پھر وہ اللہ کی محبت میں وضو کر کے خراماں خراماں اللہ کے گھر کی طرف جا رہا ہوتا ہے۔ اسی لئے حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو شخص گھر سے وضو کر کے مسجد کی طرف جاتا ہے وہ اس حاجی کی طرح ہوتا ہے جو احرام باندھ کر اپنے رب کے گھر کا دیدار کرنے کیلئے جا رہا ہوتا ہے۔ یہ محبت کا تعلق ہمیں بھی نصیب ہو جائے تو یہ ملاقات نماز کے ذریعے انسان کو نصیب ہوتی ہے۔

موت......تحفۂ مومن:

اور پھر ایک وقت آتا ہے کہ جب محبوب کو دیکھنے کا دل کرتا ہے۔ انسان اللہ کو دیکھنے کیلئے تڑپتا ہے۔ تو پھر کیا ہوتا ہے؟ پھر انسان چاہتا ہے کہ اللہ! بس اب مجھے جلدی اس دنیا سے جانے کا موقع نصیب ہو جائے، پھر اسے موت اچھی لگتی ہے۔ اس لئے فرمایا کہ

تُحْفَةُ الْمُؤْمِنِ اَلْمَوْتُ [موت مومن کیلئے تحفہ ہوتی ہے]

کہنے والوں نے کہا:

اَلْمَوْتُ جِسْرٌ يُوْصِلُ الْحَبِيْبَ اِلَى الْحَبِيْبِ

[موت ایک پل ہے جو ایک دوست کو دوسرے دوست سے ملا دیا کرتی ہے]

پھر وہ انتظار میں رہتا ہے کہ میں کب اس دنیا سے جاؤں گا اور اپنے مولیٰ سے

جا کر ملوں گا، اس حدیث پاک میں آتا ہے:

مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَائَهٗ

[جو اللہ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس بندے سے ملاقات کو پسند فرماتا ہے]

پھر اللہ تعالیٰ سے ملاقات کر کے انسان کو مزہ آئے گا۔

محفلِ دیدار:

چنانچہ قیامت کے دن مومن اللہ تعالیٰ کا دیدار کریگا۔ اتنا مزہ آئے گا اتنا مزہ آئے گا کہ مومن وہاں سے جنت میں جانا ہی نہیں چاہیں گے، چنانچہ فرشتوں کو حکم ہوگا کہ ان کو جنت میں لے جاؤ۔ یہ ایسا ہی ہوگا کہ پیر صاحب کہہ بھی دیتے ہیں کہ بھئی! اب آپ یہاں سے چلے جائیں! تو عاشق لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہاں سے ملتے ہی نہیں۔ کہتے ہیں جی پتہ نہیں کیا مقناطیسیت ہے! زمین سے ہلنے کو دل ہی نہیں چاہتا۔ تو وہ کہہ بھی دیتے ہیں کہ بھئی آپ اب یہاں سے چلے جائیں! محفل برخاست ہوگئی ہے، تو محبت والے وہیں بیٹھے رہتے ہیں پھر ان کو کہہ کر لے جانا پڑتا ہے اور انتظامیہ والے ان کی منتیں کر کے لے جا رہے ہوتے ہیں اور ان کی کمر پر ہاتھ پھیر کر تھپکیاں دیتے ہیں اچھا بھئی! پھر آجانا، ابھی تشریف لے جائیں تو ان کو بھیجنا پڑتا ہے۔ بالکل اسی طرح قیامت کے دن مومنوں کو کہہ دیا جائے گا کہ جنت میں چلے جاؤ! فرشتے ان کی منتیں کریں گے، مومن وہیں اللہ کے دیدار میں مست کھڑے رہیں گے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ تعجب کرتا ہوں ان لوگوں پر جن کو قیامت کے دن فرشتے نور کی زنجیروں سے باندھ کر جنت میں کھینچ کر لے جائیں گے، ان کی طبیعت جانے کو نہیں کرے گی، اللہ کے دیدار میں اتنے مستغرق ہوں گے، یہ محبت ہوتی ہے۔ پھر انسان کو نماز کا مزہ، تلاوت کا مزہ اور پھر انسان کو زندگی کا مزہ آتا ہے۔

اللہ! وہ دل دے جو تیرے عشق کا گھر ہو
دائم رحمت کی تیری جس پر نظر ہو
دل دے کہ تیرے عشق میں یہ حال ہو اس کا
محشر کا اگر شور ہو تو بھی نہ خبر ہو

اے اللہ! ایسا دل دے دیجئے، ایسی آپ کی محبت اس میں سما جائے کہ محشر کا شور بھی ہو تو پھر بھی میرے دل کو اس کا پتہ نہ چلے، میں اللہ کی محبت میں ایسا مست رہوں۔ اللہ رب العزت ہمیں یہ نعمتیں نصیب فرمائے۔

محبت الٰہی کا حصول

اب یہ محبت الٰہی ہم کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟ اس کے لئے ہمارے مشائخ نے کچھ طریقے بتائے ہیں۔ سنئے اور دل کے کانوں سے سنئے!!

(۱) طلب صادق:

چنانچہ آپ کا یہاں آنا اس بات کی دلیل کہ اللہ تعالیٰ آپ کو نوازنا چاہتے ہیں۔ وہ کیسے بھئی؟ وہ اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو کوئی چیز نہ دینا چاہیں تو اس چیز کی طلب بندے کو نہیں دیا کرتے۔ ورنہ یہ سخی کی شان کے خلاف ہے کہ مانگنے والا مانگے اور سخی نہ دے، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ مانگنے کی توفیق بعد میں دیتے ہیں اور دینے کا ارادہ پہلے فرمالیتے ہیں۔

مَنْ طَلَبَ فَقَدْ وَجَدَ [جس نے طلب کیا اس نے پالیا]

آپ سچے دل کے ساتھ آج تمام نفسانی، شیطانی، شہوانی محبتوں کو دل سے نکالنے کا عہد کر لیجئے! اور اللہ سے ان کی محبت کو طلب کر لیجئے اور پھر دیکھئے کہ یہ محبت آپ کے دل کو کیسے گرماتی ہے، یہ محبت آپ کے دل کو کیسے بھر دیتی ہے؟ یہ برتن بھر

جائے گا مگر اس میں اگر پہلے سے کوئی گند ہوا تو اس گند کو نکالنا پڑے گا، صاف کرنا پڑے گا۔ چونکہ اس گند سے اچھی طرح توبہ نہیں کرتے تو محبت کی وہ چاشنی نہیں ملتی جو ملنی چاہیے۔ تو ہمارے مشائخ نے اسکے طریقے بتائے ہیں کہ یہ محبت الٰہی کیسے ملتی ہے؟

ایک طریقہ تو اس کا حدیث پاک میں آیا ہے، مشکوۃ شریف کی حدیث ہے، نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ "اللہ کی محبت ملتی ہے موت کو کثرت کے ساتھ یاد کرنے اور تلاوت قرآن کثرت کے ساتھ کرنے سے"۔

(۳) موت کی یاد:

موت کو کثرت کے ساتھ یاد کرنے کا کیا مطلب؟ موت کو کثرت سے یاد کرنے سے آرزوئیں ٹوٹتی ہیں، چاہتیں ختم ہوتی ہیں، انسان کے دل میں جو آرزوئیں ہوتی ہیں، جن کو انسان نے اپنی جان بنایا ہوتا ہے، بلکہ جنہوں نے انسان کو نوجوان بنایا ہوتا ہے۔ کسی نے کہا تھا "ابھی تو میں جوان ہوں" اور آگے ایک بوڑھا تھا تو اس نے سن کر کہا کہ ابھی تو میں تو جوان ہوں۔ تو یہ آرزوئیں موت کی یاد کے ساتھ کم ہو جاتی ہیں، یہ ٹوٹتی ہیں۔ اس لئے نبی ﷺ نے فرمایا:

اذکروا ھاذم للذات الموت

لذتوں کو توڑ دینے والی چیز موت کو یاد کرو!

تو موت کو کثرت سے یاد کرنے سے دنیا کی آرزوئیں ٹوٹتی ہیں۔ انسان ایک حساب سے اپنے آپ کو کھانے کمانے میں مصروف کرتا ہے۔ بے حساب نہیں کرتا کہ نماز کی فرصت ہی نہ ملے، بے حساب نہیں کرتا کہ انسان کو تہجد کی توفیق نہ ملے۔ اس کو ایسا رکھتا ہے کہ اعمال بھی اس کے ساتھ چل رہے ہوتے ہیں۔ تو موت کو کثرت کے ساتھ یاد کرنا اور قرآن پاک کی کثرت کے ساتھ تلاوت کرنا۔

(۴) انعاماتِ باری تعالیٰ کا استحضار:

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے انعامات کا استحضار کرنا، مراقبہ کرنا، سوچنا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کتنی نعمتیں دے رکھی ہیں۔ تو بیٹھ کر سوچنا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اچھی شکل دی، اچھی عقل دی، اچھی صحت دی، گھر دیا، گھر والی دی، محبت کرنے والی اولاد دی، عزت دی، اللہ تعالیٰ نے مجھے کیا کیا نعمتیں دیں! جتنا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کریں گے، اتنی زیادہ اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں زیادہ آئے گی۔ اس لئے کہ محسن کے ساتھ انسان کو فطری محبت ہو جاتی ہے۔ جب اللہ کی نعمتوں کو ہم یاد کریں گے تو اللہ تعالیٰ سے قدرتی محبت ہو جائے گی۔ اس لئے تو فرمایا

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ

[تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟]

تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرنا۔ یوں سوچیں کہ اگر میرے کاروبار ٹھپ ہو جائیں تو کیا ہوگا؟ پھر محسوس ہوگا کہ کاروبار کتنی بڑی نعمت تھی۔ اگر میرا بیٹا فوت ہو جائے تو کیا ہوگا؟ پھر محسوس ہوگا کہ بیٹا کتنی بڑی نعمت تھا۔ اگر بیوی فوت ہو جائے تو میرا کیا بنے گا؟ اگر میرا خاوند فوت ہو جائے تو کیا ہوگا؟ اگر کوئی ایسا کام ہو کہ میری Public insult (سرعام رسوائی) ہو جائے تو کیا بنے گا؟ اگر مجھے Blood Cancer (خون کا کینسر) ہو جائے تو کیا بنے گا؟ اگر میری بینائی چلی جائے تو کیا ہوگا؟ اسی طرح ان نعمتوں کے بارے میں سوچیں کہ ان کے چلے جانے سے کیا ہوگا۔ پھر دل کہے گا کہ نہیں ان نعمتوں کا میں محتاج ہوں، ان کا رہنا میرے لئے ضروری ہے۔ پھر انسان کو منعم حقیقی کے ساتھ محبت ہو جائے گی تو انعامات الٰہی کو یاد کریں۔ اور اگر یہ انعامات انسان کو یاد نہ آئیں تو پھر اللہ والوں کے پاس آئے اور کہے جی کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے انعامات یاد نہیں آتے۔ وہ پھر انہیں گن گن کر

دکھائیں گے کہ تیرے اوپر اللہ تعالیٰ کے کون کون سے انعامات ہیں؟ وہ پھر اسے بتاتے ہیں، سمجھاتے ہیں اور بندے کو اپنی اوقات یاد دلاتے ہیں۔

(۵) اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنا:

حدیث مبارکہ میں آتا ہے۔ وجبت محبتی میری محبت واجب ہوگئی، ان لوگوں پر جو میری رضا کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔ تو اس سے بھی اللہ تعالیٰ کی محبت بڑھتی ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے محبت کرنا۔ چنانچہ استاد شاگرد کی محبت اللہ کے دین کی وجہ سے، پیر مرید کی محبت اللہ کے دین کی وجہ سے تو یہ محبت بھی اللہ کی محبت کے بڑھنے کا سبب بن جاتی ہے۔

(۶) اللہ کی راہ میں خرچ کرنا:

اور ایک حدیث پاک میں آتا ہے کہ میری محبت واجب ہوگئی، ان لوگوں پر جو میری راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

(۶) صلہ رحمی:

ایک حدیث پاک میں آتا ہے کہ میری محبت واجب ہوگئی ان لوگوں پر جو میری خاطر ایک دوسرے کے ساتھ صلہ رحمی کرتے ہیں، یعنی رشتے ناطے جوڑتے ہیں۔ تو حدیث مبارکہ میں تین باتیں بتائی گئیں: ایک صلہ رحمی کرنا، اللہ کے راستے میں صدقہ کرنا، اور اللہ کے لئے محبت کرنا۔ ان تینوں سے محبت بڑھتی ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم تینوں کام بڑے اہتمام سے کریں۔ تو کل پانچ کام بن گئے، موت کو یاد کرنا، کثرت سے قرآن پڑھنا، اللہ تعالیٰ کیلئے محبت کرنا، اللہ کے راستے میں خرچ کرنا، اور اللہ تعالیٰ کے لئے رشتے ناطوں کو قائم کرنا۔ اگر ان پانچ چیزوں کو ہم اہتمام سے کریں گے تو آپ دیکھنا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں بڑھ جائے گی اور آپ اس کی

کھچاوٹ کو خود محسوس کریں گے۔

کھچاوٹ والی محبت:

دیکھیں! آج محبت تو سب میں ہے کھچاوٹ والی محبت نہیں ہے۔ وہ کھچاوٹ والی محبت مل جائے، ایسی محبت جو بندے کو اپنی طرف کھینچے وہ محبت انسان کو نصیب ہو جائے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ بھی چاہتے ہیں کہ میرے بندے میری یہ محبت حاصل کر لیں۔ اسی لئے تو ارشاد فرمایا

وَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ (البقرة: ۱۶۵)

[ایمان والوں کو اللہ سے شدید محبت ہوتی ہے]

بھئی! جب بندوں کو اللہ تعالیٰ محبت ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کو بھی تو بندوں سے محبت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کو بندوں سے بہت محبت ہے۔ اسی لئے اگر ساری دنیا کی ماؤں کی محبتوں کو جمع کر دیا جائے، ستر حصوں میں سے ایک حصہ نہیں بن سکتی۔ اتنی محبت اللہ تعالیٰ کو بندوں کے ساتھ ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

﴿ وَالتِّيْنِ وَ الزَّيْتُوْنِ ۝ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝ ﴾ (تین: ۱-۲)

طور سینین کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ رب العزت پہاڑ کی قسمیں کھا رہے ہیں۔ پھر انہوں نے اس کی تفصیل لکھی کہ اصل وجہ یہ تھی کہ اس کوہ طور پر ایک اللہ سے محبت کرنے والے عاشق، سیدنا موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کرتے تھے، ملاقات کرتے تھے۔ تو جب محبوب سے محبت ہوتی ہے تو جس جگہ پر ملاقات ہوتی ہے وہ جگہ بھی اچھی لگتی ہے۔ عورتیں جس گھر میں رخصت ہو کر آتی ہیں، ان کو اس گھر سے قدرتی محبت ہوتی ہے، اس گھر کو چھوڑنے کو دل نہیں کرتا، انسان کی یہ فطرت ہے، کیونکہ پہلی ملاقات ہوتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کو دیکھو! جب محبت والی جگہ اتنی اچھی لگی

کہ اللہ رب العزت نے قرآن میں اس جگہ کی قسمیں کھائیں تو پھر اللہ تعالیٰ کو یہ محبت کتنی عزیز اور پسند ہوگی۔

اللہ کو کتنی محبت ہے؟

اس لئے فرمایا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے حکموں کو نہیں مانو گے، شریعت کی اتباع میں سستی کرو گے، ہم تمہیں بدل کر ایسی قوم کو لائیں گے۔

﴿ یُحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗ ﴾ (مائدہ: ۵۴)

(اللہ ان سے محبت کریں گے اور وہ اللہ سے محبت کریں گے)

اب اس میں اللہ تعالیٰ نے یحبھم کو پہلے ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے محبت کریں گے اور بندے اللہ سے محبت کریں گے۔ تو اللہ تعالیٰ کو یہ محبت اتنی اچھی لگتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس محبت کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنی محبت کا تذکرہ پہلے کیا، بندوں کی محبت کا تذکرہ بعد میں کیا۔ یُحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗ واہ میرے مولیٰ!! آپ کو اپنے بندوں کے ساتھ کتنی محبت ہے؟

محبت الٰہی......زندگی کی گاڑی کا پٹرول:

تو میرے دوستو! محبت الٰہی کی حالت گاڑی کے پٹرول کی مانند ہے، جیسے گاڑی ڈیزل اور پٹرول سے چلتی ہے، ایسے ہی یہ محبت الٰہی ہماری زندگی کا ڈیزل اور پٹرول ہے، جس طرح پٹرول کے بغیر گاڑی چلتے چلتے بند ہو جاتی ہے، اسی طرح یہ محبت الٰہی نہ رہے تو انسان کی زندگی کی گاڑی بھی چلتے چلتے بند ہو جاتی ہے۔

محبت الٰہی کی قدر:

اس محبت کی اگر دل میں قدر ہو تو پھر تو بندہ اپنی جان بھی اس محبت کی خاطر دے دے اور پھر بھی یہ سوچے کہ میں نے یہ محبت سستی لی ہے۔

؎ متاع وصل جاناں بس گراں است
گر ایں سودا بجا بودے کہ بودے

اگر یہ سودا مال دے کر بھی حاصل ہو جائے تو پھر بھی سستا حاصل ہو گیا، اگر اللہ کی محبت جان دیکر بھی مجھے مل جائے تو بڑی نعمت ہے، اس لئے میں نے اللہ کو اور اللہ کی محبت کو حاصل کر لیا۔

کسی نے اللہ کی محبت میں اپنا سارا مال خرچ کر دیا تو خواب میں اس نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ کیا گیا کہ بندے! تو نے جب اتنا کچھ میرے راستے میں خرچ کر دیا، اب میں نے اس کے بدلے میں تجھے محبت عطا کر دی تو اس بندے نے اٹھ کر شعر کہا، کہتا ہے:

؎ جمادا چند دازم جاں خریدم
بحمد للہ عجب ارزان خریدم

کہ میں نے چند ٹھیکریاں دیں، تھوڑے پیسے دیئے اور جان خرید لی، اللہ کی قسم! میں نے بڑی ارزاں خریدی ہے۔ لہٰذا جان دے کے بھی اللہ کی محبت مل جائے تو دوستو! یہ بڑا سستا سودا ہے۔ اس لئے کہنے والوں نے کیا عجیب بات کہی! سبحان اللہ اللہ اکبر کبیرا!! فرماتے ہیں:

؎ جان دیتن بردی و در جانی ہنوز
دردہا دا دی و در مانی ہنوز

میرے محبوب نے میرے بدن میں سے میری جان نکال لی اور ابھی میری جان میں وہ موجود ہے مجھے درد ساری اسی نے دی اور درد کی دوا بھی اسی کے پاس ہے۔

؎ قیمت خود ہر دو عالم گفتہ ای
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

آپ نے اپنی قیمت دونوں جہان بتلائی ہے، اے میرے بندے! اگر مجھے چاہتے ہو تو دونوں جہان قربان کر دو! تمہیں نہ دنیا کی خواہش رہے نہ آخرت کی خواہش رہے، میں تمہاری تمنا بن جاؤں۔ او میرے بندو! تم میری خاطر دونوں جہانوں سے بے نیاز ہو جاؤ! اے میرے محبوب حقیقی! قیمت بڑھا دیجئے یہ سودا تو آپ نے بڑا سستا بتایا ہے، اللہ اکبر۔

محبتِ الٰہی کیلیے مناجات:

لہٰذا آج کی اس محفل میں اللہ سے اللہ تعالیٰ کی محبت مانگیے۔ جتنی چاہیں مانگیں، مانگنے والے نے تو یہ کہا:

؎ تیرے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
میری سادگی دیکھ! کیا چاہتا ہوں؟

ہم آج اللہ تعالیٰ سے اس محبت کی انتہا مانگیں۔ اللہ میں دونوں جہان دے کر آپ کو لینے کے لئے تیار ہوں، اے میرے مولیٰ! میں اسی کے لئے تو حاضر ہوا۔ اے مالک! میں دل میں یہ فیصلہ کر کے بیٹھا ہوں، اے اللہ! آج میں آپ کی محبت دل میں لوں گا، آپ کی محبت دل میں بھروں گا۔ اے مالک! میں مخلوق کی محبتوں سے تھک گیا ہوں، اللہ! میں دردر کے دھکے کھا کھا کر تھک گیا ہوں، اے اللہ! میں نے جگہ جگہ منہ مارا، سوائے حسرت کے مجھے کچھ نہیں ملا۔ اللہ! ایک تیرا ہی تو در ہے جہاں سچی محبت ملتی ہے، اے اللہ! آج سچی محبت کو لینے کیلیے میں آیا بیٹھا ہوں، میرے مولیٰ میں نے دامن پھیلا دیا مجھے عطا کر دیجیے۔ رب کریم ہم نے اپنے علماء سے سنا ہے کہ کسی نے حاکم سے پانچ دینار مانگے تھے، حاکم نے اسے پانچ سو دینار دے دیے۔ پوچھنے والوں نے پوچھا کہ مانگنے والے نے پانچ مانگے تو دینے والے نے پانچ سو کیوں دیے؟ اس نے کہا: وہ مانگنے والے کا ظرف تھا، یہ دینے والے کا ظرف ہے۔

اللہ! ہم آج آپ کی محبت مانگتے ہیں، یہ مانگنے والے کا ظرف ہے، اللہ! دینے والے کا ظرف بہت بڑا ہے، آپ کے خزانے بہت وسیع ہیں، اے مالک! آج آپ خزانوں کے در کھول دیجئے، ہمارے دلوں میں محبت بھر دیجیے، اک نگاہ ناز سے اللہ! ہمارے دلوں کو تڑپا دیجیے، اللہ! آج ہمیں عبادت کی لذت عطا کر دیجیے، تلاوت کی لذت عطا کر دیجیے، بے ذوق سجدے کب تک کرتے رہیں گے! بے سرور نمازیں کب تک پڑھتے رہیں گے! میرے مالک! آج ہم نے فیصلہ کرلیا، ہم آپ کے سامنے سر جھکا کر بیٹھے ہیں۔ یا اکرم الاکرمین! یا احکم الحاکمین! یا حنان یا منان!!! آج ہم عاجز مسکینوں پہ اپنی رحمت کی نظر فرما دیجیے۔ آج ہم زندگی کا سودا کرنا چاہتے ہیں، اللہ! زندگی میں بڑے سودے کیے مگر کچھ نہیں پایا، آج ایک بڑا سودا کرنا چاہتے ہیں۔ اے مولیٰ! آج ہم آپ سے آپکی محبت مانگتے ہیں، اے اللہ!! کسی دنیا دار سے مانگتے، دل میں خیال آتا، پتہ نہیں دے گا یا نہیں دے گا؟ آج تو ہم آپ سے مانگ رہے ہیں، اے مولیٰ!! آپ تو مانگنے والوں کو دے کے خوش ہوتے ہیں، اے اللہ! اپنی محبت عطا فرما دیجیے، دلوں کو اپنی محبت سے بھر دیجیے، غیر کی محبتوں سے نجات عطا کر دیجیے، اللہ! دلوں کو دھو دیجیے، اے مالک! ہمیں اپنا دیوانہ بنا لیجیے، اپنا مستانہ بنا لیجیے، رب کریم!

شراب محبت پلا دے مجھے
تو دیوانہ اپنا بنا لے مجھے
تیرے جلوے کو دیکھ کر جان دوں
مروں تو تیرے فضل سے یوں مروں
رہوں گور میں بھی دیوانہ تیرا
نہ موقوف ہو منہ دکھانا تیرا

اٹھوں تو تیری یاد میں پھر اٹھوں
غرض عشق ہی میں جیوں اور مروں

اللہ!! اپنی ایسی محبت دے دیجئے کہ ہم اسی محبت میں زندگی گزاریں، اسی محبت میں مریں اور قیامت کے دن اسی محبت میں کھڑے کر دیے جائیں، اللہ! پھر آپ ہمیں دیکھ کر مسکرائیں، ہم آپ کو دیکھ کر مسکرائیں، اللہ! اس قابل نہیں ہیں، مگر تمنا تو ضرور ہے، اللہ!

مجھے اپنی پستی کی شرم ہے، تیری رفعتوں کا خیال ہے
مگر اپنے دل کو میں کیا کروں؟ اسے پھر بھی شوق وصال ہے

اللہ! اپنی گندگیوں کے باوجود، اپنی کوتاہیوں کے باوجود اپنی نالائقیوں کے باوجود، اے مالک!! ہم آپ کا بننا چاہتے ہیں۔ اللہ! اسی لئے گھروں کو چھوڑا، وطن کو چھوڑا، قبیلہ چھوڑا، بیوی بچوں کو چھوڑا، اللہ! دور کا سفر کر کے یہاں پہنچے، تیری تلاش میں آئے۔ ع

میں کہاں کہاں نہ پہنچا تیری دید کی طلب میں

اللہ! تیری دید کی طلب میں میں نے کہاں کہاں کے سفر کئے!! کوئی بسوں میں ٹھوکریں کھا کر آیا، اللہ! کوئی گاڑیوں میں راتوں کو جاگ کر آیا، کوئی ہوائی جہازوں کے سفر کر کے آیا، اللہ! یہ تیرے بندوں کا مجمع ہے، یہ تیرے تلاش کرنے والوں کا مجمع ہے، اللہ! یہ آپ کو چاہتے ہیں، میرے مولیٰ! ان بندوں کو خالی نہ لوٹایئے گا، اللہ! ان کے دلوں کو بھر دیجیے گا، اللہ! یہ وقت زندگی میں پتہ نہیں پھر کب نصیب ہو؟ اللہ! آج اس موقع پر ہماری توبہ بھی قبول کر لیجیے اور اللہ!! ہمارے دلوں کو غیر کی محبتوں سے دھو دیجیے اور اپنی محبتوں سے دل کو بھر دیجیے اور ہمیں اپنا دیوانہ بنا لیجیے۔

﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ﴾

ہمیں وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ کا مصداق بنا لیجیے۔ اللہ! ایسا دل عطا کر دیجیے! آپ کا نام سن کر دل تڑپ اٹھے، آذان کی آواز سن کر دل تڑپ اٹھے، نماز پڑھنے سے دل نہ بھرے، تلاوت کرنے سے دل نہ بھرے، اللہ تیری یاد میں لگے رہیں، اللہ!! ہمیں بھی اپنی ایسی محبت والی زندگی عطا فرما دیجیے۔

و آخر دعوٰنا ان الحمدللہ رب العٰلمین

﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ﴾

(آل عمران:۳۱)

محبوبِ کل جہاں

یہ بیان ۳۰ نومبر کو جامع دارالسلام ٹاؤن باغ (جھنگ) میں خطبہ جمعۃ المبارک سے قبل ہوا۔ جس میں حضرت اقدس دامت برکاتہم کے خلفاء کے علاوہ سینکڑوں سالکین نے شرکت کی۔

اقتباس

چونکہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام محبوبِ کل جہاں ہیں، اس لئے وہ جمادات کے بھی محبوب ہیں...... نباتات کے بھی محبوب ہیں...... حیوانات کے بھی محبوب ہیں...... انسانوں کے بھی محبوب ہیں...... بلکہ سب کے محبوب ہیں۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

محبوبِ کل جہاں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِo
اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَo وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَo
سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا یَصِفُوْنَo وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَo
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَo
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّم

ایک آئیڈیل شخصیت:

اللہ رب العزت کے محبوب، حضرت محمد مصطفٰے، احمد مجتبٰے ﷺ محبوب کل جہاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی نعمتوں اور جمال وکمال سے نوازا کہ ہر انسان ان کو اپنی زندگی کا آئیڈیل بنا سکتا ہے۔ چاہے وہ جاہل ہے، چاہے لکھا پڑھا ہے، مشرق میں رہتا ہے یا مغرب میں رہتا ہے، وقت کا سائنسدان ہے، انجینئر ہے، ڈاکٹر ہے، کاشتکار ہے، وقت کا حاکم ہے، جرنیل ہے، مجاہد ہے، واعظ ہے یا جو بھی ہے اس کو نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی مبارک زندگی میں بہترین نمونہ اور اسوہ مل سکتا ہے۔

نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی مبارک زندگی ایسی کامل اور مکمل زندگی ہے کہ تاریخ انسانیت میں ایسی کامل زندگی نہیں مل سکتی۔ آپ ذرا بڑے بڑے سائنسدانوں کی زندگی کے متعلق پڑھ کر دیکھیں، لوگ ان کی تعریفیں کرتے ہیں کہ نیوٹن نے یہ کارنامہ سرانجام دیا، آئن سٹائن نے فلاں میدان میں اپنی عظمت کا لوہا منوایا اور فلاں نے یہ کر دیا، مگر زندگی نے وفا نہ کی، اگر زندہ رہتا تو کچھ اور بھی کر دکھاتا...... کیا

مطلب ؟ ......مطلب یہ کہ اس کی زندگی ادھوری تھی ۔وقت کے بڑے سے بڑے جرنیل کو دیکھیں ،لوگ اس کی زندگی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس نے فتوحات کیں لیکن ان کی زندگی نے وفا نہ کی ،اگر کچھ عرصہ اور زندہ رہتا تو کچھ اور علاقوں پر بھی قبضہ کر لیتا۔یعنی اس کی زندگی بھی ادھوری ہے ۔اسی طرح آپ جس کی زندگی کے بارے میں پڑھ کے دیکھیں آپ کو وہ ادھوری نظر آئے گی ۔اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ابھی وہ کام نہ کر سکے جس کی وہ تمنا رکھتے تھے ۔لیکن تاریخ انسانیت میں صرف ایک مثال ایسی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ایک شخصیت ایسی بھی تھی جس کی زندگی کامل اور مکمل تھی ۔اللہ رب العزت کے محبوب ﷺ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہؓ کے مجمع میں علی الاعلان فرماتے ہیں،

''لوگو جس مقصد کے لئے میں دنیا آیا تھا کیا میں نے وہ مقصد پورا کر دیا ؟ کیا میں نے تم تک وہ پیغام پہنچا دیا ہے؟''

اس کے جواب میں پورا مجمع گواہی دیتا ہے کہ آپ نے اس امانت کو پہنچانے کا حق ادا کر دیا ہے ۔اس وقت اللہ کے محبوب ﷺ اللہ رب العزت کو گواہ بنا کر کہتے ہیں کہ اے اللہ! تو اس بات پر گواہ رہنا کہ میں نے اپنی زندگی کا مقصد پورا کر دیا ہے ۔پوری تاریخ انسانیت میں یہ صرف ایک ہی مثال ہے ۔اس کے علاوہ آپ کوئی اور مثال نہیں دے سکتے ۔لوگ اپنا آئیڈیل بناتے ہیں ۔بھئی اگر کسی کو آئیڈیل بنانا ہے تو کامل ہستی کو بناؤ! جن کی زندگی ادھوری ،جن کے مقاصد ادھورے اور جن کے کام ادھورے ہوتے ہیں وہ کہاں آئیڈیل بن سکتے ہیں!

دعائے ابراہیمی علیہ السلام کے مصداق:

جب ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اللہ کا گھر بنایا تو انہوں نے دعا مانگی:

﴿ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ ﴾(البقرۃ:۱۲۹)

یعنی اے پرودگار عالم! ہم نے آپ کا گھر بنا دیا، اب آپ عبادت کرنے والے کو بھیج دیجئے۔ مسجد ہم نے بنا دی، اب آپ عبادت سکھانے والے کو بھیج دیجئے۔ مدرسہ ہم نے بنا دیا، اب آپ علم پڑھانے والی ہستی کو بھیج دیجئے۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے ان کی دعا قبول کر کے کائنات میں اپنے محبوب ﷺ کو بھیجا لہٰذا نبی علیہ الصلوۃ والسلام ان کی دعا کا مصداق بن کر دنیا میں تشریف لائے۔ ذرا غور کیجئے کہ

۔گھر بن رہا ہے ...... بیت اللہ

۔بنانے والے...... ابراہیم خلیل اللہ

۔تعاون کرنے والے...... اسماعیل ذبیح اللہ

۔جو گھر بن رہا ہے...... اس کا نام بیت اللہ

۔جس سے دعا مانگ رہے ہیں...... اس کا نام اللہ

اور جس نے آنا ہے...... اس کا نام محمد الرسول اللہ

ولادت نبوی ﷺ کے وقت میں حکمت:

اللہ رب العزت کے محبوب ﷺ صبح کے وقت دنیا میں تشریف لائے۔ وقت بھی اللہ تعالیٰ نے ایسا پسند کیا، جب ظلمت چھٹ رہی ہوتی ہے اور روشنی آرہی ہوتی ہے۔ یہ انسانیت کے نام ایک پیغام تھا کہ اے لوگو! اب دنیا سے شرک اور کفر کی ظلمت ہمیشہ کے لئے چھٹ گئی اور ہدایت کی روشنی آچکی ہے لہٰذا اب سورج طلوع ہو چکا ہے جو پوری دنیا میں ایمان اور توحید کو پہنچا دے گا۔

کسریٰ کے محل کے کنگرے ٹوٹنے میں راز:

جب نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی پیدائش ہوئی تو شام کی پہاڑیوں میں روشنی

دیکھی گئی۔ چنانچہ محدثین نے لکھا ہے کہ جہاں تک وہ روشنی دیکھی گئی، نبی علیہ السلام کی اپنی مبارک زندگی میں اس جگہ تک دین اسلام پھیلنا تھا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اس روشنی کے ذریعے دکھلا دیا کہ میرے محبوب ﷺ کی مبارک زندگی میں وہاں تک دین پھیل جائے گا اور بعد میں ایک وقت ایسا آئے گا کہ یہ دین ہر پکے اور کچے مکان میں پہنچ کر رہے گا۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی ولادت باسعادت کے وقت کسریٰ کے محل کے کنگرے ٹوٹ گئے ...... اس کا کیا مطلب تھا؟ ...... علماء نے لکھا ہے کہ اس وقت محل کے جتنے کنگرے ٹوٹے، نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے مبارک دور میں وقت کے اتنے بادشاہوں کے تاج اللہ کے محبوب ﷺ کے قدموں میں آ گئے سبحان اللہ!

والد ماجد کی وفات میں حکمت:

نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی ولادت باسعادت سے پہلے آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ دنیا سے وفات پا گئے ...... اس میں بھی حکمت تھی ...... اللہ رب العزت نے ان کے سر سے باپ کا سایہ ہٹا دیا: دیکھیں کہ بچے کو باپ تربیت دے کر بڑا کرتا ہے۔ اور لوگ کہتے ہیں کہ باپ کی تربیت کی وجہ سے بیٹے نے یہ کام کر دیا۔ اللہ رب العزت نے فرمایا کہ میں نے اپنے محبوب کو خود کمالات عطا کئے ہیں کل کو یہ کمالات کسی اور کی طرف منسوب نہ ہوں اور کہنے والے یہی کہیں کہ یہ تھے یتیم مگر پروردگار نے ان کو وہ مرتبہ دیا کہ انہوں نے وہ کمالات پائے جس کا کوئی دوسرا انسان تصور ہی نہیں کر سکتا۔ سبحان اللہ! خود ان پڑھ ہیں مگر دنیا اور کائنات کے دقیقہ دان ہیں۔

؎ امی و دقیقہ دان عالم
بے سایہ و سائبان عالم

اللہ تعالیٰ نے ان کو ظاہر میں بے سایہ بنایا مگر حقیقت میں پوری انسانیت کے لئے سایہ بن کر تشریف لائے تھے۔

دوران حمل برکات کا ظہور:

ابھی نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی ولادت مبارکہ نہیں ہوئی تھی کہ آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ جب میں زم زم کے کنویں پر پانی بھرنے آتی تو پانی سطحِ زمین سے اوپر کنارے پر آجاتا اور میں آسانی سے پانی بھر لیتی اور جب میں واپس چلی جاتی تو پھر پانی نیچے چلا جاتا۔ حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ میں نے زمانہ حمل میں کسی طرح کی تکلیف اور گرانی محسوس نہیں کی اور اسی طرح کوئی دوسری شکایت جوان ایام میں عموماً خواتین کو پیش آتی ہے محسوس نہیں کی۔ اور فرماتی ہیں کہ جب میرے باطن سے نبی علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تو سب سے پہلے انہوں نے اپنے رب کے حضور سجدہ کیا۔

حلیمہ سعدیہ کے آنگن میں رحمتوں کی بکھیر:

اس زمانے میں بچوں کو پالنے کے لئے دیہاتوں کی دائیوں کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ تاکہ بچہ کھلے ماحول میں پلے بڑھے اور اچھی زبان سیکھے۔ چنانچہ دیہاتوں سے دائیاں آتیں اور بچوں کو لے جاتیں۔ اور ان کے باپ سے اجرت لے کر ان کی پرورش کیا کرتی تھیں۔ بنوسعید ایک قبیلہ تھا، اس قبیلے کی ایک عورت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا جن کے گھر میں بہت غربت تھی ان کے جانور دودھ نہیں دیتے تھے، گویا قحط سالی کا سماں تھا۔ وہ بھی مکہ مکرمہ کی طرف چلیں تاکہ کوئی بچہ وہ بھی لائیں اور اس کی پرورش کرنے پر کچھ اجرت وہ بھی حاصل کر سکیں۔ لیکن ان کی سواری بہت آہستہ چلتی تھی، چنانچہ ان کے قبیلے کی باقی عورتیں جلدی مکہ مکرمہ پہنچ گئیں اور انہوں نے امیر زادوں کو اپنی گود میں لے لیا۔

جب حلیمہ سعدیہ مکہ مکرمہ پہنچیں تو ان کو پتہ چلا کہ امیر زادوں کے بچوں کو تو پہلی

دائیاں لے کر چلی گئی ہیں، البتہ ایک یتیم بچہ ابھی باقی ہے۔ ان کے دل میں خیال آیا کہ اس کا باپ تو سر پر نہیں ہے جو اس کی تربیت کرنے کے عوض میں مجھے کچھ دے گا۔ فرماتی ہیں کہ میں سوچنے لگی، پھر میرے دل میں خیال آیا کہ چلو میں بچے کو تو دیکھوں کہ کیسا ہے؟ اس وقت بچہ سویا ہوا تھا اور اس کے اوپر چادر تھی، جب میں نے چادر کو ہٹایا تو وہ بچہ مجھے دیکھ کر مسکرایا۔ فرماتی ہیں کہ اس کی مسکراہٹ میں ایسی کشش تھی کہ میرے دل نے کہا، حلیمہ! تجھے مال اور دولت ملے نہ ملے، جو اس بچے کی مسکراہٹیں ملیں گی، وہ تیرے دل کو سکون سے بھر دیا کریں گی، چنانچہ میں نے بے اختیار بچے کو اٹھا کر سینے سے لگا لیا، اب اس کو نیچے لٹانے کیلئے میرا دل نہیں کر رہا تھا، لہٰذا میں نے خاوند سے کہا کہ لے کر چلتے ہیں، اس نے بھی کہا: ٹھیک ہے۔

اب ہم واپس اپنے گاؤں کی طرف آنے لگے۔ فرماتی ہیں کہ اس وقت سواری نیچے بیٹھی تھی اور میں اس کے اوپر بیٹھ گئی، اب مجھ سے آگے میرے خاوند بیٹھنا چاہتے تھے تاکہ سواری کو چلائیں اور ہم گھر جائیں۔ لیکن ایک عجیب بات پیش آئی کہ جیسے ہی میرے میاں آگے بیٹھے اور سواری کو اٹھانے کے لئے اس کی لگام ہلائی اور کھینچا تو اس نے اٹھنے سے انکار کر دیا، وہ اس کو ڈنڈے لگانے لگے مگر وہ اٹھتی ہی نہیں تھی جبکہ پہلے وہ اشارے سے اٹھتی تھی۔ چنانچہ پریشانی میں میرے خاوند نیچے آئے، جیسے ہی وہ نیچے اتر آئے سواری اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ فرماتی ہیں کہ پھر میرے خاوند نے اس کو نیچے بٹھایا اور وہ آگے بیٹھے۔ اب پھر اس نے سواری کو اٹھانا چاہا مگر پھر بیٹھی رہی، پھر وہ پریشانی میں نیچے اترے تو وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ یہی کشمکش جاری تھی کہ آگے بیٹھ کر چلانے کی کوشش کرتے ہیں تو چلتی نہیں اور جب وہ نیچے اترتے ہیں تو چل پڑتی ہے۔ اس پریشانی میں میرے خاوند نے کہا: حلیمہ! تم ذرا آگے بیٹھ جاؤ! اور میں پیچھے بیٹھ جاتا ہوں، شاید بوجھ کا کوئی مسئلہ ہو۔

چنانچہ اس نے جب حلیمہ کو آگے بٹھایا اور خود پیچھے بیٹھا اور سواری کو اٹھایا تو اس نے اٹھ کر بھاگنا شروع کر دیا۔ اللہ رب العزت نہیں چاہتے تھے کہ یہ ایسی جگہ پر بیٹھے جہاں اس کی پشت میرے محبوب ﷺ کی طرف ہوتی ہو۔ جب یہ بات تھی تو پھر سواری کیسے چل سکتی تھی؟ چنانچہ کائنات کے اس صدر نشیں کو آگے بٹھایا گیا اور پھر سواری نے چلنا شروع کیا۔ فرماتی ہیں کہ میری سواری نے اتنی تیزی سے بھاگنا شروع کیا کہ دوسری دائیوں کی سواریاں پیچھے رہ گئیں اور میری سواری ان سے آگے نکل گئی۔ جب میری سواری ان کی سواریوں سے آگے نکلنے لگی تو ایک عورت نے مجھ سے پوچھا: حلیمہ! پہلے تو اتنی دیر سے پیچھے تھی اور اب بھاگ کر آگے نکلی جا رہی ہو، کیا تم نے سواری بدل لی ہے؟ فرماتی ہیں کہ میں نے اسے جواب دیا:

''میں نے سواری نہیں بدلی، البتہ سواری پر سوار بدل گیا''

فرماتی ہیں کہ میں دوسروں سے پہلے گھر پہنچ گئی۔

جب ہم گھر میں پہنچے تو دیکھا کہ بکریوں کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے تھے، یہ دیکھ کر ہم بہت خوش ہوئے اور بکریوں کے تھن روزانہ دودھ سے بھرے رہتے تھے۔ ہمسایوں کی عورتیں آتیں اور مجھ سے پوچھتیں: حلیمہ! تم اپنی بکریوں کو کہاں چرنے بھیجتی ہو؟ ہم بھی وہاں بھیجیں گی، ہماری بکریاں بھی زیادہ گھاس کھائیں گی اور زیادہ دودھ دیں گی۔ فرماتی ہیں کہ ان کی بکریاں بھی وہیں چرتیں، مگر ان کی بکریاں اتنا دودھ نہ دیتیں جتنا دودھ میرے گھر کی بکریاں دیا کرتی تھیں...... سبحان اللہ...... اللہ کے محبوب کے آنے کی وجہ سے برکتیں ہی برکتیں اور خوشیاں ہی خوشیاں تھیں۔ ان برکتوں کے ساتھ اللہ کے محبوب ﷺ کی اس گھر کے اندر پرورش ہوئی۔

حلیمہ سعدیہ کی پر کیف لوری:

حلیمہ سعدیہ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو بہلانے کے لیے بہت ہی عجیب اور

پر کیف لوری دیا کرتی تھیں، وہ فرمایا کرتی تھیں:

یَارَبِّ اِذَا اَعْطَیْتَهٗ فَاَبْقِهٖ

اے پروردگار عالم! جب تو نے مجھے (حضور ﷺ جیسا بچہ) عطا فرما دیا ہے تو اب (مہربانی فرما کر) اس عطیہ کو دوام اور بقا بھی عطا فرما۔

وَاَعْلِهٖ اِلَی الْعَلَاءِ وَارْقِهٖ

اور (آپ ﷺ کے درجات و مقامات اعلیٰ میں مزید) ترقی فرما کر بلندیوں کی انتہائی منزل پر فائز کر دے۔

وادحض اباطیل العدی بخقه

اور دشمنوں کی (سازش) کو آپ ﷺ کی سچائی، راست بازی اور حق کی تاثیر سے بے اثر لایعنی اور باطل بنا دے۔ جب وہ اپنی بکریوں کو چرنے کے لئے بھیجتی تھیں تو اپنی بیٹی شیما کو ساتھ بھیجا کرتی تھیں۔ ابھی وہ بلوغ سے پہلے کی عمر میں تھیں، اس لئے وہ اسے بکریاں چرانے کے لئے بھیج دیتی تھیں۔

ایک دن ماں نے کہا: شیما! بہت دیر ہوگئی ہے، تم ابھی بکریاں چرانے نہیں گئی۔ اس نے کہا: امی! میں اکیلی ہوں اور بکریاں زیادہ ہیں، یہ مجھ سے نہیں سنبھل سکتیں میرے ساتھ کسی اور کو بھی بھیج دو! میں گرمی کے موسم میں سارا دن بھاگ بھاگ کر تھک جاتی ہوں۔ حلیمہ سعدیہ نے کہا: بیٹی گھر میں اور تو کوئی نہیں ہے۔ جسے آپ کے ساتھ بھیجوں، اس لئے آپ کو اکیلے ہی جانا پڑے گا۔ اس نے کہا: امی مجھ سے یہ کام نہیں ہوسکتا، میں اکیلی بکریوں کو نہیں سنبھال سکتی۔ جب ماں نے مجبور کیا تو شیما کہنے لگی: امی! میں ایک شرط پر بکریاں چرانے کے لئے جاتی ہوں۔ ماں نے کہا: بیٹی! کیا شرط ہے؟ شیما نے کہا: جی آپ میرے ساتھ میرے چھوٹے بھائی محمد ﷺ کو بھیج دیں تو میں بکریوں کے ساتھ چلی جاؤں گی۔ ماں نے کہا: بیٹی! ایک بکریوں کو چرانا

اور دوسرا بچے کو سنبھالنا، یہ دونوں کام بیک وقت کیسے کر پاؤ گی؟ اس نے کہا: امی! اگر اکیلی جاؤں گی تو بکریاں نہیں سنبھال سکوں گی اور اگر ساتھ بھائی کو لے کر جاؤں گی تو بکریاں سنبھال لوں گی۔ پھر حلیمہ سعدیہ نے پوچھا: شیما! ذرا کھل کے بتاؤ کہ تم کیا کہنا چاہتی ہو؟ شیما نے کہا: امی! ایک دفعہ پہلے میں اپنے بھائی کو ساتھ لے کر چلی گئی تھی۔ میں نے دیکھا تھا کہ جب میں اپنے بھائی کو لے کر گئی تو بکریوں نے تھوڑی دیر میں جلدی جلدی چر کے گھاس کھالی اور جس جگہ میں اپنے بھائی کو گود میں لے کر بیٹھی بکریاں بھی واپس آکر میرے سامنے بیٹھ گئیں۔ باقی وقت میں بھی بھائی کا چہرہ دیکھتی رہی اور میری بکریاں بھی بھائی کا چہرہ دیکھتی رہیں...... سبحان اللہ...... اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ، محبوب کل جہاں ہیں۔

؎ اے ازل کے حسین! اے ابد کے حسین
تجھ سا کوئی نہیں تجھ سا کوئی نہیں

اعلانِ نبوت سے قبل آپ ﷺ کی تکریم:

نبی علیہ الصلوۃ والسلام اپنی قوم میں اس طرح جوان ہوئے کہ مروت میں ان سے افضل، اخلاق میں ان سے احسن، میل جول میں ان سے اکرم، رفاقت میں ان سے اچھے، حلم میں ان سے اعظم، امانت دیانت میں ان سے اصدق اور کوئی نہ تھا۔ آپ فحش اور بری بات کہنے سے بالکل پاک تھے۔ آپ ﷺ کو کبھی ایسی حالت میں نہ دیکھا گیا کہ آپ نے کسی کے ساتھ جنگ وجدال اور خصومت کی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے محبوب ﷺ کو ساری قوم صادق اور امین کہتی تھی۔

جب قریش نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی اور حجر اسود کو اپنی جگہ نصب کرنے کا وقت آیا تو لوگوں میں نزاع شروع ہو گیا۔ ہر قبیلے کا سردار یہی چاہتا تھا کہ میں نصب کروں۔

چنانچہ انہوں نے اس پر اتفاق کیا کہ کل جو شخص اب ہمیں سب سے پہلے نظر آئے گا وہ ہمارا فیصلہ کر دے گا۔ اللہ کی شان کہ سب سے پہلے ان کی نظر اللہ کے محبوب ﷺ پر پڑی۔ حالانکہ اس وقت آپ ﷺ کی عمر اتنی زیادہ نہ تھی۔ انہوں نے آکر عرض کیا کہ آپ ہمارے اس جھگڑے کا فیصلہ فرما دیں۔ اللہ کے محبوب ﷺ نے حجر اسود کو چادر میں رکھا اور چاروں کونے چار مختلف سرداروں کے ہاتھ میں پکڑا دیے اور فرمایا کہ آپ اسے حجر اسود کے نصب کرنے کی جگہ کے پاس لے چلیں۔ جب اس کی جگہ پر لائے تو آپ ﷺ نے کمال دانشمندی کے ساتھ خود حجر اسود اٹھا کر اسے نصب فرما دیا سبحان اللہ!

دل کا سودا کرنے والے:

اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ کو ایسا نور اور حسن و جمال عطا فرمایا تھا کہ آپ ﷺ کے مبارک چہرے کی طرف جو بھی دیکھتا تھا وہ اپنا دل دے بیٹھتا تھا۔ عبداللہ بن سلام یہودیوں کے بڑے عالم تھے۔ اس کو یہودیوں نے کہا: آپ ہماری طرف جا کر یہ سوال پوچھیں۔ چنانچہ وہ بارگاہ نبوی میں سوال پوچھنے کے لئے آئے۔ لیکن جب انہوں نے اللہ کے محبوب ﷺ کی زیارت کی تو سوال پوچھنے کی بجائے کہنے لگے: اے اللہ کے نبی! آپ مجھے کلمہ پڑھا دیجیے...... سبحان اللہ...... جب یہودیوں کو پتہ چلا تو وہ انہیں کہنے لگے کہ ہم نے تمہیں چن کر بھیجا تھا، لیکن تم نے اتنے بڑے عالم ہونے کے باوجود ہماری ناک کٹوا دی، تم نے یہ کیا کیا کہ تم بھی ان کے ماننے اور چاہنے والے بن گئے؟ جواب میں انہوں نے نبی علیہ السلام کی طرف اشارہ کر کے کہا:

ذرا اس چہرے کا دیدار تو کرو! یہ چہرہ کسی جھوٹے انسان کا چہرہ نظر نہیں آتا۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا پورا پورا جمال ظاہر نہیں

کیا گیا ورنہ آدمی دیکھنے کی تاب نہ لا سکے۔

نازاں ہے جس پہ حسن وہ حسنِ رسول ہے
یہ کہکشاں تو آپ کے قدموں کی دھول ہے
اے کاروانِ شوق! یہاں سر کے بل چلو
طیبہ کے راستے کا تو کانٹا بھی پھول ہے

عرب کا چاند:

ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رات کا وقت ہے۔ میں مسجد نبوی میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ سامنے اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ تشریف فرما ہیں۔ اس رات چودھویں کا چاند اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ چمک رہا تھا، چنانچہ جب نیچے دیکھتا تو مجھے عرب کا چاند نظر آتا اور جب اوپر دیکھتا تو مجھے آسمان کا چاند نظر آیا۔ فرماتے ہیں کہ میں تھوڑی دیر کے لئے رک گیا۔ کبھی میں محبوب ﷺ کے چہرہ انور کی طرف دیکھتا اور کبھی میں چاند کو دیکھتا اور پھر سوچتا کہ عرب کا چاند زیادہ خوبصورت ہے یا آسمان کا چاند زیادہ خوبصورت ہے۔ بالآخر میرے دل نے فیصلہ کیا کہ اے آسمان کے چاند! تو بڑا خوبصورت سہی، تیرے حسن کا دنیا کے اندر بڑا چرچا ہے لیکن سچ بات یہ ہے کہ جو حسن وجمال میرے آقا کے چہرۂ انور پر ہے وہ حسن وجمال تیرے پاس بھی نہیں ہے۔

چاند سے تشبیہ دینا یہ کہاں انصاف ہے
چاند پر ہیں چھائیاں میرے مدنی کا چہرہ صاف ہے

دیدار پر انوار کی تڑپ:

صحابہ کرام نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے عاشق صادق تھے۔ کتابوں میں لکھا ہے

کہ صحابہ کرام رات کو اپنے گھر اٹھتے تو ان کی طبیعت اداس ہوتی اور محبوب ﷺ کو دیکھنے کو دل چاہتا۔ چنانچہ وہ گھر سے آ کر اللہ کے محبوب ﷺ کے دروازے کے قریب کئی کئی گھنٹوں تک اس لئے انتظار میں کھڑے رہتے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ باہر تشریف لائیں گے اور ہم اپنے دن کی ابتدا آقا ﷺ کے دیدار پرانوار سے کریں گے۔ اس سے پتا چلا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آقا ﷺ کو ایک نظر دیکھنے کے لئے تڑپا کرتے تھے۔

ان کے چاہنے والے ایسے بھی تھے:

حدیث پاک میں آیا ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ بڑی دور سے آ کر حاضر ہوتے ہیں۔ وہ جب بھی آتے تو کچھ دیر محبوب ﷺ کے چہرہ انور کی طرف دیکھتے، آپ کا کچھ کلام سنتے اور چلے جاتے۔ مدتوں تک انہوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کوئی کلام نہ کیا اور کوئی بات بھی نہ پوچھی۔ ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو دیکھا تو اپنے پاس بلا لیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب لوگ مجھ سے کوئی نہ کوئی بات پوچھتے ہیں لیکن آپ آتے ہیں اور محفل میں بیٹھ کر چلے جاتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے عرض کیا، اے اللہ کے محبوب ﷺ! میرے دل میں آپ کی اتنی محبت ہے کہ جب اپنے گھر سے آتا ہوں تو فقط آپ کے دیدار کی نیت سے آتا ہوں اور یہاں حاضر ہو کر آپ کے پرانوار چہرے سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر کے واپس چلا جاتا ہوں۔ اس پر اللہ کے محبوب ﷺ نے فرمایا کہ بندے کو دنیا میں جس سے محبت ہوگی، وہ جنت میں اسی کے ساتھ ہوگا (اللہ تعالیٰ ان دونوں کو جنت میں اکٹھا فرما دیں گے)۔ وہ صحابی فرماتے ہیں کہ مجھے جتنی خوشی اس حدیث پاک سے ہوئی، اتنی خوشی مجھے کبھی کسی اور خبر سے نہیں ہوئی تھی۔ اللہ کے محبوب ﷺ محبوبِ کل جہاں ہیں۔

صدیقہ کائنات کی لازوال محبت:

سیدہ عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں کہ زلیخا تیری سہیلیوں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو اپنی انگلیوں کے ٹکڑے کر دیے، اگر وہ کبھی میرے آقا ﷺ کی جبینِ ناز کو دیکھ لیتیں تو اپنے دل کے ٹکڑے کر بیٹھتیں۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جمال کو تیرے کب پہنچے حسن یوسف کا
وہ دلربائے زلیخا تو شاہد ستار
رہا جمال پہ تیرے حجاب بشریت
نہ جانا کون ہے کچھ بھی کسی نے جز ستار

یہی مضمون کسی نے پنجابی میں یوں بیان کیا:

دیکھیا جے یوسف نوں انگلیاں کٹیاں
آقا دے دیوانیاں نے جاناں وار سٹیاں
عشق دی اخیر ویکھی اوہدے عاشقین دی
جگ دے حسیناں کو لوں ودھ کے حسین دی

ایک موقعہ پر سیدہ عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) نے فرمایا کہ ''میں نے مدینہ طیبہ کی کنواری لڑکیوں کی آنکھوں میں بھی وہ حیا نہیں دیکھی جو میں اپنے آقا ﷺ کی مبارک آنکھوں میں دیکھا کرتی تھی''

سیدہ عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) کو نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے بے پناہ محبت تھی۔ انہوں نے اپنے آقا اور سردار کی شان میں اشعار کہے۔ دیکھیں کہ بیوی اپنے سرتاج کی محبت میں سرشار ہو کر کیسے شعر کہہ رہی ہے! فرمایا:

لَنَا شَمْسٌ وَّ لِلْاٰفَاقِ شَمْسٌ
وَ شَمْسِی خَیْرٌ مِّنْ شَمْسِ السَّمَآءِ
فَاِنَّ الشَّمْسَ تَطْلُعُ بَعْدَ فَجْرٍ
وَ شَمْسِیْ تَطْلُعُ بَعْدَ الْعِشَاءِ

[آسمان کا بھی ایک سورج ہے اور ایک ہمارا بھی سورج ہے۔ لیکن میرا سورج آسمان کے سورج سے زیادہ بہتر ہے۔ اس لئے کہ آسمان کا سورج فجر کے بعد طلوع ہوتا ہے اور میرا سورج تو عشاء کی نماز کے بعد طلوع ہوتا ہے]

شاعر رسول در مدح جمالِ رسول:

سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے حسن و جمال کی ایسی تعریف کی کہ انسان حیران ہو جاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

وَ اَحْسَنَ مِنْكَ لَمْ تَرَقَطُّ عَیْنِیْ

اے محبوب آپ سے بہتر خوب صورت چہرہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھا نہیں ہے۔

وَ اَجْمَلَ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ

اور آپ سے زیادہ حسن و جمال والا کبھی کسی عورت نے کوئی بچہ جنا نہیں ہے۔

خُلِقْتَ مُبَرَّءً مِّنْ كُلِّ عَیْبٍ

آپ اس طرح عیبوں سے پاک ہو کر دنیا میں پیدا ہوئے۔

كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

جیسا کہ اللہ نے آپ کو آپ کی مرضی کا حسن و جمال دے کر پیدا فرما دیا۔

جمالِ مصطفیٰ امام بوصیری رحمہ اللہ کی نظر میں:

امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مشہور و معروف قصیدے، قصیدہ بردہ شریف میں نبی علیہ

الصلوۃ والسلام کے حسن و جمال کے بارے میں لکھتے ہوئے کہتے ہیں

فَهُوَ الَّذِیْ تَمَّ مَعْنَاهُ وَصُوْرَتُهٗ

اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ صورت وسیرت میں عالی مرتبہ پر فائز ہیں

ثُمَّ اصْطَفَاهُ حَبِیْبًا بَارِئُ النَّسَمِ

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا محبوب ﷺ بنا دیا ہے۔

مُنَزَّهٌ عَنْ شَرِیْكٍ فِیْ مَحَاسِنِهٖ

پوری دنیا میں ان کے محاسن کا کوئی شریک نہیں ہے۔

فَجَوْهَرُ الْحُسْنِ فِیْهِ غَیْرُ مُنْقَسِمِ

حسن و جمال میں اس کا جوہر ایسا فردِ کل ہے جو تقسیم ہی نہیں ہوسکتا۔

جمادات کے محبوب:

چونکہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام محبوبِ کل جہاں ہیں، اس لئے وہ جمادات کے بھی محبوب ہیں...... نباتات کے بھی محبوب ہیں ......حیوانات کے بھی محبوب ہیں...... انسانوں کے بھی محبوب ہیں...... بلکہ سب کے محبوب ہیں۔

جمادات کے محبوب کیسے......؟

حدیث پاک میں آیا ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر میں دو پتھر تھے۔ ایک کا نام متکلم اور دوسرے کا نام متکی تھا ایک کو متکلم اس لئے کہتے تھے کہ جب بھی اللہ رب العزت کے محبوب ﷺ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ملنے تشریف لاتے اور وہ پتھر آپ کو دیکھتا تو فوراً اللہ کے محبوب ﷺ کو سلام کیا کرتا تھا۔ اس وجہ سے محبوب ﷺ نے اس کا نام متکلم رکھا تھا اور دوسرا وہ پتھر تھا جسے تکیہ کے طور پر استعمال کر کے اس کے ساتھ ٹیک لگایا کرتے تھے، اس کا نام متکی تھا۔

نباتات کے محبوب:

نبی علیہ الصلوۃ والسلام نباتات کے بھی محبوب تھے۔ چنانچہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) فرماتے ہیں کہ ہم خود دیکھتے تھے کہ کتنی جگہوں پر اللہ کے محبوب ﷺ جا کر کھڑے ہوتے اور درخت آ کر نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو سلام کرتے تھے۔ بلکہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ درخت نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس آتے اور سجدہ ریز ہو کر واپس چلے جاتے تھے۔ اللہ کے محبوب ﷺ کھجور کے ایک تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر جمعہ کا خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ جب تمیم داری مسلمان ہوئے تو انہوں نے ممبر بنا کر اللہ کے محبوب ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ اس پر تشریف فرما ہوا کریں اور اس پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا کریں۔ صحابہ کرام کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ ممبر پر کھڑے ہوئے تو ہم نے بچے کی طرح کی رونے کی آواز سنی، ہم حیران ہوئے اور ہم نے دیکھا کہ اللہ کے محبوب ﷺ نیچے اترے اور جس کھجور کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے، اس کے قریب آئے اور آپ نے اس پر ہاتھ رکھا، وہ کھجور کا تنا اس طرح چپ ہوا جیسے روتا ہوا بچہ ہچکیاں لے لے کر چپ ہوتا ہے، سبحان اللہ! کھجور کا تنا اس لئے رو رہا تھا کہ آقا! اب ممبر بن گیا ہے اور آپ اس پر جلوہ افروز ہوا کریں گے اور مجھے اب آپ کی جدائی برداشت کرنی پڑے گی۔ اللہ اکبر۔ علما نے لکھا: چونکہ اس تنے کو نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ نسبت ہو گئی تھی اس لئے اس کے ساتھ جنت کا وعدہ کر دیا گیا۔ سبحان اللہ۔

؎ تنے نے محبت میں آنسو بہائے
یوں جنت میں پایا مقام اللہ اللہ

حیوانات کے محبوب:

اللہ کے محبوب ﷺ حیوانات کے بھی محبوب تھے۔ چنانچہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر جب نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے رمی جمار فرمائی تو اس کے بعد آپ ﷺ نے قربانی کرنی تھی۔ چنانچہ قربانی کرنے کے لئے اونٹ لائے گئے، وہ اونٹ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ہر اونٹ چاہتا تھا کہ اے اللہ کے محبوب ﷺ! جب آپ نے ذبح کرنا ہے تو سب سے پہلے میرے گلے پر آپ کے مبارک ہاتھوں سے چھری چل جائے۔

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ جا رہے تھے، آپ نے دیکھا کہ ایک یہودی نے ایک ہرنی کو پکڑا ہوا ہے، جب ہرنی نے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو دیکھا تو فریاد کرنے لگی کہ اے اللہ کے محبوب ﷺ! میرا بچہ اس پہاڑ کے دامن میں ہے، اب اسے دودھ پلانے کا وقت ہو گیا ہے اگر یہ مجھے چھوڑ دے تو میں دودھ پلا کر واپس آجاؤں گی۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ نے اس یہودی کو فرمایا...... اس نے دل میں سوچا کہ ابھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس نے ہرنی کو چھوڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ وہیں کھڑے رہے۔ تھوڑی دیر بعد وہ ہرنی دودھ پلا کر پھر اس یہودی کے پاس واپس آگئی۔ جب اس یہودی نے یہ دیکھا تو کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

انسانوں کے محبوب:

نبی علیہ الصلوۃ والسلام انسانوں کے بھی محبوب تھے...... صحابہ کرام کی ایک جماعت نبی اکرم ﷺ کے عاشقین کی جماعت تھی۔ چنانچہ صحابہ کرام نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا جب دیدار کرتے تھے تو ان کا ایمان تازہ ہو جایا کرتا تھا۔

زندگی کی آخری تمنا:

ایک صحابی میدان جہاد میں اتنے زخمی تھے کہ غشی طاری ہونے کو تھی۔ اتنے میں ان کے پاس ایک صحابی پہنچے، انہوں نے زخمی سے پوچھا

أَ لَكَ حَاجَةٌ (کیا آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے؟)

تو انہوں نے کہا: ہاں۔ پوچھا: کس چیز کی؟ کہنے لگے: میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنے آخری وقت میں اپنے آقا ﷺ کے چہرہ انور کا دیدار کرلوں۔ چنانچہ انہوں نے ان کو اپنے کندھے پر اٹھایا اور چل پڑے۔ انہوں نے دیکھا کہ اللہ کے محبوب ﷺ ایک جگہ پر تشریف فرما تھے۔ انہوں نے اس صحابی کو نیچے کھڑا کیا اور ان سے کہا کہ جی اللہ کے محبوب ﷺ آپ کے سامنے ہیں۔ اس مجاہد نے جیسے ہی نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا نام سنا تو آنکھیں کھولیں اور محبوب ﷺ کے دیدار سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کیں اور پھر اپنی جان اللہ کے حوالے کر دی۔

؎ نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

ایک شاعر نے اس کو اپنے الفاظ میں یوں بیان کیا: وہ کہتا ہے کہ وہ صحابی گویا یہ پیغام دینا چاہتے تھے کہ اے آقا!

؎ تیری معراج کہ تو لوح و قلم تک پہنچا
میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

محبوب ﷺ کی شباہت کی تمنا:

ایک صحابی حبشہ کے رہنے والے تھے ان کے بال گھنگھریالے تھے۔ وہ جب بھی نہاتے تو بعد میں اپنے بالوں میں کنگھی کیا کرتے تھے۔ چونکہ ان کے بال سخت تھے

اس لئے ان کی مانگ درمیان سے نہیں نکلتی تھی۔ انہیں روزانہ یہ افسوس ہوتا کہ میری مانگ کیوں نہیں نکلتی ؟ ان کو اپنا سر اچھا نہ لگتا کیونکہ وہ سوچتے تھے کہ میرے آقا تو مانگ نکالتے ہیں اور میرے بالوں میں تو مانگ ہی نہیں نکلتی۔ ان کے دل میں بڑی مدت تک یہ حسرت اور تمنا رہی۔ اللہ تعالیٰ کی شان کہ ایک مرتبہ انہوں نے لوہے کی سلاخ اٹھائی اور اسے آگ کے اندر اچھی طرح گرم کیا اور پھر اسے اپنے سر کے درمیان میں پھیر کے ایک لکیر بنا دی۔ اب جب گرم گرم سلاخ لگی تو سر کی جلد جل گئی۔ لوگوں نے کہا: یہ آپ نے کیا کیا؟ وہ کہنے لگے کہ مجھے یہ تکلیف تو بھول جائے گی اور زخم بھی مندمل ہو جائے گا، لیکن اس جگہ کے جلنے کی وجہ سے وہاں بال نہیں رہیں گے، چنانچہ آئندہ جب بھی میں اپنے سر کو دیکھوں گا تو مجھے اپنا سر اپنے محبوب ﷺ کے مبارک سر کی مانند نظر آئے گا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نبی ﷺ سے انتہا درجہ کی محبت:

اگر محبت رسول ﷺ کی انتہا دیکھنی ہو تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زندگی کو دیکھ لیجیے۔ وہ عشق کے امام ہیں، انہیں نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے والہانہ محبت تھی مثال کے طور پر:

نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: مجھے تین چیزیں پسند ہیں: ایک خوشبو، دوسری نیک بیوی، تیسری چیز میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ جیسے ہی یہ سنا تو سیدنا صدیق اکبر تڑپ کے کھڑے ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے محبوب ﷺ! مجھے بھی تین چیزیں پسند ہیں۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے دریافت فرمایا کہ آپ کو کونسی تین چیزیں پسند ہیں؟ عرض کیا:

۱)......اے اللہ کے محبوب ﷺ! آپ کے چہرہ انور کو دیکھتے رہنا۔

۲)......آپ پر اپنا مال خرچ کر دینا۔

۳)۔اور یہ کہ میری بیٹی آپ کے نکاح میں ہے، یعنی میری اولاد آپ کی خدمت کرتی رہے۔اب آپ دیکھئے کہ انسان کے پاس جان، مال اور وقت، تین چیزیں ہی ہوتی ہیں، انہوں نے یہ تینوں چیزیں اللہ کے محبوب ﷺ پر قربان کر دیں۔

جب اللہ کے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جہاد کے لئے اپنا مال دو تو سب حضرات اپنی اپنی حیثیت کے مطابق لائے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے سوچا کہ ابوبکر ہر دفعہ مجھ سے بڑھ جاتے ہیں، آج میرے پاس مال زیادہ ہے اس لئے میں ان سے زیادہ اللہ کی راہ میں صدقہ دوں گا۔ چنانچہ خوش ہوکر گھر آئے اور اپنے گھر کا آدھا سامان اپنے گھر والوں کے لئے چھوڑا اور باقی آدھا اللہ کے محبوب ﷺ کے قدموں میں لاکر ڈال دیا۔جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آئے تو آپ ﷺ نے ان سے بھی پوچھا: ابوبکر! گھر والوں کے لئے کیا چھوڑ کر آئے؟ عرض کیا:

اے اللہ کے نبی ﷺ! میں گھر میں گیا تھا، مجھے وہاں جو کچھ ملا، میں نے وہ سب کچھ لاکر آپ کے قدموں ڈال دیا ہے، حتیٰ کہ میں نے دیوار پر ہاتھ مارا کہ کہیں اگر کوئی سوئی اٹکی نظر آئے تو وہ بھی لے چلوں تاکہ کسی مجاہد کے کام آجائے، خود میں نے یہ ٹاٹ کا لباس پہن لیا۔اور اے اللہ کے محبوب! میں اپنے گھر والوں کے لئے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ کے آیا ہوں۔

؎ پروانے کے لئے شمع ، بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

یہ ہے عشق رسول ﷺ

؎ عجب چیز ہے عشق شاہ مدینہ
یہی تو ہے عشق حقیقی کا زینہ

ہے معمور اس عشق سے جس کا سینہ
اسی کا ہے ، مرنا اسی کا ہے جینا

زندگی کا مزہ اسی محبت کے ساتھ ہے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے ایسی محبت ہو کہ انسان اپنا ہر کام اللہ کے محبوب ﷺ کے مبارک طریقے کے مطابق کرنے کے لئے تڑپ جائے۔ اسے یہ فکر ہر وقت دامن گیر رہے کہ میرا لباس، میرا کھانا، میرا پہننا، میری رفتار، میری گفتار اور میرا کردار نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی سنت کے مطابق بن جائے۔ اگر ایسی محبت نصیب ہو جائے تو پھر ہمارے بھی نصیب کھل جائیں۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ایسی ہی محبت نصیب تھی۔ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جس محفل میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے مال کی قربانی دی، ابھی اسی محفل میں ٹاٹ کا لباس پہنے بیٹھے تھے کہ اتنے میں جبرئیل امین علیہ السلام تشریف لائے۔ انہوں نے بھی ٹاٹ کا لباس پہن رکھا تھا۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔

جبرئیل! آج تم نے ٹاٹ کا لباس کیوں پہنا ہوا ہے؟

جبرئیل امین نے عرض کیا: اے اللہ کے محبوب ﷺ آج ابوبکر کے اس عمل پر اللہ تعالیٰ اس قدر خوش ہوئے ہیں کہ آسمان کے سب فرشتوں کو حکم دے دیا کہ تم بھی ابوبکرؓ کی طرح ٹاٹ کا لباس پہن لو۔ مزید برآں اللہ تعالیٰ نے ابوبکر کی طرف سلام بھیجا ہے۔ سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ کتنے قدردان ہیں!

☆...... جب نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ہجرت فرمائی تو آپ ﷺ رات کے وقت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے جیسے ہی دستک دی وہ فوراً باہر حاضر ہوئے۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے وہ پہلے سے ہی جاگ رہے ہوں۔ اللہ کے محبوب ﷺ نے پوچھا: ابوبکر! کیا آپ پہلے سے جاگ رہے تھے یا میرے آنے پر جاگے؟ عرض کیا اے اللہ کے نبی ﷺ میں پہلے سے ہی جاگ رہا تھا

کیونکہ میرا دل گواہی دیتا تھا کہ جب آپ ہجرت فرمائیں گے تو اس خادم اور غلام کو بھی ساتھ لے جائیں گے، چنانچہ جب سے یہ خیال آیا ابوبکر نے رات کا سونا چھوڑ دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے محبوب ﷺ میرے دروازے پر آئیں اور ان کو ابوبکر کے انتظار میں کھڑا ہونا پڑے۔

☆......ایک مرتبہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مسجد میں بیٹھے رو رو کر دعا مانگ رہے تھے۔ تمام صحابہ حیران تھے کہ ان کو کیا ہوا ہے؟۔ انہوں نے جب قریب آ کر دیکھا تو یہ دعا مانگ رہے تھے۔ اے اللہ! محبوب ﷺ نے کہا ہے کہ اللہ کے راستے میں دو اور میں دینا چاہتا ہوں مگر دینے والا ہاتھ اوپر ہوتا ہے اور لینے والا ہاتھ نیچے ہوتا ہے، میں اپنے آقا ﷺ کی یہ بے ادبی نہیں کرنا چاہتا، آپ میرے آقا ﷺ کے دل میں ڈال دیجیے کہ وہ ابوبکر کے مال کو اپنے ذاتی مال کی طرح استعمال فرمالیں۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ اس کے بعد نبی علیہ الصلوۃ والسلام ان کے مال کو اس طرح استعمال فرماتے تھے جس طرح کوئی اپنے ذاتی مال کو استعمال کیا کرتا ہے۔

☆......جب ہجرت کے سفر پر چلے تو سیدنا صدیق اکبر کبھی دائیں طرف کو ہو جاتے کبھی بائیں طرف کو ہو جاتے، کبھی آگے اور کبھی پیچھے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے حیران ہو کر پوچھا: ابوبکر آپ ایک طرف چلیں، یہ دائیں بائیں اور آگے پیچھے چلنے کی کیا ضرورت ہے؟ صدیق اکبر نے عرض کیا:

اے اللہ کے محبوب ﷺ! جب میں آپ کے پیچھے چل رہا ہوتا ہوں تو میرے دل میں خیال آتا ہے کہ دشمن کہیں دائیں طرف سے حملہ نہ کر دے اس لئے میں دائیں طرف کو جاتا ہوں کہ ادھر سے اگر کوئی تیر آئے تو ابوبکر کے جسم میں لگے اور میرے آقا ﷺ کی حفاظت رہے۔ پھر خیال آتا ہے کہ کہیں سامنے سے تیر نہ آ جائے اس لئے میں کبھی بائیں طرف آ جاتا ہوں اور کبھی پیچھے کی طرف آ جاتا ہوں۔

سبحان اللہ! جیسے کوئی پروانہ شمع کے گرد چکر لگا رہا ہوتا ہے اسی طرح اللہ کے پیارے اور محبوب بندے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ شمع رسالت کے پروانے بن کر سفر کر رہے تھے۔

☆...... جب غار ثور میں پہنچے تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پہلے اندر گئے اور سارے سوراخ بند کر دیے، ایک سوراخ باقی بچ گیا، اس کو بند کرنے کے لئے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنا پاؤں رکھ دیا اور بیٹھ گئے۔ اللہ رب العزت کے محبوب ﷺ اندر تشریف لائے تو عرض کیا: آقا آپ تھکے ہوئے ہیں آرام فرما لیجیے، یہاں بستر تو نہیں ہے، اللہ کی زمین بستر بنے گی، البتہ تکیے کے لئے ابوبکر کی گود حاضر ہے۔

دنیا میں دو گودیں تھیں جن کو محبوب ﷺ نے شان بخشی۔ ایک گود صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تھی اور دوسری گود صدیقہ کائنات حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی تھی۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب نبی علیہ الصلوۃ والسلام دنیا سے تشریف لے جانے لگے تو اللہ کے محبوب ﷺ کا مبارک سر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی گود میں تھا۔ ایک گود میں سر رکھا تو اللہ تعالیٰ نے صدیق کا مقام عطا فرما دیا اور دوسری گود میں سر رکھا تو صدیقہ کا مقام عطا فرما دیا، اللہ اکبر کبیرا۔

اللہ کے محبوب ﷺ آرام فرما رہے تھے اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان کے چہرۂ انور کا دیدار کر رہے تھے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نکتہ لکھا، وہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔

ابوبکر جب آپ بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کی گود میں اللہ کے محبوب ﷺ کا مبارک سر تھا، اس وقت آپ ان کے چہرے کی طرف دیکھ رہے تھے تو مجھے یوں لگ رہا تھا کہ آپ کی گود ایک رحل کی مانند ہے اور آقا ﷺ کا چہرۂ انور کھلے ہوئے قرآن کی مانند ہے اور ابوبکر آپ مجھے ایک قاری لگ رہے

ہیں جو بیٹھ کر اس قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں۔ (سبحان اللہ) ایک طرف حسنِ رسول ﷺ ہے اور دوسری طرف عاشق صدیق ہے۔ آج کا طالب علم کہتا ہے کہ مجھے فلاں سے تعلق ہے، جب میں کتاب کھولتا ہوں تو مجھے اس کی شکل نظر آتی ہے وہ کہتا ہے:

کتاب کھول کے بیٹھوں تو آنکھ روتی ہے
ورق ورق تیرا چہرہ دکھائی دیتا ہے

اور اِدھر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں اور اللہ کے محبوب ﷺ کے رخِ انور کے دیدار سے آنکھیں ٹھنڈی کر رہے ہیں۔ کسی شاعر نے اس کو عجیب انداز میں کہا:

یہ حسن ساتھ عشق کے کیا لا جواب ہے!
رکھی ہوئی رحل پہ خدا کی کتاب ہے

اس وقت اس غار میں ایک سانپ تھا جو محبوب ﷺ کا دیدار چاہتا تھا، اس کو نکلنے کے لئے کوئی اور جگہ تو نہ ملی البتہ جہاں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پاؤں رکھا ہوا تھا اس نے وہیں سے ڈسا، جب سانپ کا زہر جسم میں داخل ہوا تو سخت تکلیف کی شدت کی وجہ سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مبارک آنکھوں سے آنسو آ گئے۔ وہ آنسو آقا ﷺ کے مبارک چہرے پر گرے جس کی وجہ سے آقا ﷺ کی آنکھ کھل گئی آپ ﷺ نے پوچھا:

ما یبکیك یا ابابکر ؟ ابوبکر کیوں رو رہے ہو؟

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے محبوب ﷺ مجھے اس طرح تکلیف ہوئی ہے اور بے اختیار میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے ہیں۔ شاعر نے اس منظر کو عجیب انداز سے کہا:

آنسو گرا ہے روئے رسالت مآب پر
قربان ہونے آئی ہے شبنم گلاب پر

مدینہ طیبہ کے قریب ایک بوڑھی عورت رہتی تھی، اس کے گھر میں بکریاں تھیں۔ وہ اتنی بوڑھی بکریاں تھیں کہ دودھ بھی نہیں دیتی تھیں۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جا کر کہا، اماں کیا ہم ان بکریوں کا دودھ لے سکتے ہیں؟ اس نے کہا: اے اجنبی مسافر! یہ بکریاں تو دودھ نہیں دیتیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا: اماں! بس آپ اجازت دے دیجیے۔ اس نے کہا: آپ کو اجازت ہے۔ چنانچہ جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بکریوں کے پاس آ کر بیٹھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے تھنوں کو دودھ سے بھر دیا۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے احتیاطاً دودھ کے برتن پر کپڑا ڈال دیا تا کہ لے جاتے ہوئے دودھ میں گرد وغیرہ نہ پڑے۔ جب محبوب ﷺ نے دودھ نوش فرمایا تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک عجیب جملہ کہا:

فَشَرِبَ شَرِبَ حَتّٰی رَضِيْتُ

[نبی علیہ السلام نے اتنا دودھ پیا کہ میرا دل خوش ہو گیا]

تو یوں کہتے ہیں کہ فلاں نے اتنا دودھ پیا کہ اس کا دل خوش ہو گیا، لیکن یہاں معاملہ جدا ہے، فرمایا کہ میرے آقا ﷺ نے اتنا دودھ پیا، اتنا دودھ پیا کہ میرا دل خوش ہو گیا۔ اس کو کہتے ہیں عشق۔

☆......سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو محبوب ﷺ کے ساتھ ظاہری اور باطنی ہر لحاظ سے مشابہت نصیب ہو چکی تھی، اسکو نسبت اتحادی کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب مدینہ طیبہ پہنچے تو وہاں کے دید و دانش رکھنے والے لوگ ان کے استقبال کیلئے آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے دو ہستیوں کو آتے دیکھا تو حیران ہوئے کہ ان کی رفتار ایک جیسی، ان کے لباس ایک جیسے، ان کے چہرے پر نورانیت تھی، وہ سوچ میں پڑ گئے کہ ان میں

سے کون اللہ کے پیغمبر ہیں! ان میں ایک آقا ﷺ تھے اور دوسرے غلام۔ ان میں سے ایک اصل تھے اور دوسرے ان کی نقل تھے۔ مگر نقل نے اصل کے اتنا قریب کا مقام پیدا کرلیا تھا کہ مدینہ کے لوگ اصل اور نقل میں فرق ہی نہ کر سکے۔ پتا نہ چل سکا کہ آقا کون ہے اور غلام کون ہے، تابع کون ہے اور متبوع کون ہے۔ چنانچہ انہوں نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے مصافحہ کرنا شروع کر دیا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بھی اس نیت کے ساتھ مصافحہ کرتا رہا کہ میرے آقا تھکے ہوئے آرہے ہیں اگر سب لوگ مصافحہ کریں گے تو میرے آقا کو بے آرامی ہوگی، لہٰذا جب یہ مصافحہ کر لیں گے، تو میں ان کو بتا دوں گا۔ چنانچہ جب سب سے مصافحہ کرلیا اور بیٹھ گئے اور ادھر سورج نے اپنا چہرہ دکھایا اور اس کی کرنوں نے محبوب ﷺ کے مبارک رخساروں کے بوسے لینا شروع کر دیے تو کیا دیکھتے ہیں کہ جن سے انہوں نے وقت کا نبی سمجھ کر مصافحہ کیا تھا وہ اٹھے اور انہوں نے اپنے آقا ﷺ کے سر پر سایہ کر دیا۔ تب مدینہ کے لوگوں کو پتا چلا کہ آقا کون تھا اور غلام کون تھا۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ لوگ نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے ملنے کے لئے آتے تو صحابہ کرام کے مجمع کی نورانیت اتنی ہوتی تھی کہ ان کو پوچھنا پڑتا تھا۔ کہ **من منکم محمد؟**

.....آپ میں سے اللہ کے رسول ﷺ کون ہیں؟ ان سب حضرات کے چہروں پر اتنی نورانیت ہوا کرتی تھی۔

حضرت اسماءؓ کے دل میں محبوب خدا کی محبت:

چھوٹی بچیوں میں اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ کی اتنی محبت تھی کہ سیدہ اسماء (رضی اللہ عنہا) جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بڑی بیٹی تھیں ان کے ذمے ڈیوٹی لگی کہ غار ثور کے قیام کے دوران گھر سے کھانا پہنچا دیا کریں، کیونکہ آپ اس وقت اتنی چھوٹی تھیں کہ کسی کا اس طرف دھیان ہی نہیں جائے گا کہ آپ کھانا دے کر آرہی ہیں۔ چنانچہ

پہلے دن انہوں نے کھانا پہنچا دیا۔ جب دوسرے دن کھانا پہنچانے آئیں۔ تو اللہ کے محبوب ﷺ نے دیکھا کہ اس وقت حضرت اسماء (رضی اللہ عنہا) کے ماتھے پر زخم کا نشان ہے اور ان کی طبعیت اداس اور غمزدہ سی ہے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: اسماء آج آپ غمزدہ لگ رہی ہیں، کیا وجہ ہے؟ اسماء نے جواب دیا، اے اللہ کے محبوب ﷺ! کل جب میں آپ کو کھانا دے کر واپس جا رہی تھی تو راستے میں ابوجہل نے دیکھ لیا۔ اس نے مجھے پکڑ لیا اور پوچھا: ابوبکر کی بیٹی! تجھے پتا ہوگا کہ جہاں تمہارا باپ ہے وہیں اللہ کے رسول ہوں گے، بتاؤ! کیا تمہیں پتا ہے؟ اس کے پوچھنے پر میں نے سچ بولا اور میں نے کہا: ہاں پتا ہے..... اللہ نے سچ بلوایا، اگر وہاں کوئی اور ٹ ت کر دیتیں تو لوگ کہتے کہ اگر ایک بہن ایسا کہہ سکتی ہے تو دوسری بہن بھی جھوٹ بول سکتی ہے۔ نہیں بلکہ صدیق کی بیٹی ہے اور صدیقہ کی بہن ہے۔ لہٰذا کیسے جھوٹ بول سکتی تھی؟

ہزار خوف ہوں لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

چنانچہ سیدہ اسماء (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں کہ میں نے سچ بولا اور کہا کہ ہاں مجھے پتا ہے۔ ابوجہل نے کہا: بتاؤ! میں نے کہا: میں ہرگز نہیں بتاؤں گی۔ اس نے کہا کہ میں تمہیں بڑا ماروں گا، اس طرح اس نے بہت ڈرایا دھمکایا لیکن میں بھی ڈٹی رہی کہ میں نے نہیں بتانا۔ پھر اس نے اچانک اتنا زور سے تھپڑ لگایا کہ میں نیچے چٹان پر جا گری اور میرے ماتھے سے خون نکل آیا اور میری آنکھوں سے آنسو آ گئے۔ اے اللہ کے محبوب ﷺ! اس نے مجھے بازو سے پکڑ کر پھر کھڑا کیا اور کہنے لگا: اسماء! میں تجھے جان سے مار دوں گا، بتاؤ! تمہارے رسول ﷺ کہاں ہیں۔ ب اس وقت جواب دیا: ابوجہل! میری جان تو تیرے حوالے لیکن میں محمد عربی ﷺ کو تیرے حوالے نہیں

کروں گی۔

ایک صحابیہ کی محبت:

اللہ کے محبوب ﷺ کے ساتھ عورتوں کو بھی بے پناہ محبت تھی۔ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جہاد کے لئے تیاری کیجیے! مدینہ کے ہر گھر میں عورتیں اپنے مردوں کو تیار کر رہی تھیں۔ایک گھر میں ایک عورت اپنے بچے کو اپنی گود میں لے کر بیٹھی تھی،ان کے خاوند پہلے شہید ہو چکے تھے۔لہذا اب گھر میں کوئی بڑا مرد نہ تھا جس کو تیار کر کے جہاد کے لئے بھیج سکیں۔چنانچہ بچے کا چہرہ دیکھ کر رونے لگیں کہ اگر کوئی بڑا مرد ہوتا تو میں بھی اسے تیار کر کے آقا ﷺ کی خدمت میں بھیجتی۔روتے روتے جب ان کی طبعیت بہت ہلکان ہوئی تو اپنے بچے کو اٹھا کر سینے سے لگایا اور آقا ﷺ کی خدمت میں مسجد نبوی میں حاضر ہوئیں اور آپ ﷺ کی گود میں اپنے بیٹے کو ڈال کر عرض کرنے لگیں:''اے اللہ کے محبوب ﷺ آپ میرے بیٹے کو جہاد کے لئے قبول فرمالیں''۔نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:

یہ چھوٹا بچہ جہاد کیسے کر سکتا ہے؟

کہنے لگیں:اے اللہ کے محبوب ﷺ! جس مجاہد کے ہاتھ میں ڈھال نہ ہو،میرا بچہ اس کے حوالے کر دیجیے،وہ مجاہد لڑنے کے لئے جائے گا،اور سامنے سے دشمن تیروں کی بارش برسائے گا تو مجاہد تیروں سے بچنے کے لئے میرے بیٹے کو آگے کر دے،اس طرح میرا بیٹا دشمن کے تیروں کو روکنے کے کام آ سکتا ہے۔

سبحان اللہ! صحابیات کے دل میں اللہ کے محبوب ﷺ کی اتنی محبت تھی۔

ایک واقعہ جس نے صحابہ کرام ؓ کو تڑپا دیا:

ایک مرتبہ اللہ کے محبوب ﷺ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کے مجمع میں تشریف

فرماتھے۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بھئی اگر میں نے کسی سے زیادتی کی ہوتو وہ آکر مجھ سے بدلہ لے سکتا ہے۔ جب نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے یہ فرمایا تو صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) پر سکتہ طاری ہو گیا۔صحابہ کرام میں سے کوئی کیسے بدلہ لینے کی جرأت کر سکتا تھا! مگر ایک دیوانہ کھڑا ہوکر کہنے لگا: اے اللہ کے محبوب ﷺ! آپ کے اوپر میرا حق آتا ہے،لہٰذا میں آپ سے بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے پوچھا، مجھ پر آپ کا کونسا حق ہے؟ اس نے عرض کیا، اے اللہ کے محبوب ﷺ! ایک مرتبہ آپ میدان جہاد میں صفیں درست کروا رہے تھے،اس وقت آپ کے ہاتھ میں چھڑی تھی آپ نے مجھے کہا کہ ذرا پیچھے ہو جاؤ، جب آپ نے وہ چھڑی میرے بدن کے ساتھ لگائی تھی تو وہ مجھے چبھی تھی اور تکلیف ہوئی تھی، اس لئے میرا حق آپ کے اوپر آتا ہے۔

اللہ کے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آپ بھی چھڑی لے لیں اور جیسے میں نے کیا تھا آپ بھی کر لیں۔انہوں نے عرض کیا، اے اللہ کے محبوب ﷺ! اس وقت تو آپ کے مبارک بدن پر کرتہ ہے اور اس وقت میری کمر پر کوئی کپڑا بھی نہیں تھا، تو میں کیسے بدلہ لوں۔اب نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی پشت مبارک سے اپنے کرتے کو ہٹا دیا...... صحابہ کرام حیران ہیں کہ یہ ہاتھ میں اپنی چھڑی لے کر کھڑا ہے اور کہتا ہے کہ میں بدلہ لینا چاہتا ہوں۔سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا دل تڑپ اٹھا، چاہتے ہیں کہ اس سے جا کر کہیں کہ بھئی ابوبکر کا جسم حاضر ہے، جتنی چاہتے ہو ضربیں لگاؤ! سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی کھڑا ہونا چاہتے ہیں، مگر ادب کی وجہ سے کوئی کچھ کہہ نہیں سکتا اور یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی کہ یہ دیوانہ کیسے بدلہ لینا چاہتا ہے؟ وہ بدلہ لینے پر تل گیا اور محبوب ﷺ بدلہ دینے پر تل گئے...... چنانچہ جب آپ ﷺ نے اپنی پشت مبارک سے اپنے کرتے کو ہٹایا تو وہ قریب ہوا۔اس نے چھڑی کو زمین پر ڈال دیا اور آقا

ﷺ کی مہرِ نبوت کو بوسہ دے کر آقا کی پشت مبارک کو اپنے سینے سے لگا لیا اور عرض کرنے لگے، اے اللہ کے محبوب ﷺ! میرے دل میں مدت سے یہ تمنا تھی کہ میں آپ کی ختم نبوت کو بوسہ دوں، مجھے کوئی موقع نہیں ملتا تھا، جب آپ نے فرمایا کہ بدلہ لے لو تو میرے دل میں خیال آیا کہ تیرے بخت جاگ گئے، اب تجھے آقا کی مہر نبوت کا بوسہ لینے کا موقع مل گیا ہے۔ ورنہ یہ غلام کیسے جرأت کرسکتا ہے کہ آقا سے بدلہ لینے کے لئے کہہ سکے! اللہ اکبر۔

محبوب خدا ﷺ کی محبت بھری دعا:

ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام دعا مانگ رہے تھے۔ آپ کے غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ آپ کے قریب آ گئے انہوں نے سنا کہ اللہ کے محبوب ﷺ یہ دعا مانگ رہے تھے۔ اے اللہ! مجھے میرے محبت کرنے والوں سے جلدی ملا دینا۔ جب اللہ کے محبوب ﷺ نے دعا مانگ لی تو حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ قریب آ کر بصد ادب عرض کرتے ہیں یہ جو آپ دعا مانگ رہے ہیں کہ اے اللہ! مجھے میرے محبت کرنے والوں سے جلدی ملا دینا، تو آپ کا یہ دعا مانگنے کا کیا مقصد ہے؟

نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ثوبان! تمہارے دلوں میں بھی میری بڑی محبت ہے، مگر تم تو جبرئیل علیہ السلام کو آتے دیکھتے ہو، قرآن اترتے دیکھتے ہو، میرے چہرے کا دیدار کرتے ہو، اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کو آنکھوں سے دیکھتے ہو، تمہاری محبت بھی بڑی قیمتی ہے، مگر میری اس امت میں ایک ایسا وقت بھی آئے گا جب مجھے اس دنیا سے پردہ کیے سینکڑوں سال گزر جائیں گے، پھر وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے مجھے دیکھا نہیں ہوگا، وہ اپنے علماء سے میری باتیں سنا کریں گے، وہ اپنے علماء سے میرے حسن و جمال کی باتیں سنیں گے تو ان کے دلوں میں میری ایسی محبت پیدا ہو

جائے گی کہ وہ میری محبت کی وجہ سے تڑپا کریں گے۔ وہ ہر ہر کام میرے طور طریقے کے مطابق کیا کریں گے اور وہ میری ملاقات کے لئے اداس ہوا کریں گے۔

اے ثوبان! ان کے دل میں میری اتنی محبت ہوگی کہ اگر ممکن ہوتا کہ وہ اپنی اولاد کو بیچ کر بھی میرا دیدار کر سکتے تو وہ اپنی اولاد کو بیچنے پر بھی تیار ہو جاتے۔ میں ان کے لئے دعائیں کر رہا ہوں کہ اے اللہ! مجھے ان محبت کرنے والوں سے جلدی ملا دینا۔

سبحان اللہ! سبحان اللہ!۔

اس لئے آج جس کے دل میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی محبت ہوگی اور آپ ﷺ کی ایک ایک سنت کا عاشق ہوگا، جو آپ ﷺ کے غم کو اپنا غم بنا لے گا اور جو آپ ﷺ کے پیغام کو پوری دنیا میں پہنچانے کے لئے کمر بستہ ہو جائے گا، اللہ رب العزت کے محبوب ﷺ کی دعائیں اس کے ساتھ ہوں گی۔ قیامت کے دن آقا ﷺ اپنے ہاتھوں سے حوض کوثر کا جام عطا فرمائیں گے اور اپنے جھنڈے کے نیچے اس کو جگہ عطا فرمائیں گے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم محبوب ﷺ کی ایک ایک سنت سے اپنے ظاہر کو سجائیں اور اپنے باطن میں ان کی تعلیمات کا نور اتارنے کی کوشش کریں۔ اور جب قیامت کے دن اللہ رب العزت کے حضور پہنچیں تو یہی عرض کریں کہ:

؎ تیرے محبوب کی یارب شباہت لے کے آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کر دے میں صورت لے کے آیا ہوں

پھر دیکھنا کہ اس دن اس کی اللہ رب العزت کے ہاں کیا قیمت لگے گی اور کیا مقام ملے گا! کسی کہنے والے کہا۔

؎ کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا! لوح و قلم تیرے ہیں

بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمد سے اجالا کر دے

اللہ رب العزت ہمیں بھی دین کی ان تعلیمات کو مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک پہنچانے کی توفیق عطا فرما دے۔ اور ہمیں آئندہ اپنی زندگی شریعت وسنت کے مطابق گزارنے کی توفیق عطا فرما دے (آمین ثم آمین)

واخر دعوانا ان الحمدلله رب العلمين.

﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ ﴾

(النساء: ۱۳۶)

ایمانی زندگی کے تقاضے

یہ بیان 26 ستمبر 2005ء ۱۴۲۶ھ کو بعد از نماز فجر جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ میں گیارہویں سالانہ نقشبندی اجتماع کے موقع پر ہوا۔

اقتباس

تو معلوم ہوا کہ زبان سے ان کلمات کو پڑھ لینے سے، کلمہ پڑھ لینے سے انسان، اسلام کی حدود میں تو داخل ہو جاتا ہے لیکن ایمان کامل دل میں آجائے اس کے لیے کوئی اور درجہ بھی ہے اور وہ کیا ہے؟ کہ انسان کے دل میں اس کلمہ کی محبت بیٹھ جائے اور دل تسلیم کر لے کہ میں نے اللہ رب العزت کے حکموں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ اب جو حکم خدا ہوگا وہ میرے اس جسم کے اوپر لاگو ہو جائے گا، یہ تصدیق بالقلب ہے۔ اس کا رتبہ پانے کے لیے کچھ محنت کرنی پڑتی ہے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

ایمانی زندگی کے تقاضے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا يَصِفُوْنَ o وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

مؤمنوں کو ایمان لانے کا حکم:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اے ایمان والو! اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ پر ایمان لے آؤ! اس آیت مبارکہ میں ایمان والوں سے خطاب ہو رہا ہے اور ان کو حکم مل رہا ہے اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کہ تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آؤ۔ تو یہ بات کتنی عجیب ہے کہ کافروں سے خطاب نہیں، مشرکوں سے خطاب نہیں، منافقوں سے خطاب نہیں، يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا...... يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا...... يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ نَافَقُوْا...... نہیں کہا۔ خطاب کن کو ہے؟ یاایھا الذین آمنو! اے ایمان والو! اور حکم کیا دیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ پر ایمان لے آؤ۔

مفسرین نے اس کا معنی لکھا اتقوا کہ تقویٰ اختیار کرو۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اے زبان سے ایمان لانے والو! اپنے دل سے بھی اس کا اقرار کرلو۔ چونکہ

ایمان کے دو درجے ہیں، اقرار باللسان و تصدیق بالقلب، زبان سے اقرار کرنا اور دل سے اس کی تصدیق کرنا، تو مقصود یہ تھا کہ اے زبان سے اقرار کرنے والو! تم دل سے بھی اس کی تصدیق کرلو۔

تصدیق بالقلب کا مطلب:

اس اقرار باللسان میں تو ہم سب شامل ہیں، لیکن تصدیق بالقلب کا درجہ ذرا مشکل ہے کہ دل بھی تصدیق کردے۔ آج زبان تو کہہ دیتی ہے کہ میں نے مان لیا مگر دل کی حالت وہ نہیں ہوتی۔ کسی شاعر نے کہا:

؎ تو عرب ہے یا عجم ہے تیرا لا الہ الا
لغت غریب جب تک تیرا دل نہ دے گواہی

جب تک دل گواہی نہ دے، زبان سے نکلے الفاظ لغت غریب کی مانند ہیں۔

؎ خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

تو دل کا گواہی دینا زیادہ اہم ہے۔ اس لئے کہ انسان سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک مومن بن جائے، مسلمان بن جائے، اس درجہ کو پانے کے لئے بڑی محنت کرنی پڑتی ہے۔

چند دیہاتی لوگ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، کلمہ پڑھا اور انہوں نے احسان جتلایا کہ اب تو ہم مومن بن گئے۔ تو اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں بات کو صاف کردیا۔ فرمایا:

﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا﴾

[اعرابیوں نے یہ کہا کہ ہم ایمان لے آئے، آپ فرما دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے]

﴿ وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ﴾

(حجرات: ۱۴)

(بلکہ تم یوں کہو کہ ہم نے اسلام قبول کیا، ابھی تو ایمان تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا)

تو معلوم ہوا کہ زبان سے ان کلمات کو پڑھ لینے سے، کلمہ پڑھ لینے سے انسان، اسلام کی حدود میں تو داخل ہو جاتا ہے لیکن ایمان کامل دل میں آ جائے اس کے لیے کوئی اور درجہ بھی ہے اور وہ کیا ہے؟ کہ انسان کے دل میں اس کلمہ کی محبت بیٹھ جائے اور دل تسلیم کر لے کہ میں نے اللہ رب العزت کے حکموں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ اب جو حکمِ خدا ہوگا وہ میرے اس جسم کے اوپر لاگو ہو جائے گا، یہ تصدیق بالقلب ہے۔ اس کا رتبہ پانے کے لیے کچھ محنت کرنی پڑتی ہے۔

یہ شہادت گہہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

بلکہ فارسی میں کسی نے کہا:

چوں می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلات لا الٰہ الاّ

[جب میں کہتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں تو میں کانپ جاتا ہوں کہ میں لا الہ الا اللہ کہنے کی مشکلات کو جانتا ہوں]

چنانچہ زبان سے اقرار پہلا قدم ہے اور دل سے تصدیق یہ دوسرا قدم ہے۔

عمل دل کی حالت کا آئینہ دار ہے:

اب کیسے پتہ چلے کہ زبان سے لا الہ الا اللہ کہنے والا اپنے قول میں سچا بھی ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے اس امت کے علماء کو کہ انہوں نے پتہ صاف کر دیا،

انہوں نے اس کی تعریف یوں کی:

اَلْاِیْمَانُ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَ تَصْدِیْقٌ بِالْجَنَانِ وَعَمَلٌ بِا الْاَرْکَانِ

[کہ ایمان ہے، زبان سے اقرار کرنا، دل سے اس کی تصدیق کرنا اور اپنے اعضاء سے اس پر عمل کرنا]

یہ جو اعضاء سے اس پر عمل کرنا ہے، اس سے فوراً انسان کا جو اندر ہے وہ کھل جاتا ہے، ڈھول کا پول کھل جاتا ہے، دورنگی سامنے آجاتی ہے، انسان کا عمل تصدیق کر دیتا ہے کہ دل کی حالت کیا ہے۔

بناوٹی خوف:

چنانچہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ایک شخص بڑا صوفی صافی بنتا تھا، ایک مرتبہ جو امام مسجد تھے وہ آ نہ سکے، کوئی عذر تھا، تو لوگوں نے اسے کہا کہ جی آپ نماز پڑھا دیجیے۔ وہ کہنے لگا کہ بھئی میں تو نماز نہیں پڑھاتا، پوچھا کیوں؟ کہنے لگا کہ مجھے یہ خوف ہے کہ میں نماز شروع کروں اور میری موت آجائے اور میں نماز مکمل ہی نہ کرسکوں۔ لوگوں نے کہا۔ کیا بات ہے! ایسی کیفیت کہ نماز شروع کریں تو یہ خوف ہے کہ موت نہ آجائے اور نماز مکمل نہ ہو سکے۔ تو لوگوں نے کہا کہ نہیں آپ پڑھا دیجیے۔ وہ راضی ہوگیا اور کہنے لگا: اچھا میں یہ نماز تو پڑھا دیتا ہوں، اگلی نماز نہیں پڑھاؤں گا۔ تو بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے پکڑ کر گریبان سے پیچھے کیا، فرمایا کہ تو بناوٹی بندہ ہے۔ ابھی کہہ رہا تھا کہ میرے اوپر اتنا خوف غالب ہے کہ نماز شروع کروں تو پتہ نہیں مکمل بھی کرسکوں گا یا نہیں اور ابھی کہہ رہا ہے کہ اگلی نماز نہیں پڑھاؤں گا، کیا اگلی نماز تک زندہ رہنے کا یقین ہے؟ تو انسان کا عمل دل کی حالت کھول دیتا ہے۔ یہ بناوٹ چل نہیں سکتی۔ اسی لئے جسم کے اعمال گواہی دیتے ہیں کہ دل کی حالت کیا ہے؟

مومن اور غیر مومن میں فرق

مؤمن اور غیر مؤمن میں چند بنیادی فرق ہیں:

مومن بن دیکھے مانتا ہے، کافر دیکھ کر مانتا ہے:

پہلا فرق تو یہ کہ مومن بن دیکھے مانتا ہے اور غیر مومن یعنی کافر، وہ دیکھ کر مانتا ہے۔ چنانچہ مومن اپنی زندگی میں سب کو مان لیتا ہے۔ کیوں؟ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ بن دیکھے مان لیا اور غیر مومن جب موت کے وقت اس کی آنکھوں کا پردہ کھلتا ہے۔

﴿ فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَائَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴾ (ق:۲۲)

[پس ہم نے تجھ سے تیرا پردہ دور کر دیا، پس آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے]

تو جب وہ سامنے دیکھتا ہے پھر مان لیتا ہے۔

چنانچہ فرعون نے کیا کیا؟ اپنی موت کے وقت کہنے لگا

﴿ آمَنْتُ بِرَبِّ مُوْسٰى وَ هَارُوْنَ ﴾

(میں موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لاتا ہوں)

جو ساری زندگی خود خدائی کا دعویٰ کرتا پھرا، اب موت کے وقت وہ خود ایمان لانے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر اس کو فرمایا گیا: الآن..... اب ایمان لائے، اب تو بہت دیر ہوگئی، اب تو چونکہ تم نے آنکھوں سے دیکھ لیا، اب ایمان والا معاملہ ختم ہوگیا۔ اب مشاہدہ شروع ہوگیا، تو ایمان اور مشاہدہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایمان بن دیکھے ماننے کو کہتے ہیں اور مشاہدہ دیکھ کر ماننے کو کہتے ہیں۔ تو مومن جس چیز کو بن دیکھے مانتا ہے، غیر مومن اسی چیز کو دیکھ کر مان لیا کرتا ہے۔

مومن بخوشی مانتا ہے، غیر مومن مجبوراً مانے گا:

چنانچہ مومن جس چیز کو اس دنیا میں بخوشی مانتا ہے، غیر مومن اسی چیز کو ایک وقت

آئے گا کہ مانے گا، مگر مجبور ہو کر۔ چنانچہ قیامت کے دن کافر اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوں گے تو ان کے سر شرم سے جھکے ہوں گے۔ اور کیا کہیں گے؟

﴿ رَبَّنَا اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوقِنُوْنَ ﴾

(السجدہ:۱۲)

[اے ہمارے رب! آج ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور سن لیا، اب ہمیں واپس لوٹا دیجیے، اب ہم نیک عمل کریں گے ہمیں اس بات پر پکا یقین آ گیا ہے]

تو مومن نے زندگی میں بخوشی مانا اور کافر نے قیامت کے دن مجبور ہو کر مانا۔

بروز قیامت کافر کو حسرت ہوگی، مومن مسرور ہوگا:

تیسرا فرق یہ ہے کہ قیامت کے دن جب ان کو دوزخ میں ڈالا جائے گا تو وہ کہیں گے:

رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ (مؤمنون:۱۰۶)

[اے ہمارے پروردگار! ہم پر بدبختی غالب آ گئی اور ہم گمراہ ہو گئے]

رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظَالِمُوْنَ (مؤمنون:۱۰۷)

[اے اللہ! ہمیں اس سے نکال دیجیے اگر ہم لوٹ کر پھر برے عمل کریں تو پھر واقعی ہم ظالم ہیں]

تو قیامت کے دن کافر لوگ مجبور ہو کر ہر اس چیز کو تسلیم کریں گے، جس کو مومن اسی دنیا کے اندر بخوشی تسلیم کرتا ہے۔ چنانچہ مومن یہ کہتا ہے: اے پروردگار!

اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ آمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا

[اے اللہ! ہم نے آپ کے منادی کو سنا جو آواز لگا رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ، پس ہم ایمان لے آئے]

تو مومن کا درجہ اللہ رب العزت کے ہاں اسی لئے بڑا ہے کہ وہ بن دیکھے، بخوشی ہر اس حقیقت کو تسلیم کر لیتا ہے جس کو قیامت کے دن کافر مجبور ہو کر اور دیکھ کر تسلیم کریں گے۔

انسان کی قیمت:

اسی لئے اللہ رب العزت کے ہاں ایمان کی بہت بڑی قیمت ہے، بلکہ انسان کا مرتبہ ہی اس کے ایمان کی وجہ سے ہے۔ اگر ایمان نہ ہو تو انسان کی کوئی اوقات ہی نہیں۔ دیکھیں! انسان چند عناصر سے مل کر بنا: آگ، پانی، ہوا اور مٹی۔ انسان جن اجزاء سے مل کر بنا، اگر آپ ان کا اندازہ لگائیں تو وہ پانی ہے، کاربن ہے، آکسیجن ہے اور نائٹروجن ہے۔ سائنس پڑھنے والے جانتے ہیں کہ انسان امائنو ایسڈ سے بنا، اگر ان تمام عناصر کی قیمت مارکیٹ کے حساب سے لگائی جائے تو ایک انگریز سائنسدان رابرٹ پیٹرسن نے کہا کہ ''انسان کے تمام عناصر کی کل قیمت ساڑھے چھ ڈالر ہے'' یعنی انسان جن عناصر سے مل کر بنا ان عناصر کی کل قیمت ساڑھے چھ ڈالر ہے۔ اگر ایمان الگ ہو جائے تو انسان کی کیا قیمت بنی؟ ساڑھے چھ ڈالر!! کتنا عظیم ہے وہ پروردگار جس نے اتنی بے قیمت چیزوں سے اتنا قیمتی انسان پیدا فرما دیا، تو انسان کی قیمت ہی اس کے ایمان کی وجہ سے ہے۔

پروردگار کی عظمت:

آپ گائے کو دیکھیں، چارہ کھاتی ہے، پانی پیتی ہے اور دودھ دیتی ہے۔ کیا انسان کوئی ایسی مشین بنا سکتا ہے جس کے اندر چارہ ڈال دیا جائے اور پانی ڈال دیا جائے، پھر اس میں سے دودھ نکل آئے؟ شہد کی مکھی کو دیکھو! وہ بھی پھولوں کا رس چوستی ہے اور اس میں سے شہد نکلتا ہے، کیا انسان کوئی ایسی مشین بنا سکتا ہے کہ جس

میں ایک طرف سے پھول ڈال دیئے جائیں اور دوسری طرف سے شہد نکل رہا ہو؟ انسان ایسا نہیں کر سکتا۔ ریشم کا کیڑا بھی شہتوت کا پتہ کھاتا ہے، پانی پیتا ہے اور اس میں سے ریشم نکلتا ہے۔ بکری بھی شہتوت کا پتہ کھاتی ہے، پانی پیتی ہے اور اس میں سے دودھ نکلتا ہے۔ آپ سوچیں کیا انسان ایسی مشینیں بنا سکتا ہے کہ شہتوت کے پتے ڈالیں، پانی ڈالیں، ایک طرف سے ریشم بن کر نکل رہا ہو اور دوسری طرف سے دودھ بن کر نکل رہا ہو؟ نہیں، انسان کے بس میں یہ نہیں ہے۔ پروردگار کی عظمت دیکھیے کہ اس نے کیسے جاندار بنا دیئے! جو کتنی کم قیمت چیزوں کو استعمال کرتے ہیں اور کتنی قیمتی چیزوں کو وہ اپنے جسم سے نکالتے ہیں۔

انسان کی اوقات:

اب اس کے مقابلے میں انسان کو دیکھیں کہ اگر اس کے اندر ایمان نہیں، فقط جسم موجود ہے، تو یہ کھاتا کیا ہے؟ پھل کھاتا ہے، کتنی خوشگوار غذائیں کھاتا ہے اور پھر اپنے جسم سے نکالتا کیا ہے؟ ایسی بدبودار چیز کہ انسان اس کو پاس کھڑا ہو کر سونگھ نہیں سکتا، نجاست، گندگی۔

ایک اللہ والے گزر رہے تھے، گندگی کا ڈھیر قریب آیا تو وہ رونے لگ گئے، کسی نے کہا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ کہنے لگے کہ اس گندگی کے ڈھیر نے مجھ سے مخاطب ہو کر کلام کیا اور یہ کہا کہ اے انسان! ذرا اپنی اوقات کو پہچان، میں کتنی خوشبودار غذائیں تھی، پھل تھی، اعلیٰ اعلیٰ نعمتیں تھی، خوش ذائقہ کھانے تھی، تو نے مجھے استعمال کیا، جب میں تیرے جسم سے خارج ہوئی تو اتنی بدبودار بن گئی، تیرے تھوڑی دیر کے ساتھ نے مجھے کیا سے کیا بنا کر رکھ دیا! تو اگر ایمان کا معاملہ نہ ہو تو انسان کی اوقات ہی کیا؟ اتنی اعلیٰ چیزوں کو اتنی گندی چیزوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔

ایمان والا انسان اللہ کا دوست ہے:

معلوم ہوا کہ انسان کی قیمت ہی اس کے ایمان کی وجہ سے ہے، اسی سے یہ اشرف المخلوقات بنا، اسی سے یہ اللہ رب العزت کا پیارا بنا، اسی سے اللہ نے اس کو فضیلت عطا فرمائی۔ چنانچہ جو ایمان والا انسان ہو وہ اللہ رب العزت کا دوست ہے۔

﴿ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا ﴾

[اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دوست ہے]

انسان صفاتِ الٰہیہ کا مظہر ہے:

اچھا دیکھیں! انسان میں جو صفات ظاہر میں نظر آتی ہیں، وہی صفات ہم اللہ رب العزت کے ساتھ غیب کے ساتھ مانتے ہیں، مثلاً: انسان کے اندر ہمیں سماعت ملتی ہے، بصارت ملتی ہے، دل ملتا ہے، ارادہ ملتا ہے، وجود ملتا ہے، ان تمام صفات کو ہم بن دیکھے اللہ میں تسلیم کرتے ہیں۔ اللہ رب العزت میں یہی صفات موجود ہیں مگر فرق اتنا ہے کہ انسان کے اندر یہ صفات ناقص ہیں، اللہ تعالیٰ کے اندر یہ صفات کامل ہیں، انسان مخلوق ہے، اللہ رب لعزت خالق ہیں۔ انسان میں یہ صفات محدود ہیں، اللہ تعالیٰ کی صفات لامحدود ہیں۔ انسان بے اختیار ہے، اللہ تعالیٰ اختیار والی ذات ہے۔ انسان کے اندر یہ صفات فانی ہیں، اللہ رب العزت کے اندر یہ صفات باقی رہنے والی ہیں۔ انسان کے اندر یہ صفات عطائی ہیں، اللہ کی دی ہوئی ہیں، جب کہ اللہ کے اندر یہ صفات اس کی ذاتی ہیں۔ تو انسان اللہ تعالیٰ کے وجود کی دلیل ہے۔ جس نے انسان کو دیکھا وہ اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار نہیں کرسکتا، ہم انہی صفات کے ساتھ جو انسان میں موجود ہیں اور ناقص حالت میں ہیں، اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں مگر کامل صفات کے ساتھ۔

انسان ایک نوخیز کلی کی مانند ہے:

انسان جب اس دنیا میں پیدا ہوتا ہے تو اس کی حالت ایسے ہوتی ہے جیسے پودے کی کلی کھلتی ہے۔ تو بچہ اس دنیا میں ایک کلی کی مانند کھلتا ہے، لیکن جب بڑا ہوتا ہے تو اس کا سینہ آرزوؤں کا قبرستان بن جاتا ہے۔

دیکھا گیا ہے کہ جب بھی کوئی فصل اگائی جاتی ہے، اس کے ساتھ کچھ خودرو فصلیں بھی اگ آتی ہیں، ایسی فصلیں جو انسان نہیں چاہتا وہ خود بخود اگ آتی ہیں، چنانچہ ان فصلوں کو ختم کرنا پڑتا ہے۔ کسان لوگ جانتے ہیں کہ بعض موسموں میں جب کھیت میں کوئی کھیتی کی جائے تو ایک خودرو پودا اگ آتا ہے اس کو اِٹ سِٹ کہتے ہیں، ایک اور پودا ہم اس کو اپنی زبان میں باتھو کہتے ہیں، وہ بھی اگ آتا ہے، انگلش میں ان خودرو پودوں کو weed کہتے ہیں۔ کسان نہیں چاہتا کہ یہ اگیں مگر وہ بخود اگ آتے ہیں، ان کا بیج زمین میں پہلے سے موجود ہوتا ہے، جب پانی ملا، کھاد ملی تو جہاں فصل اگی وہاں یہ بھی اگ آئے۔ یہ خودرو پودے غیر مطلوب ہوتے ہیں، کسان ان کو نہیں چاہتا، اس لئے کہ وہ کھیت کی ۴۰ فیصد سے ۶۰ فیصد تک کی خوراک حاصل کر لیتے ہیں۔ اگر ان کو نہ نکالا جائے تو اصل فصل کمزور ہو جاتی ہے، لہٰذا ان کو نکالنا ضروری ہوتا ہے۔

انسان کے نامطلوب اوصاف:

جب یہ بات سمجھ لی تو ایک اور بات سمجھ میں آ گئی کہ انسان کے اندر کچھ صفات مطلوبہ ہوتی ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ کچھ چیزیں غیر مطلوبہ آ جاتی ہیں۔ جس طرح کھیتی کے اندر خودرو پودوں کو کوئی کیمیکل چھڑک کر ختم کر دیا جاتا ہے، ان کو ختم کرنے کے لئے ویڈوسائیڈ استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح انسان کو ان رذائل کو خود ختم کرنا

پڑتا ہے۔ اگر ان رذائل کو ختم نہ کیا تو اس کی صفات پھر ان رذائل کے اندر چھپ جاتی ہیں۔

اقتدار کے ساتھ تکبر:

مثال کے طور پر: آپ ذرا غور کیجئے کہ جس انسان کو اقتدار ملے تو تکبر اس کے ساتھ خود بخود آ جاتا ہے، کرسی ملی اور تکبر آ گیا۔ تو اس تکبر کی مثال بھی خود رو اگنے والے پودے کی مانند ہے۔ اسلئے فرعون کو اللہ رب العزت نے اقتدار دیا تھا، ایسا تکبر اس کے اندر آیا کہ کہنے لگا، اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۔ خدائی کا دعوی کر بیٹھا۔ اتنا تکبر کہ اپنی فوج اپنے ملک کے لوگوں کو اس نے خطاب کیا، تقریر کی اور ان کو کہنے لگا: الیس لی ملك مصر کیا یہ ملک مصر میرا نہیں؟ وھذہ الانھار تجری من تحتی اور دیکھو! یہ نہریں میرے تحت بہہ رہی ہیں۔ یہ میرا آبپاشی کا نظام دیکھو! دریاؤں کا نظام دیکھو! تو یہ تکبر انسان میں خود بخود آ جاتا ہے۔

دولت کے ساتھ بخل:

اسی طرح انسان کو جب اللہ تعالیٰ دولت عطا کر دے تو بخل کی فصل خود بخود اگ آتی ہے، ہر انسان جس کے پاس دولت ہو، اس کے پاس سخاوت نہیں ہوتی۔ جس کے پاس زیادہ مال آتا ہے اکثر وبیشتر اسمیں بخل پیدا ہو جاتا ہے۔ کتنے لوگ ہیں جو روزانہ اپنے بینک بیلنس کو دیکھتے ہیں۔ تو یاد رکھیں! کچھ لوگ مالدار ہوتے ہیں اور کچھ لوگ مال کے چوکیدار ہوتے ہیں، دونوں میں فرق ہے۔ مالدار کی مثال عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اللہ نے خوب دیا اور انہوں نے دونوں ہاتھوں سے اللہ کے دین کے لئے خرچ کیا، یہ مالدار ہوئے۔ کچھ مال کے چوکیدار ہوتے ہیں، اس کا استعمال کرنا ان کے اپنے نصیب میں نہیں ہوتا، جمع یہ کرتے ہیں پھر مزے ان کی اولادیں اڑاتی ہیں۔

حساب قیامت کے دن یہ دیں گے اور مزے ان کے بعد آنے والے اڑائیں گے۔تو اس مال کا کیا فائدہ کہ انسان دنیا کا مالدار ہو اور قیامت کے دن کا فقیر ہو؟

قارون کو دیکھو! اللہ تعالیٰ نے کتنا مال دیا تھا مگر اسکو زکوٰۃ دینی بوجھ نظر آئی، چنانچہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر الزام تراشی کا ایک بہانہ بنالیا، بالآخر اللہ نے اس کو اس کے مال اور خزانوں سمیت زمین کے اندر غرق کر دیا۔

علم کے ساتھ حسد:

اسی طرح جس شخص میں علم آتا ہے اس کے ساتھ ساتھ اس میں فخر اور حسد کی خودرو فصل بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ علم بھی عجیب ہے کہ بندے کے اندر آیا تو اسکے اندر فخر اور حسد خود بخود آ جاتا ہے۔قومِ یہود کو دیکھو! ان کے پاس علم تھا مگر اس علم کے ساتھ ان کے اندر حسد بھی پیدا ہو گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حسد کن لوگوں نے کیا؟ انہی لوگوں نے کیا۔اسی لیے علماء نے لکھا ہے

لو لا الحسد فی العلماء لکانوا بمنزلۃ الانبیاء

(اگر علماء میں حسد نہ ہوتا تو یہ انبیاء کے مقام تک بھی جا پہنچتے)

علم انسان کو اتنا اوپر اٹھا دیتا ہے مگر حسد بندے کو گرا دیتا ہے۔اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ جہاں علم آیا وہاں حسد کی خودرو فصل بھی پیدا ہو گئی۔ایک دوسرے کے ساتھ نہیں بنتی، سینگ نہیں سماتے اور یہی چیز انسان کی تنزلی اور اس کی گراوٹ کا سبب بن جاتی ہے۔

شہرت کے ساتھ ریاکاری:

اسی طرح جس بندے میں شہرت آئی اس میں بناوٹ اور ریاکاری کی فصل خود بخود پیدا ہو جاتی ہے۔آپ ذرا ٹی وی کے قراء کی شکلیں دیکھا کریں، آپ کو ساری

بات خود بخود سمجھ میں آجائے گی۔ اب چونکہ ریڈیو کے قاری بن گئے، ٹی وی کے قاری بن گئے اس لیے بناوٹ آجاتی ہے، سج دھج کے رہنا، بن سنور کے رہنا ان کا شعار بن جاتا ہے۔ کیا فائدہ اس سکرین کے مولوی بننے کا کہ سنت ہی چھوٹی ہوتی چلی جائے؟ کہنے کو علامہ اور چہرے پر سنت ہی پوری نظر نہیں آتی تو معلوم ہوا کہ جہاں شہرت آئی بناوٹ اور ریاکاری کی فصل خود بخود پیدا ہوگئی۔

حسن و جمال کے ساتھ نمائش:

اسی طرح جہاں حسن و جمال آتا ہے وہاں نمائش کی فصل خود بخود اگ آتی ہے۔ اس لئے آپ دیکھیں کہ عورتیں بے پردہ ہوکر کیوں باہر پھرتی ہیں؟ کبھی میلے منہ سے نکلیں گی؟ کبھی نہیں، کیسے نکلتی ہیں؟ نکلنے سے پہلے آدھا گھنٹہ تیار ہوتی ہیں اور پھر سمجھتی ہیں کہ اب ہم اتنی خوبصورت ہیں کہ کوئی ہمیں دیکھے گا تو پھر وہ ہمیں پیار کیے بغیر رہ نہیں سکے گا۔ تو جہاں حسن و جمال آیا اس کے ساتھ بناوٹ اور نمائش خود بخود آگئی۔ اس لئے بے پردہ عورتوں کو باہر نکلنے سے روکنے کا آسان طریقہ، ان کو کہو کہ سادہ کپڑے پہنو! سادہ کپڑے پہن کر کبھی باہر نہیں نکل سکتیں۔ یہ رنگ برنگے کپڑے، بہترین کپڑے جہاں آئے، وہاں بے پردگی آگئی۔

انسان کی ذمہ داری:

معلوم ہوا کہ جہاں اچھی چیزیں آتی ہیں وہاں غیر مطلوب قسم کی بہت سی فصلیں خود بخود اگ آتی ہیں۔ تو جیسے کسان اپنے کھیت میں خودرو فصلوں کو تلف کر دیتا ہے تب اس کی صحیح فصل اچھی ہوتی ہے، انسان کی بھی یہ ذمہ داری کہ وہ اپنے اندر پیدا ہونے والے ان رذائل کو ختم کر دے تو اس کے اخلاق کی فصل اچھی ہوگی اور اللہ کے ہاں یہ انسان کامیاب ہوگا۔

انسانی زندگی کے دورخ:

انسان کی زندگی کے دورخ ہوتے ہیں، دو زاویے ہوتے ہیں: ایک ہوتی ہے خودرخی زندگی اور ایک ہوتی ہے خدارخی زندگی۔ خودرخی زندگی کا کیا مطلب؟ خودرخی زندگی کا مطلب یہ کہ میری منشاء پوری ہوگی، میری مرضی پوری ہوگی اور خدارخی زندگی کا کیا مطلب؟ کہ اللہ رب العزت کی منشاء پوری ہو۔ چنانچہ ایک ہوتی ہے من چاہی زندگی اور ایک ہوتی ہے رب چاہی زندگی۔ زندگی کے ہمیشہ یہ دو مختلف انداز ہوتے ہیں۔ ایک کو کہتے ہیں Self oriented life (اپنی ذات پر مبنی زندگی) اور دوسری کو کہتے ہیں God oriented life (خدا کی رضا پر مبنی زندگی) یہ دو الگ الگ زندگیاں ہیں۔ اب دونوں کے نتائج بھی مختلف ہیں۔

مثلاً جو من چاہی زندگی ہو، اس میں خودغرضی آتی ہے، خواہش پرستی آتی ہے، مفاد پرستی، زن پرستی، زر پرستی، نفس پرستی، شہوت پرستی یہ تمام من چاہی زندگی کے نتائج ہوتے ہیں اور جو رب چاہی زندگی ہوتی ہے، اس میں اصول پرستی، حقیقت پرستی اور خدا پرستی انسان کی زندگی میں آجاتی ہے۔

دنیا میں بالآخر کھوناہی ہے:

اب دیکھئے! آج دنیا کے اندر کچھوے کی زندگی ڈیڑھ سو سال، مگر مچھ کی زندگی دو سو سال، درختوں کی زندگی ایک ہزار سال، (ایسے درخت دنیا میں موجود ہیں) پہاڑوں کی زندگی لاکھوں سال جب کہ انسان کی زندگی صرف ۶۰ سال اور وہ بھی آرزوؤں بھری زندگی، حسرتوں بھری زندگی۔ عقل مند انسان وہ ہے جو دنیا کی آرزوؤں اور حسرتوں سے جان چھڑا کر اپنی من چاہی زندگی کو چھوڑ دے اور رب چاہی زندگی کو اختیار کرلے۔ کتنا عجیب ہے وہ پانا کہ جس کا انجام کھونے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ ذرا

توجہ فرمایئے کہ ”کتنا عجیب ہے وہ پانا کہ جس کا انجام کھونے کے سوا کچھ نہیں ہوتا“۔ زندگی میں انسان اپنی آرزوئیں پا بھی لے تو بھی بالآخر اس کا انجام کھونا ہے، جو بھی زندگی میں خواہش پوری کرلے، اسکا انجام بالآخر ان چیزوں کو کھو دینا ہے۔ تو کتنا عجیب ہے وہ پانا کہ جس کا انجام کھونے کے سوا کچھ نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ عقل مند انسان وہی ہے جو دنیا میں آرزوئیں پوری کرنے کی بجائے اپنے مولیٰ کی منشاء کو پورا کرے تا کہ اللہ قیامت کے دن اس کو اپنے پسندیدہ بندوں میں شامل فرمائیں۔

جب تک انسان مٹے نہیں کامل نہیں ہوسکتا:

ایک نکتے کی بات ذرا سمجھیے، ہر بیج کے اندر درخت چھپا ہوتا ہے اگر اس بیج کو سازگار ماحول مل جائے، اگر سازگار ماحول نہ ملے تو بیج درخت نہیں بن سکتا۔ اسی لئے ہر بیج کے اندر درخت بننے کی صلاحیت تو موجود ہوتی ہے، مگر ہر بیج درخت نہیں بنا کرتا، درخت وہی بنتا ہے جس کو سازگار ماحول مل جائے۔ اور جس کو کلر والی زمین مل جائے تو وہ بیج ویسے ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جس انسان کو غلط ماحول مل جائے اس کے اندر انسان کامل کا بیج موجود ہوتا ہے مگر وہ بیج تلف ہو جاتا ہے۔ انسان کامل وہی بنتا ہے جس کو اچھا ماحول مل جائے۔ دیکھیے جب تک بیج مٹے نہیں تب تک وہ درخت نہیں بنتا اسی طرح جب تک انسان مٹے نہیں تب تک وہ انسان کامل نہیں بنتا۔

آج دنیا جانتی ہے کہ ایک ذرہ جو سب سے چھوٹا ہوتا ہے، اسکو ایٹم کہتے ہیں۔ جب وہ ایٹم ٹوٹتا ہے تو مادی قوت کا اظہار ہوتا ہے، اتنی قوت کہ انسان اس کی طاقت سے ڈرتا ہے۔ جب ایٹم ٹوٹتا ہے تو جو اس کی طاقت ہوتی ہے وہ شہروں کو ختم کر کے رکھ دیتی ہے، مٹا کر رکھ دیتی ہے۔ یاد رکھئے! جب ذرے کا نیوکلیس ٹوٹتا ہے تو مادی طاقت ظاہر ہوتی ہے، جب انسان کا شاکلہ ٹوٹتا ہے تو اس سے روحانی طاقت باہر آجاتی ہے۔ جیسے ایٹم کا نیوکلیس ہوتا ہے ایسے ہی انسان کا بھی ایک شاکلہ ہوتا ہے،

اس شاکلہ کو توڑنے کی ضرورت ہے، اس انا کو، اس مَیں کو توڑنے کی ضرورت ہے۔ جس نے اس شاکلہ کو توڑ لیا اس میں کو توڑ لیا اس بندے کی پھر روحانی طاقت ظاہر ہوگئی۔ پھر انسان وہ کام کر دکھاتا ہے جو جن بھی نہیں کرتا۔

انسان کی روحانی قوت جنوں سے بڑھ کر:

دیکھیے! حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی محفل میں جنوں کو کہا تھا کہ تم میں سے کون ہے جو تخت کو میرے پاس لے آئے؟ جنوں نے جواب دیا کہ ہم اس کو اتنی دیر میں لا سکتے ہیں کہ جتنی دیر میں مجلس ختم ہو۔ قرآن گواہی دے رہا ہے،

﴿ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا آتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ﴾

[میں اس کو آپ کے پاس حاضر کر دیتا ہوں مگر جتنی دیر میں آپ مجلس بر خاست کر کے کھڑے ہوں]

آپ نے کہا بڑی دیر ہے اس سے بھی جلدی چاہیے۔ اس وقت ایک عالم وہاں دربار میں بیٹھا ہوا تھا، اس نے کہا،

﴿ قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ اَنَا آتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ﴾

[کہا اس شخص نے کہ جس کے پاس کتاب کا علم تھا، میں آپ کے پاس اس تخت کو لا دیتا ہوں اس سے پہلے کہ آپ اپنی اس پلک کو جھپکیں]

﴿ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ ﴾

تو معلوم ہوا کہ جب انسان کی میں ٹوٹتی ہے، انا ٹوٹتی ہے، اس کا شاکلہ ٹوٹتا ہے پھر اللہ تعالیٰ انسان کو ایسی روحانی طاقت دیتے ہیں، وہ ایسے کام کر دکھاتا ہے جو کام پھر جنوں کے لئے بھی کرنے ناممکن ہوتے ہیں۔ یہ روحانی طاقت ہر بندے کے اختیار میں نہیں ہوتی، اس کے لئے انسان کو چاہئے کہ وہ اپنی میں کو توڑے۔

جرأت ہے تو افکار کی دنیا سے گزر جا
ہیں تیری خودی میں ابھی پوشیدہ جزیرے
کھلتے نہیں اس قلزمِ خاموش کے اسرار
جب تک تو اسے ضربِ کلیمی سے نہ چیرے

انسان کی بڑی غلطی:

آج کے انسان نے اپنے آپ کو بھی سمجھنے میں غلطی کی اور اپنے رب کو بھی سمجھنے میں غلطی کی، کیا غلطی ہوئی؟ اپنے کو خدا جیسا سمجھ بیٹھا اور خدا کو اپنے جیسا سمجھ بیٹھا۔ اپنے کو خدا جیسا کیسے سمجھ بیٹھا؟ ایسے کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ میری ہر منشاء پوری ہو، اب ہر مرضی تو اللہ تعالیٰ کی ہی پوری ہوتی ہے۔ جیسے بعض اپنے گھر میں یہ کہتے ہیں کہ او جی! یہاں وہ ہوگا جو میں چاہوں گا، میری مرضی کے مطابق تمہیں رہنا پڑے گا۔ دیکھا! اپنے کو خدا جیسا سمجھ بیٹھا کہ ہر حال میں میری مرضی پوری ہو، دیکھ لینا میری مانو گے تو تب تمہیں کامیابی ہوگی، یہ ہے اپنے آپ کو سمجھنے میں غلطی۔ اور اللہ کو سمجھنے میں کیسے غلطی کی؟ اللہ کو اپنے پر قیاس کر بیٹھا، یہ سمجھ بیٹھا کہ بس اب میں نے کلمہ پڑھ لیا، اب میں جو بھی عمل کروں، اللہ کے ذمہ ہے کہ وہ میری پشت پناہی کرے۔

اس لئے آج کا مسلمان کہتا ہے: او جی اللہ کی مدد کیوں نہیں آتی؟ بھئی اللہ کی مدد انسانوں کی سانس کے ساتھ اور جسم کے ساتھ وابستہ نہیں ہاں البتہ ان کے اعمال ان کے ایمان کے ساتھ وابستہ ہیں۔ جب وہ ایمان والے اعمال ظاہر ہوں گے، اللہ تعالیٰ کی مدد ان پر آئے گی۔ ہم کہتے ہیں: جی چونکہ ہم مسلمان کہلاتے ہیں اب اللہ کے ذمے ہے کہ ہماری مدد کرے۔ وہ کوئی رشتہ دار تھوڑا ہے؟ کہ رشتہ دار ایک دوسرے کی جائز بھی مدد کرتے ہیں، ناجائز بھی مدد کرتے ہیں۔ کہتے ہیں: جو مرضی ہو ہم نے تو اپنے رشتہ دار کا ساتھ دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ساتھ ایسا نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا

ساتھ اعمال کے ساتھ ہے، وہ اعمال دنیا میں جس بندے کے بھی ہوں، رنگ کا گورا ہو، کالا ہو، عربی ہو، عجمی ہو، مرد ہو، عورت ہو، جس کے اندر وہ اعمال ہوں گے اللہ تعالیٰ اس بندے کے ساتھ ہیں۔ تو ہم نے اپنے آپ کو سمجھنے میں بھی غلطی کر لی، اپنے پروردگار کو سمجھنے میں بھی غلطی کر لی۔

اب دیکھیں! قومِ یہود نے کیا کہا تھا؟

﴿ نَحْنُ اَبْنَاءُ اللّٰهِ وَاَحِبَّائُهٗ ﴾

[ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پسندیدہ ہیں]

لہٰذا ہم جو مرضی کریں:

﴿ لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ﴾

[ہمیں آگ ہرگز نہیں چھوئے گی مگر چند دن]

تو دلیل قرآن سے مل گئی کہ اپنے کو بھی سمجھنے میں غلطی کی، اور اپنے رب کو بھی سمجھنے میں غلطی کی۔

دوزخی اعمال سے جنت کی تلاش:

عجیب بات تو یہ ہے کہ ایک جنت اللہ نے بنائی ہے اور آج دنیا میں بھی ہر انسان اپنی جنت بنانے میں مصروف ہے۔ ہر انسان کس لئے محنت کر رہا ہے؟ میری بیوی ایسی ہو، میرا گھر ایسا ہو، میری گاڑی ایسی ہو، میرا لباس ایسا ہو، ہر چیز اپنی پسند کی چاہتا ہے۔ یعنی ایک جنت تو خدا نے بنائی، ایک جنت اب انسان دنیا میں بناتا پھرتا ہے۔ اسی لئے رشوتیں لیتا ہے، اسی لئے حرام کھاتا ہے۔ کیوں؟ من پسند کی ہر چیز پالینا، اسی کا نام تو جنت ہے۔ مگر عجیب بات کہ ہر انسان جنت کو تلاش کرتا پھرتا ہے مگر دوزخی اعمال کے ذریعے سے، یہ کیسے ممکن ہے؟ بھلا یہ ممکن ہے کہ ہم دوزخی اعمال کے ذریعے سے جنت کو پالیں۔ کچھ اعمال جنت میں لے جانے والے ہیں اور کچھ

اعمال دوزخ میں لے جانے والے ہیں۔ آج لوٹ مار کے ذریعے من پسند کی زندگی گزارنے والا، حقیقت میں دوزخی اعمال کے ذریعے سے جنت کو ڈھونڈنے والوں میں شامل ہے۔

اسی لئے انسان کو چاہئے کہ اپنی اوقات کو یاد رکھے کہ بالآخر میں نے دنیا سے چلے جانا ہے، اگر یہاں میں نے من پسند کی چیزیں اکٹھی بھی کر لیں، حرام کا مال جمع بھی کر لیا، خوبصورت بیوی بھی لے لی، گھر بھی لے لیا، ہر چیز لے بھی لی، ہے تو یہ پھر بھی چار دن کی چاندنی آگے پھر اندھیری رات ہی تو آنی ہے۔

موت کو یاد رکھو:

اسی لئے نبی ﷺ نے حکم فرمایا:

اذکروا هاذم اللّذات الموت

[لذتوں کو توڑنے والی اپنی موت کو یاد کیا کرو]

وہ تمہیں اپنی حقیقت یاد دلائے گی۔ اسی لئے ہمارے اکابر پہلے وقت میں قبرستان میں جایا کرتے تھے کہ قبرستان میں جا کر انسان کو عبرت ملتی ہے اور اس عاجز کا خیال یہ ہے کہ آج کے دور میں قبرستان میں جانے کی بجائے ہسپتال میں جا کر دیکھ لیا کریں، آج کا ہسپتال عبرت کا زیادہ بڑا نمونہ ہے۔ پہلے زمانے میں اتنے بڑے ہسپتال تو ہوتے نہیں تھے، آج ذرا جا کر دیکھیں! انسان کی اوقات کیا ہے؟ سمجھ لگ جاتی ہے۔ کبھی دل والے سیکشن میں جا کر دیکھیں، کبھی پیشاب والے سیکشن میں جا کر دیکھیں، پتہ چل جائے گا کہ انسان کے ساتھ کیا گزر رہی ہے۔

مگر انسان کے دل کی غفلت ایسی کہ ہسپتالوں میں جا کر بھی کئی مرتبہ یہ دور نہیں ہوتی۔ خود مریضوں کو روزانہ ڈیل کرنے والے لوگ، مریضوں کو ایسے برے

امراض میں مبتلا دیکھنے والے ڈاکٹر اور ڈاکٹرنیاں، ان کے اپنے دل نرم نہیں ہوتے، انسان کے دل کی غفلت کا یہ حال ہے۔

اعمال کی کنجیاں

انسان اگر یہ چاہے کہ میں اپنے رب کو پالوں، رب کی رضا کو پالوں تو اس کو چاہیے کہ اپنے رب کو خوش کرنے والے اعمال کو کرنا شروع کر دے، یقیناً اس کو اپنے رب کی رضا مل جائے گی۔ اسی لئے ہر چیز کی کنجی ہوتی ہے، جس سے اس کے تالے کھلتے ہیں۔ حدیث پاک میں مختلف اعمال کی کنجیاں بتا دی گئیں۔

جنت کی کنجی:

چنانچہ نبی ﷺ نے بتا دیا کہ جنت کی کنجی ''کلمہ طیبہ'' ہے **لاالـٰـه الا اللـٰـه محمد رسول الله** یہ کہنا ہے۔

نماز کی کنجی:

اسی طرح فرمادیا کہ نماز کی کنجی ''طہارت'' ہے، جو انسان ہمیشہ باوضو رہے، اس کے لئے نماز پڑھنی بڑی آسان ہے۔ جو عورتیں کہتی ہیں کہ جی ہم سے نماز میں سستی ہو جاتی ہے، اگر کبھی اپنے آپ کو باوضو رکھنے کی کوشش کریں، نماز پڑھنی بڑی آسان ہو جائے گی۔ اور ایک معنی اس کا یہ بھی ہے کہ جو بندہ چاہے کہ نماز کی حقیقت نصیب ہو جائے، اس کو چاہیے کہ وضو اہتمام کے ساتھ کر لے، نماز کی حقیقت بھی نصیب ہو جائے گی۔

آپ نوٹ کر لیں کہ غفلت کی نماز پڑھنے والے ہمیشہ وہی لوگ ہوں گے جو وضو بھی غفلت کے ساتھ کرتے ہیں۔ آپ ذرا وضو کو حضورِ دل کے ساتھ کرنے کی عادت

ڈالیں اللہ تعالیٰ نماز کے اسرار بھی عطا فرما دیں گے۔

نیکی کی کنجی سچ بولنا:

اسی طرح نیکی کی کنجی ''سچ بولنا'' ہے۔ جو انسان چاہے کہ میں نیک بن جاؤں وہ سچ بولنے کی عادت ڈالے یہ نیک بننے کی کنجی ہے۔ اصل میں جھوٹ ہی ہے جو تمام برائیوں کی بنیاد ہے اور آج کے دور میں شیطان نے اس کا ایک خوبصورت نام بہانہ رکھ دیا تاکہ بندے کو برا نہ لگے۔ او جی! میں نے بس بہانہ بنالیا اور یہ بہانہ جھوٹ ہی ہے، سیدھا سیدھا کہو کہ میں نے جھوٹ بولا۔ بیوی سمجھتی ہے کہ میں نے خاوند کے سامنے بہانہ بنالیا، خاوند سمجھتا ہے میں نے بیوی کے سامنے بہانہ بنالیا۔ کیا مطلب؟ آپ سیدھے الفاظ کہیں کہ میں نے جھوٹ بولا۔ جو انسان چاہے کہ میں نیک بنوں، اسکے نیک بننے کی کنجی ہے سچ بولنا، سچ بولنے کی عادت ڈال لے۔ اس لئے ہمارے مشائخ نے کہا کہ بچے کو جو چند موٹی موٹی چیزیں سکھائی جائیں ان میں سے ایک چیز ہمیشہ سچ بولنا۔ اس میں بچے کے ساتھ کوئی کمپرومائز نہیں، بچے کی ہر غلطی برداشت ہو سکتی ہے، اس کا جھوٹ برداشت نہیں ہو سکتا، آپ اس کو ایسا بنالیں خود بخود بچے میں نیکی آجائے گی۔ اس لیے کہ جھوٹ سے ہی وہ اپنے گناہوں پر پردے ڈالتا ہے، جب سچ بولے گا تو گناہ پر پردہ ہی نہیں ڈال سکتا۔ آج تو انسان ایک گناہ کرتا ہے، اسکو چھپانے کے لیے ایک جھوٹ بولتا ہے، پھر اس جھوٹ کو چھپانے کے لیے دس جھوٹ اور بولنے پڑتے ہیں اور پھر دس جھوٹوں کو چھپانے کے لیے سو جھوٹ اور بولنے پڑتے ہیں اور یہ ایک نیا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اور بسا اوقات اپنی زندگی میں ایک روگ پالتا ہے، اسکے بدلے اس کو ہزاروں جگہ پر جھوٹ بولنا پڑتا ہے۔ حتیٰ کہ اللہ رب العزت کے ہاں جھوٹوں کے دفتر میں اس کا نام لکھ دیا جاتا ہے۔

علم کی کنجی ''حسنِ سوال'':

علم کی کنجی حسنِ سوال۔ جس طالبعلم کے اندر حسنِ سوال کی صفت پیدا ہوگئی آپ یوں سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو علم کے باب عطا فرما دیے۔

اللہ کی مدد کی کنجی ''صبر''

اللہ رب العزت کی مدد کی کنجی انسان کا صبر ہے۔ آج ہم ہر چیز کا بدلہ لینا چاہتے ہیں، بھئی جب بدلہ ہم لیں گے تو اللہ کی مدد کیسے اترے گی؟

ایک حدیث پاک میں آیا ہے کہ ایک شخص صدیق اکبرؓ سے سخت بات کر رہا تھا اور صدیق اکبرؓ اس کو برداشت کر رہے تھے، نبی ﷺ بھی سن رہے تھے، حتیٰ کہ جب اس نے بہت ہی بے جا باتیں کی تو صدیق اکبرؓ نے جواب دیا تو نبی علیہ الصلوۃ والسلام اٹھ کر کھڑے ہوگئے اور وہاں سے جانے لگے۔ فرمایا کہ ابو بکر! جب تک تم خاموش تھے، ایک فرشتہ تمہاری طرف سے اس کو جواب دے رہا تھا، جب تم نے خود جواب دیا، اللہ کا وہ فرشتہ چلا گیا اور اب میں بھی اس محفل سے اب اٹھ کر جا رہا ہوں۔ تو معلوم ہوا کہ جو بندہ صبر کرتا ہے، اللہ رب العزت اس بندے کا مددگار ہوتا ہے۔ فرمایا:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾

[اللہ تعالیٰ صبر والوں کیساتھ ہے]

ایک نکتے کی بات ہے کہ آپ کا مخالف دو طرح کا بندہ ہوسکتا ہے یا نیک ہوگا یا بد ہوگا۔ اگر تو بد ہے تو آپ کو بدلہ لینے کی ضرورت نہیں، اس سے بدلہ لینے کے لیے اللہ ہی کافی ہے، اس نے کہہ رکھا ہے:

﴿ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴾

(بے شک ہم مجرموں سے انتقام لیں گے)

اگر تو آپ کا دشمن بد ہے، برا ہے تو آپ کو بدلہ لینے کی ضرورت نہیں، اللہ ہی بدلہ لینے کے لیے کافی ہے اور اگر آپ کا دشمن نیک ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ خود برے ہیں جو نیکوں کے ساتھ آپ نے دشمنی کر لی ہے تو اپنے آپ کو سنوار لیجیے! نیکوں کے ساتھ دشمنی نہ کیجیے۔

نعمتِ خدا کی کنجی ''شکر''

نعمتِ خدا کی جو کنجی ہے وہ شکر ادا کرنا ہے۔ جو انسان بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرے گا، اللہ تعالیٰ بھی اپنی نعمتوں کے دروازے اس پر کھول دیں گے۔ یہ شکر زبان سے بھی کرے اور یہ شکر اپنے عمل سے بھی کرے۔ آج اللہ تعالیٰ کا زبان سے شکر ادا کرنا بہت کم ہوتا جا رہا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ بیٹے کی تعریف کرنا آسان، شوہر کی تعریف کرنا آسان، مگر اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنا بڑا مشکل کام، یہ زبان سے ادا نہیں ہوتی۔ کوئی پوچھے کہ سناؤ! کاروبار کیسا ہے؟ ''بس جی گزارہ ہے'' حالانکہ کاروبار ایسا کہ یہ اپنے ساتھ دس گھروں کا اور بھی خرچ چلا سکتا ہے، اتنا رب نے دیا، اس کی ضرورتوں سے بڑھ کر دیا، اس کی اوقات سے بڑھ کر پروردگار نے اسے دیا، مگر جواب کیا ملے گا ''بس جی گزارہ ہے''۔ اس سے زیادہ ناشکری اور کیا ہو سکتی ہے؟ کیوں نہیں آگے سے زبان کھلتی؟ او بندہ یوں کیوں نہیں کہتا کہ اللہ نے میری اوقات سے بڑھ کر دیا؟ میں تو ساری زندگی سجدے میں پڑا رہوں، اپنے مولیٰ کا شکر ادا کر ہی نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف زبان سے جلدی نہیں نکلتی، اللہ کی خوب تعریفیں کرنی چاہئیں، اللہ تعالیٰ کی ایسی تعریفیں کریں کہ سننے والے کا دل خوش ہو جائے، پھر اللہ تعالیٰ کو بھی پیار آئے گا کہ بندے نے ایسی تعریف کی۔

ولایت کی کنجی ”ذکر“:

ولایت کی کنجی ”ذکر“۔ جب بندہ چاہے کہ مجھے ولایت کا مقام مل جائے اس کو چاہئے کہ وہ پابندی کے ساتھ ذکر کرے، ذکر کی پابندی سے اللہ تعالیٰ ولایت کا درجہ آسانی سے عطا فرما دیتے ہیں۔ آج ہم سے ذکر ہی ہم سے نہیں ہوتا۔ پوچھیں نا کہ کیا معمولات کرتے ہو؟ جی ہم سے مراقبہ نہیں ہوتا، تو پھر ولایت کے انوار کیسے ملیں گے؟ بھئی! ہم کنجی کے بغیر تالا کھولنا چاہتے ہیں، کیا بات ہے!!! کیا شان ہے!!! پانچ منٹ مراقبہ نہیں ہوتا، پھر ہم کہتے ہیں کہ ہمارے اندر سے غصہ نہیں نکلتا، ہماری نگاہ پاک نہیں ہوتی، بھئی! یہ تمام نعمتیں اس ذکر کی کثرت سے ملتی تھیں یہ کام ہم کرتے نہیں، ہمیں یہ صفات کیسے مل جائیں؟ اولیاء کی صفات تب ملیں گی جب ہم ذکر کو دوام کیساتھ کریں گے۔ ہمارے مشائخ نے تو یہاں تک فرمایا ”جودم غافل سودم کافر“ جو لمحہ بھی ذکر کے بغیر گزرا تم یوں سمجھو کہ وہ لمحہ گویا کفر کی حالت میں گزرا۔

فلاح کی کنجی ”تقویٰ“

فلاح کی کنجی ”تقویٰ“ ہے۔ ہر انسان چاہتا ہے کہ میں نجات پا جاؤں مجھے کامیابی مل جائے، فلاح مل جائے۔ فلاح کیا ہوتی ہے؟ ذرا سمجھیں! فلاح ایسی کامیابی کو کہتے ہیں جس کے بعد ناکامی نہ ہو، اللہ کا ایسا قرب جس کے بعد دوری نہ ہو، ایسی خوشی ملے انسان کو کہ جس کے بعد غم نہ ہو، اس کو فلاح کہتے ہیں۔ اور یہ انسان کو تقویٰ کے ساتھ ملتی ہے۔ اور اسی تقویٰ کی وجہ سے انسان کو جنت ملے گی۔

﴿ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴾ (مریم: ٦٣)

[یہ جنت ہے جس کا ہم نے اپنے بندوں میں سے وارث بنایا ہے جو متقی ہیں]

دیکھا! یہاں نورث کا لفظ استعمال کیا۔ یہ جنت ہے، اسکا وارث ہم بنائیں

گے۔ بھئی! وارث تو ہوتا ہے اپنے باپ دادا کی جائیداد کا، تو معلوم ہوا جنت ہمارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی جائیداد ہے۔ اگر ہم ان کے صحیح معنوں میں وارث بنیں گے تو بالآخر ہمیں یہ وراثت مل کر رہے گی مَنْ کَانَ تَقِیًّا جو متقی ہوگا اسے یہ وراثت ملے گی۔

رزق کی کنجی ''اخلاص''

اور رزق کی کنجی ''اخلاص'' ہے، اخلاص اور صلہ رحمی۔ چونکہ آج کل یہ مسئلہ بہت عام ہے، حدیث پاک میں آتا ہے ''صلہ رحمی رزق کی کنجی ہے''، جس بندے کے اندر صلہ رحمی ہو وہ رشتے ناتوں کو جوڑے جن کو اللہ تعالیٰ نے جوڑنے کا حکم دیا، اللہ تعالیٰ اس کا رزق بڑھا دیتے ہیں۔ آج ہم ان کو توڑتے پھرتے ہیں۔

﴿ وَیَقْطَعُوْنَ مَآاَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَنْ یُّوْصَلَ ﴾

[اور توڑتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے جوڑنے کا حکم دیا]

دیکھا! تو اخلاص انسان کے لیے رزق کے دروازوں کے کھلنے کا سبب بن جاتا ہے۔ اسی لیے تو میں اب کہا کرتا ہوں کہ جب خلوص کی کمی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ فلوس کی کمی نہیں آنے دیتے۔ رزق کے دروازے کھول دیتے ہیں، ایسی طرف سے رزق دیتے ہیں جس کا بندے کو گمان ہی نہیں ہوتا۔

خیر و برکت والے اعمال

وضو میں عمر کی برکت:

ایک حدیث پاک میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (علی رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں) فرمایا: کامل وضو کرو عمر بڑھا دی جائے گی، جو انسان چاہے کہ میری عمر لمبی ہو، برکت والی ہو، اس کو چاہیے کہ کامل وضو کرے، باوضو رہنے کی کوشش کرے، عمر میں برکت

عطا کر دی جائے گی۔

سلام میں گھر کی برکت:

نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: ''جب تم گھر میں داخل ہو تو اپنے اہلِ خانہ کو سلام کرو! اس سے گھر میں خیر بڑھے گی''۔ آج کتنے بھائی ہیں جو گھر میں مسکراتے چہرے کے ساتھ داخل ہوتے ہیں اور اہل خانہ کو سلام کرتے ہیں؟ آج تو کمرے میں باپ بیٹھا ہو تو بیٹا آ کر سلام نہیں کرتا، یہ تو پوچھ لے گا کہ ابو آپ کیسے ہیں؟ سلام نہیں کرے گا۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم اتنا سلام کرتے تھے، فرماتے ہیں کہ ہم اکٹھے بیٹھے ہوتے اور اٹھ کر کسی کام سے دیوار کی اوٹ میں چلے جاتے اور واپس آتے تو پھر ایک دوسرے کو سلام کرتے۔

اسی لیے نبی علیہ السلام نے ایک حدیث پاک میں فرمایا: ''جاننے والے اور انجان سب کو سلام کیا کرو'' اور فرمایا: ''سلام کو عام کرو نیکیوں کی کثرت عطا کر دی جائے گی''۔ یہ اَفْشُوْ السَّلَامَ بَیْنَکُمْ والی سنت آج نکلتی چلی جا رہی ہے۔

اہل اللہ سے نسبت:

اسی حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ تم چاشت کی نماز پڑھو! صلوۃ الضحٰی پڑھو! تمہاری اہل اللہ کیساتھ نسبت بڑھ جائے گی، نیک بندوں میں شمار کر لیا جائے گا۔

نبی علیہ السلام کا ساتھ:

پانچویں بات نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمائی کہ ''چھوٹوں پر رحم کرو، اور بڑوں کی عزت کرو! تو قیامت کے دن تمہیں میرا ساتھ نصیب کر دیا جائے گا''۔ سبحان اللہ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ ہم بڑوں کا اکرام کریں اور چھوٹوں کے اوپر شفقت کریں اس کا بدلہ کیا ملے گا؟ ...... یہ کنز الاعمال کی حدیث

ہے۔

پانچ بندوں کی ذمہ داری

ایک اور حدیث میں معاذ بن جبل ﷜ سے روایت ہے نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ پانچ بندے اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری میں ہوتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ ان کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ جیسے بچے کا ذمہ دار اس کا باپ ہوتا ہے، پانچ بندے ایسے ہیں کہ ان کا ذمہ دار ان کا پروردگار بن جاتا ہے تو ہمیں بھی چاہیے کہ ہم وہ اعمال کریں کہ جس میں اللہ ہمارا ذمہ دار بن جائے۔

(۱) اللہ کے راستے میں نکلنے والا:

سنیے ایک وہ بندہ جو اللہ کے راستے میں نکلنے والا ہو، جو اللہ کے راستے میں اقامت دین کے لیے نکلے، مجاھد فی سبیل اللہ، جو دین کی دعوت دینے کے لیے نکلے وہ بھی فی سبیل اللہ، اور جو علم حاصل کرنے کے لیے وہ بھی فی سبیل اللہ، یہ تمام کام کرنے والے لوگ اللہ کے راستے میں نکلنے والے ہوتے ہیں، ایسے لوگوں کا اللہ ذمہ دار ہوتا ہے۔ آپ لوگ اپنے گھروں سے چل کر یہاں آئے، اپنی اصلاح کی نیت سے، اللہ کا قرب پانے کی نیت سے، آپ بھی اللہ کے راستے میں ہیں۔ یہ کوئی شیطان کا راستہ نہیں ہے، یہ بھی اللہ کا راستہ ہے، اللہ کے راستے کو کسی ایک عمل کیساتھ مخصوص نہیں کر دینا چاہیے۔ احادیث میں جتنے اعمال ہیں ان اعمال کو کرنے والا، اللہ کے راستے میں نکلنے والا ہے۔

(۲) مریض کی عیادت کرنے والا:

دوسرا مریض کی عیادت کرنے والا، حدیث پاک میں آتا ہے کہ وہ بھی اللہ کی ذمہ داری میں آجاتا ہے۔ اور حالت تو یہ ہے کہ بعض لوگ اپنے گھر کے مریضوں کو بھی

نہیں پوچھتے، بیوی بیمار ہے، خاوند نہیں پوچھتا۔ بیٹا اور بیٹی بیمار ان کو ڈاکٹر کے پاس لے جانے کی فرصت نہیں ہوتی، گھر میں موجود لوگوں کا حال نہیں پوچھتے۔ بیوی کو ایسے رکھتے ہیں جیسے کوئی بے سہارا ہوتی ہے۔ ہمارے اکابر بے سہاروں کا سہارا بنا کرتے تھے۔ یاد رکھنا! توجہ کیجئے گا! دنیا میں کسی بے سہارا کا سہارا بننے کا مطلب ہوتا ہے کہ اے اللہ! تو اس دن میرا سہارا بن جانا جب میرا کوئی سہارا نہیں ہوگا۔

(۳) صبح وشام مسجد میں گزارنے والا:

اور نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص صبح شام مسجد میں گزارے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری میں آجاتا ہے'' ایک وقت تھا، جب صبح کی نماز مسجد میں پڑھا کرتے تھے اور پھر اشراق تک بیٹھ کر اللہ کو یاد کرتے تھے۔ ہمارے اکابر تہجد بین النومین (دو نیندوں کے درمیان) پڑھا کرتے تھے اور آج کل کے صوفی حضرات فجر کی نماز بین النومین پڑھتے ہیں۔ مشکل سے اٹھ کر فجر پڑھی اور سلام پھیر کر پھر بستر پر لیٹ گئے۔ حالانکہ یہ صبح کا وقت ہوتا ہے، یہ تو برکت والا وقت ہوتا ہے۔ ہماری پنجابی زبان میں اس کو کہتے ہیں ''نور پیر داویلہ''۔ کیا مطلب؟ کہ اس وقت میں پیر کے بتائے ہوئے اوراد و وظائف کرتے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ نور برساتے ہیں، لہٰذا یہ نور پیر داویلہ ہوتا تھا، اس وقت میں اتنا زیادہ تلاوتِ قرآن اور ذکر اذکار کیا کرتے تھے کہ اس کا نام ہی ''نور پیر داویلہ'' پڑ گیا۔

(۴) امام کا معاون:

چوتھا فرمایا: امام کا مددگار، یعنی جو عالم کسی مسجد کا امام ہو یا بیشک اپنے وقت کا امام ہو، اس کی اقامتِ دین کے کام میں مدد کرنے والا ہو، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری میں آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی علماء کا قدردان بنادے۔

ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے علماء سے ایسی محبت ہے کہ اگر میں لیٹا

ہوا ہوں اور کوئی عالم میرے سینے پر پاؤں رکھ کے گزر جائے، مجھے اس سے بھی تکلیف نہیں ہوا کرتی۔ اور آج تو کچھ لوگوں کو علماء سے خدا واسطے کا بیر ہوتا ہے، یعنی محاورے میں یہ بات کی جاتی ہے، ورنہ میں تو کہوں گا شیطان کی وجہ سے بیر ہوتا ہے، نفس کی وجہ سے بیر ہوتا ہے، نہ ان کو علماء اچھے لگتے ہیں اور جہاں علماء بنتے ہیں نہ وہ جگہیں اچھی لگتی ہیں۔

(۵) کسی کا برا نہ چاہنے والا:

اور پانچواں حدیث پاک میں نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص گھر بیٹھے کسی کا برا نہ چاہے وہ بھی اللہ کی حفاظت میں ہے، اللہ کی ذمہ داری میں آجاتا ہے۔ آج ہم گھر بیٹھ کے لوگوں کی غیبتیں کرتے ہیں، جو غیبت کرتا ہے وہ اصل میں دوسرے کا برا چاہتا ہے۔ اسکا مطلب ہے کہ جو لوگ غیبت سے بچیں گے وہ گویا اللہ کی ذمہ داری میں آجائیں گے۔

غیبت سے بچنے کا آسان طریقہ: یا تو اس محفل سے اٹھ جائیں یا اس بندے کی اچھائی بیان کر دیں، مثال کے طور پر: ایک آدمی نے دوسرے کے بارے میں کہا کہ ''فلاں تو بڑا ہی بے وقوف ہے'' سننے والے نے کہا کہ مجھ سے تو کم ہی ہوگا، بات ہی ختم۔ تو ہمیں بھی آگے سے ایسی ہی بات کرنی چاہیے، مثلاً: ہم یہ بھی تو کہہ سکتے ہیں کہ اگر اس میں اتنی برائیاں ہیں تو اللہ نے اس میں اچھائیاں بھی رکھی ہوں گی اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہر انسان کے اندر کمزوریاں بھی ہوتی ہیں اور اچھائیاں بھی ہوتی ہیں۔ ہم تو آگے سے زبان بھی نہیں کھول پاتے، تو اگر زبان بھی نہیں کھول سکتے تو اٹھ کر وہاں سے چلے جائیں، کوئی نہ کوئی بہانہ بنالیں۔ تو جو انسان گھر بیٹھے کسی کا برا نہ چاہے وہ انسان اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری میں آجاتا ہے۔

پانچ آنکھوں پر جہنم حرام

حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پانچ آنکھوں پر جہنم کی آگ حرام فرما دیتے ہیں:

اللہ کی راہ میں جاگنے والی آنکھ:

سب سے پہلی آنکھ جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جاگی ہو۔ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کے راستے میں نکلے اور جاگے، مجاھد ہو، داعی ہو، طالبعلم ہو، جو اللہ کے راستے میں نکل کر جاگے تو اللہ کے راستے میں جاگنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس پر جہنم کی آگ حرام فرما دیتے ہیں۔ کچھ لوگ اللہ کی عبادت میں رات کو جاگتے ہیں،

اس شب کی تلخیوں کا کوئی میرے دل سے پوچھے
تیری راہ تکتے تکتے مجھے صبح ہوگئی ہے

تو اللہ تعالیٰ کی یاد میں ساری رات گزار دیا کرتے ہیں۔

اللہ کی راہ میں ضائع ہونے والی آنکھ:

اور وہ آنکھ جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں ضائع ہو جائے تو ایسی آنکھ پر اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ کو حرام فرما دیتے ہیں۔ کچھ لوگ ہوتے ہیں اللہ کے دین کے لیے زندگی گزارنے والے۔

ایک تیری ہی دوستی کے لیے
ساری دنیا سے دشمنی کر لی

ساری دنیا ان کی دشمن بن جایا کرتی ہے، ایسے بندے کی آنکھ ضائع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ایسی آنکھ پر جہنم کی آگ کو حرام فرما دیتے ہیں۔

خوف خدا سے رونے والی آنکھ:

اور تیسرا نبی علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص خوفِ خدا کی وجہ سے روئے، اللہ کی محبت میں روئے، ایسی آنکھ پر بھی اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ کو حرام فرما دیتے ہیں۔ اللہ کی محبت میں روتے ہیں، اللہ کے خوف سے روتے ہیں، یہ آنسو بھی بڑی نعمت ہیں۔ کسی نے کیا عجیب شعر کہا:

اشک بہہ کر بھی کم نہیں ہوتے
آنکھ کتنی امیر ہوتی ہے

اللہ اکبر!

غیر محرم سے رکنے والی آنکھ:

اور چوتھی بات نبی ﷺ نے فرمائی: ''جو آنکھ غیر محرم کو دیکھنے سے رک جائے اللہ تعالیٰ اس پر بھی جہنم کی آگ کو حرام فرما دیتے ہیں۔ آج کی محفل میں ہم اپنے دلوں میں یہ عہد کریں کہ ہماری آنکھ کبھی بھی کسی غیر محرم کی طرف نہیں اٹھے گی، تا کہ اللہ تعالیٰ ہماری بھی آنکھوں کو جہنم کی آگ سے محفوظ فرما لیں۔

اللہ والوں کو محبت سے دیکھنے والی آنکھ:

اور پانچویں آنکھ جو اللہ والوں کے چہرے پر محبت کے ساتھ، عقیدت کے ساتھ پڑے، اللہ تعالیٰ ایسی آنکھ پر جہنم کی آگ کو حرام فرما دیتے ہیں۔

پانچ کاموں میں جلدی کرو!

ہمارے اکابر نے فرمایا کہ عام طور پر تو جلدی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے، مگر پانچ کام ایسے ہیں کہ ان کاموں کو جلدی کرنا زیادہ اچھا ہے۔

(۱)......نماز جلدی پڑھنا۔ اکثر عورتیں یہ شکایت کرتی ہیں کہ نماز میں سستی ہو جاتی

ہے، اس کی وجہ کیا ہوتی ہے؟ شیطان ان کے دلوں میں یہ ڈالتا ہے کہ بس یہ کام کر کے پڑھ لیتی ہوں۔ یہ اصل میں بری عادت ہے، جب بھی نماز کا وقت ہو جائے تو کوشش کریں کہ نماز پہلے پڑھیں، باقی کام بعد میں کریں۔

(۲)......توبہ میں جلدی کرنا، توبہ میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ جب بھی کوئی اچھی محفل دیکھیں، نیک لوگ دیکھیں، ایسا وقت دیکھیں، جو اللہ کی رحمتوں کا ہو، توبہ کرنے میں جلدی کرنی چاہیے۔

(۳)......مہمان کو کھانا کھلانے میں جلدی کرنا، ہمارے اکابر نے فرمایا: اگر کسی کے ہاں مہمان آئے اور وہ پانی کا گلاس ہی بھر کر پیش کر دے گا، مہمان نوازی کا حق ادا کر دے گا، اتنا تو ہر بندہ ہی کر سکتا ہے۔

(۴)......اور فرمایا کہ کنواری بچی کی شادی کرنا، اس میں بھی جلدی کرے اور آج اس عمل میں سستی کی وجہ سے ماحول اور معاشرے کے اندر فحاشی اور عریانی پھیل رہی ہے، بے حیائی پھیل رہی ہے، جتنا بھی جلدی ممکن ہو سکے حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب جوڑ کا خاوند مل جائے تو تم بیٹی کی شادی کرنے میں ہمیشہ جلدی کرو۔

(۵)......اور پانچواں فرمایا کہ جنازہ جب تیار ہو جائے تو اس کو دفنانے میں جلدی کی جائے۔

پرندوں کا پنجرہ یا جانوروں کا اصطبل......

انسان جب یہ اعمال اپناتا ہے تو پھر اچھا انسان بن جاتا ہے۔ اور اگر ان اعمال سے انسان محروم ہو جائے تو پھر انسان بگڑا ہوا انسان ہوتا ہے۔ اسلیئے حسن بصریؒ فرماتے تھے:

هذه الاجساد حبس لطيور او اصطبل الدّواب

[یہ ہمارے جو جسم ہیں یا تو یہ پرندوں کے پنجرے ہیں یا پھر یہ جانوروں کے

اصطبل ہیں]

ان کے اندر رہنے والا اگر نیک ہےتو وہ جنتی پرندہ ہے، یہ اس کے لیے پنجرہ ہے، جیسے ہی موت کا وقت آئے گا تو اِرْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكَ تو وہ اڑ کر اس پنجرے سے نکل جائے گا اور جنت کا پرندہ بنا دیا جائے گا اور اگر یہ بگڑا ہوا ہےتو یہ بگڑے ہوئے انسان کا جسم اس کے لئے جانوروں کا اصطبل ہے۔

تو ہمیں چاہئے! کہ ہم اللہ رب العزت سے اس کی مدد مانگیں اور ان اعمال کو اپنائیں تا کہ نیک بن کر زندگی گزارنے والوں میں ہم بھی شامل ہو جائیں۔

تصوف وسلوک کی محنت کا مقصد:

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان کو اپنی اصلاح کی فکر لگ جائے۔جس محنت سے بندے کو یہ غم لگ جائے ، یہ درد نصیب ہو جائے ، اس محنت کو آج کے زمانے میں تصوف کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

ہمارے مشائخ نے تصوف کے بارے میں مختلف الفاظ میں تعریفیں بیان کیں۔ جو یاد ہیں تو ان کو بیان کر دیتا ہوں، اب اتنا وقت تو نہیں کہ ان تمام کی تفصیل بتائیں، اپنے اپنے علاقوں میں علماء سے تفصیل پوچھ لینا جا کر۔چونکہ تصوف کی تعریف کرنے کے حقدار تو وہی ہیں جو اس پر عمل کرنے والے ہیں۔کیونکہ صَاحِبُ الْبَيْتِ اَدْرٰى بِمَا فِيْهَا گھر والا جانتا ہے گھر کے اندر کیا ہے؟

تصوف، اکابر کے اقوال کی روشنی میں:

تو ہمارے اکابر نے تصوف کی جو تعلیمات دیں وہ ذرا سنتے جایئے اور پھر جو علماء ہیں وہ تو ان کو سمجھ ہی لیں گے۔طلباء بھی ان کو سمجھ لیں، آسان عربی ہے اور جو ہمارے جیسے عوام الناس ہیں وہ اپنے گھروں میں جا کے علماء سے ان کو سمجھ لیں۔

☆ ...... چنانچہ امام ابورحیم رحمۃ اللہ علیہ نے حلیۃ الاولیاء میں فرمایا:

التصوف احوال القاهرةِ واخلاق الطاهرة

☆ ...... جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

الخروج عن كل خلق ظرى والدخول فى كل خلق ثنى

ہر برے خلق سے نکل جانا اور ہر اچھے خلق کو اختیار کر لینا، اس کا نام تصوف ہے۔

بعض نے فرمایا:

تفرد العبد بالصمد الفرد

کہ بندے کا ایک اللہ کے لیے اپنے آپ کو ہر چیز سے الگ کر لینا یعنی توکل اختیار کر لینا، اس کا نام تصوف ہے۔

☆ ...... بعض نے فرمایا:

طليق الدنياوالاعراض عن الهم

یعنی اللہ کی رضا کے لئے دنیا کو طلاق دے دینا، خواہشات دنیا کو طلاق دے دینا۔

☆ ...... بعض مشائخ نے تصوف کے بارے میں کہا:

السكون فى المصائب الى الحبيب

کہ اپنے محبوب کی طرف سے جو حالات آ جائیں ان میں پرسکون رہنا، اس کا نام تصوف ہے:

☆ ...... بعض نے کہا:

وقف الهم على المولى النعم يا ......فى جلال القرب يا موافقة الحق ومفارقة الخلق

حق کے ساتھ موافقت کرنا اور خلق کے ساتھ مفارقت کرنا، اس کو تصوف کہتے

ہیں۔

☆......بعض حضرات نے کہا:

عن مراتب الدنیا و العلو الی المکتبة العلیا

☆......بعض حضرات نے کہا:

الاعتصام بالحقائق فی اختلاف الطرائق

☆......بعض مشائخ نے کہا:

الاستقا مة علی المنحجل مستقیم

☆......بعض حضرات نے کہا:

حمل النفس علی الشدائد

☆......بعض حضرات نے کہا:

الاسلام الی مقلب القلوب

☆......بعض حضرات نے کہا:

رغبة الی ..فی درك المطلوب

☆......اور امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تصوف یہ ہے کہ بندے کی کیفیت ایسی ہو جائے

حتی اذا ضاقت علیهم الارض بمارحبت وظنوا ان لا ملجا من الله الا الیه

اس کو یہ محسوس ہو کہ اللہ کے سوا میرا کوئی ملجا اور ماوی نہیں،

اس کیفیت کو تصوف کہتے ہیں۔

اب بتائیے! یہ تصوف کا اختیار کرنا عین شریعت ہے یا نہیں۔ تو بعض ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں جو کسی کی نہیں مانتے، وہ اپنے آپ میں کہتے بھی ہیں کہ ہم نہیں کسی کی

مانتے۔ان کو جو بھی نام دیں آپ سمجھ گئے ہوں گے،وہ کہتے ہیں کہ ہم نہیں کسی کی مان کر چلتے،ہم اپنی مرضی کرنے والے لوگ ہیں۔تو وہ کہتے ہیں: کہ یہ شریعت میں نئی چیز ہے۔نئی چیز نہیں ہے،''شریعت پر استقامت کے ساتھ عمل کرنا''، اسی کا نام تصوف ہے،اور اسی سے انسان کو ولایت کا نور نصیب ہوتا ہے۔

نورِ ولایت کی نشانیاں

ولایت کے نور کی کچھ نشانیاں ہوتی ہیں۔کچھ نشانیاں تو وہ جو ظاہر میں نظر آتی ہیں،مثلاً: نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے پوچھا گیا کہ اولیاء کون ہوتے ہیں تو نبی ﷺ نے فرمایا:

اَلَّذِیْنَ اِذَا رُؤُوْا ذُکِرَ اللّٰہُ (وہ بندے کہ جن کو دیکھو تو اللہ یاد آئے)

یہ اولیاء کی نشانی ہوتی ہے۔

اور عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کی روایت ہے،فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

میرے بندے اور دوست وہ ہیں جو مجھے یاد کرنے کی وجہ سے یاد کیے جاتے ہیں اور ان کو میرے یاد کرنے کی وجہ سے یاد کیا جاتا ہے،وہ میرے دوست ہوتے ہیں۔

تاہم کچھ ان کی ظاہری نشانیاں بھی ہوتی ہیں جو علماء نے لکھی ہیں،وہ ظاہری نشانیاں ذرا سن لیجیے۔

پہلی نشانی:

تمام دن ذکر کیا کرتے ہیں،ہر وقت اللہ کی یاد میں رہتے ہیں۔حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ تشریف لے جا رہے تھے اور حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ ان

دنوں دورہ حدیث کر کے حضرت کی خدمت میں حاضر تھے، یہ بھی ایک خادم اور مرید ہونے کے ناطے ساتھ تھے، تو حضرت راستے میں ایک جگہ رک کے جیب سے کاغذ نکالا اس کے اوپر کچھ لکھا اور جیب میں ڈال لیا اور پھر فرمایا کہ محمد شفیع آپ سمجھے کہ یہ کیا ہوا؟ تو میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ ہی بتا دیجیے! تو فرمایا کہ راستے میں چلتے ہوئے ایک علمی نکتہ میرے دل پر وارد ہوا تھا، میں نے کاغذ پر لکھ کر محفوظ کر لیا تاکہ جب میں تصنیف کا کام کرنے بیٹھوں گا اس وقت اس پر غور خوض کروں گا تو کاغذ پر لکھ کر میں نے اس کو محفوظ کر لیا اور میں نے اپنے دل کو اللہ کی یاد کے لئے فارغ کر لیا۔ ہمارے اکابر اتنا اللہ کے لئے یاد کے لئے اپنے دلوں کو فارغ کرتے تھے۔

چنانچہ حضرت خواجہ مجذوب رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ چند دوستوں کے ہمراہ بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے لطیفے سنانے شروع کر دیے۔ کم و بیش ایک گھنٹہ خوب سب کو ہنسایا اور ہنسانے کے بعد اچانک فرمایا: اچھا بھئی! بتاؤ کہ تم میں سے کون ہے جو ایک گھنٹہ ہنسنے کے بعد بھی اپنے رب سے غافل نہیں ہوا؟ سب حیران رہ گئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی یاد کہاں سے آ گئی؟ پھر فرمایا کہ میری یہ حالت تھی کہ میں اگرچہ ایک گھنٹہ تمہیں ہنسنے والی باتیں سناتا رہا مگر میرا دل ایک لمحہ بھی اپنے رب سے غافل نہیں ہوا، ایسا دوام ذکر ہمیں بھی نصیب ہو جائے۔

دوسری نشانی:

اولیاء کی دوسری نشانی یہ ہے کہ یہ فتنوں سے پرہیز کرتے ہیں، بچتے ہیں، اپنے آپ کو فتنوں سے بچا کر رکھتے ہیں۔ لہٰذا کسی بندے کے ساتھ الجھتے نہیں ہیں۔

﴿ وَ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴾

جاہل اگر ان سے مخاطب ہوں تو سلام کر کے ایک طرف ہو جاتے ہیں، الجھتے نہیں ہیں، خواہ کوئی الجھانے کی کوشش بھی کرے۔

تیسری نشانی:

اللہ تعالیٰ ان کو قناعت عطا فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے خزانے ان کے لیے کھلے ہوتے ہیں مگر ان کی ذاتی زندگی کو دیکھو تو قناعت والی زندگی ہوتی ہے۔ ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ وقت کے سپہ سالار تھے اور اپنی روٹی پانی میں بھگو کر نوش فرما رہے ہیں۔

چوتھی نشانی:

علم پر عمل کرنے والے ہوتے ہیں، یاد رکھیں! عمل بغیر علم کے سقیم ہوتا ہے، بیمار ہوتا ہے اور علم بغیر عمل کے عقیم کہلاتا ہے۔ عقیم کہتے ہیں بانجھ کو۔ عمل بغیر علم کے سقیم کہلاتا ہے اور علم بغیر عمل کے عقیم کہلاتا ہے اور علم پر عمل صراط مستقیم کہلاتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے علم پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

پانچویں نشانی:

یہ لوگ مخلوق کے اوپر شفیق اور مہربان ہوتے ہیں۔

سارے جہان کا درد ہمارے جگر میں ہے

ایسے رحیم و کریم ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے دل میں ایسی رحمت اور معرفت عطا فرماتے ہیں، وہ ساری مخلوق پر شفیق اور مہربان ہوتے ہیں۔ اللہ اکبر کبیرا! چنانچہ اللہ کے بندوں پر بھی شفیق اور مہربان اور اللہ کی باقی مخلوق پر بھی شفیق اور مہربان۔

خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سمرقند کے رہنے والے تھے، ایک مرتبہ تہجد کی نماز پڑھی تو بہت سخت سردی تھی، ٹھٹھرتے ہوئے اپنے بستر کی طرف واپس آئے تو کیا دیکھا کہ ایک بلی ان کی رضائی میں گھس کر سوگئی تھی، تو انہوں نے بلی کو بستر سے نکالنا مناسب نہ

سمجھا، بستر کی بجائے مصلے کے اوپر ٹھٹھرتے ہوئے بیٹھ کر انہوں نے رات گزار دی او ربلی کے آرام کا خیال کیا۔ ان کے اس عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے مریدین میں ایک وہ ہستی عطا فرمائی کہ جس کو مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کہا گیا۔

حضرت خواجہ بہاؤ الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کو ایک کتا ملا جو زخمی تھا، انہوں نے اس کتے کے زخم پر پٹی باندھی اور روزانہ کچھ مزدوری کرتے اور جو ملتا وہ گھر والوں کو دیتے اور کچھ حصے سے اسکے لئے غذا لے جاتے۔ انہوں نے اٹھارہ یا بیس دن اس کتے کی خدمت کی، اس پر اللہ رب العزت نے ان کو یہ مقام عطا فرمایا کہ ان کو سلسلے کا امام بنا دیا۔ ان کے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ ایک کتے کی خدمت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنا بلند مقام عطا فرما دیا۔ تو اگر جانور کی خدمت پر یہ مقام عطا فرمایا تو ہم اگر انسانوں کی خدمت کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں کتنا بلند مقام عطا فرمائیں گے؟

چھٹی نشانی:

حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پورا کرنے میں ہر وقت فکر مند رہتے ہیں۔ حقوق اللہ کو بھی پورا کرتے ہیں اور حقوق العباد کو بھی پورا کرتے ہیں۔

چنانچہ حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: اگر کوئی آدمی مجھے کہے کہ میں پورے قرآن کا نچوڑ ایک فقرے میں بیان کر دوں تو میں اسکو بیان کر سکتا ہوں۔ کسی نے کہا کہ حضرت بتا دیجیے، تو فرمایا کہ پورے قرآن پاک کا نچوڑ ایک فقرے میں یوں ہے کہ "اللہ تعالیٰ کو عبادت سے راضی کرو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اطاعت سے راضی کرو اور مخلوق خدا کو خدمت سے راضی کرلو، یہ پورے قرآن پاک کا ایک فقرے میں نچوڑ ہے۔

ساتویں نشانی:

ان کی ساتویں نشانی یہ ہوتی ہے کہ وہ ظاہری طور پر متواضع بھی ہوتے ہیں اور پرسکون بھی ہوتے ہیں۔آپ ان کو آپ کبھی بے چین نہیں دیکھیں گے، متکبر نہیں دیکھیں گے،متواضع ہوتے ہیں اور پرسکون بھی ہوتے ہیں، ان کے اندر بے چینی نہیں ہوتی۔ یاد رکھیئے کہ جس کا خدا سے تعلق ہو جاتا ہے پھر اس کا بے چینی سے تعلق نہیں ہوتا اور ایسے بندے میں تواضع بھی ہوتی ہے۔ان کے دل جھکے ہوئے ہوتے ہیں آج لوگ جسم جھکاتے ہیں دل نہیں جھکے ہوتے۔اور جس کا دل دنیا میں اللہ کے سامنے نہ جھکا جب قیامت کے دن سجدے کا حکم ہوگا وھم سلمون ان کو قیامت کے دن سجدے کی توفیق نہیں ہوگی اس لئے کہ دنیا میں ان کا دل اللہ کے سامنے نہیں جھکا تھا۔

آٹھویں نشانی:

اور ان کی آٹھویں نشانی یہ کہ یہ مخلوق کی طرف اللہ کے سفیر ہوتے ہیں، یہ لوگ اللہ کے بندوں کی طرف اللہ کے سفیر ہوتے ہیں، اللہ کا پیغام پہنچانے والے ہوتے ہیں، یہ اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف لے جاتے ہیں۔

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل!

چنانچہ شاہ ایران اور رستم کی موجودگی میں ربیع بن عامر رضی اللہ عنہ نے اپنی آمد کا مقصد بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا تھا کہ ''اللہ نے ہمیں بھیجا ہے''، ذرا الفاظ پر غور کیجئے گا! ایک صحابی بیان کر رہے ہیں، کیسا فقرہ کہہ دیا! ارشاد فرمایا کہ اللہ نے ہمیں بھیجا ہے۔ ان کو یقین تھا کہ ہم اس دنیا میں اللہ کے بندوں کی طرف اللہ کے سفیر بن کر آئے ہیں۔تو فرمایا: ''اللہ نے ہمیں بھیجا ہے تا کہ جس کو وہ چاہے اس کو ہم بندوں کی بندگی

سے نکال کر اللہ کی بندگی میں داخل کر دیں''۔ عِبَادَةُ الْعِبَادْ سے نکال کر عِبَادَةُ رَبِّ الْعِبَاد میں داخل کر دیں۔ اور دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا کی وسعت میں پہنچائیں اور مذاہب وادیان کے ظلم و ستم سے نجات دلا کر اسلام کے عدل وانصاف کے سائے میں لائیں۔

نویں نشانی:

نویں نشانی یہ ہوتی ہے کہ ان میں توکل ہوتا ہے اور اپنے معاملات کو اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں۔ جس طرح بچہ اپنی پریشانی اپنی ماں کو یا باپ کو بتا کر پرسکون ہو جاتا ہے، اس طرح اللہ والے اپنے معاملات اپنے رب کے سامنے پیش کر کے پرسکون ہو جاتے ہیں۔

دسویں نشانی:

اور دسویں نشانی یہ کہ اللہ کی محبت میں ہی یہ زندہ رہتے ہیں اور اللہ کی محبت میں ہی دنیا سے رخصت ہوتے ہیں۔ جن کو اللہ کی محبت نصیب ہو جائے پھر وہ اللہ کی یاد میں، اللہ کے کام میں اپنا وقت گزارتے ہیں۔ آج تو ایک پارہ روزانہ پڑھنے کی توفیق نہیں ہوتی، قرآن مجید کے ساتھ وقت گزارنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ توجہ فرمایئے گا! کہ کیا یہ ہمارے قلب کی ظلمت کی دلیل تو نہیں؟ زیادہ وقت قرآن مجید کے ساتھ گزاریے۔ اور ویسے بھی اب تو رمضان المبارک آرہا ہے خوب قرآن مجید کے ساتھ اپنا وقت گزاریئے۔

ایک بات عرض کرتا ہوں، ذرا توجہ فرمایئے گا، ذرا سمجھنے کی کوشش کیجیے گا! نبی علیہ السلام کے ساتھ صدیق اکبرؓ کا تعلق تھا ایسا تعلق کہ وہ ''ثانی اثنین'' بن گئے تھے۔ یعنی دو میں سے دوسرے بن گئے تھے، اس لیے صدیق اکبرؓ کو نبی علیہ السلام کا ثانی

کہا جاتا تھا، وہ ہمارے سلسلہ کے امام ہیں اگر وہ صاحب قرآن یعنی نبی ﷺ کے عشقی بنے تھے تو ہمیں چاہیے کہ ہم قرآن کے عشقی بن جائیں۔ قرآن کے ساتھ اتنا وقت گزاریں کہ لوگ کہیں کہ یہ قرآن کا دوسرا ہے۔ تو جب ہم تلاوت قرآن اور ذکر کی کثرت کریں گے تو ہمیں اللہ رب العزت کی محبت والی زندگی نصیب ہو جائے گی۔

منصور حلاج اور فرعون میں فرق:

اچھا! طلباء کے لیے ایک اشکال اور اس کا پیارا جواب۔ فرعون نے کہا تھا کہ اَنَــا رَبُّــکُــمُ الْاَعْلٰی اور مردود بنا اور دوسری طرف منصور حلاج کی زبان سے بھی نکل گیا تھا کہ اَنَا الْحَقّ۔ مگر ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ وہ بڑے اولیاء میں سے تھے۔ کیونکہ ان کی زبان سے کسی کیفیت میں یہ الفاظ نکل گئے تھے، مگر تھے اللہ کے مقبول بندے۔ تو یہ کیا وجہ بنی؟ کہ ادھر سے بھی انا کا لفظ نکلا اور ادھر سے بھی انا کا لفظ نکلا، لیکن ایک مردود بنا اور ایک مقبول بنا، تو فرق کیا ہے؟ سمجھ میں نہیں آتا۔ ہمارے مشائخ نے بات کو کھولا، انہوں نے فرمایا: ایک مردود بنا کہ اس نے انــا کہا تھا اللہ کو مٹانے کے لیے اور دوسرا مقبول بنا کہ اس نے انــــا کہا تھا اپنے آپ کو مٹانے کے لئے۔ تو چونکہ اپنے آپ کو مٹانے کے لیے انــــا کہا تھا اسلیے اللہ کے ہاں مقبول ہو گیا۔

زندگی کی ترتیب سیدھی کریں:

ایک بات ذرا توجہ سے سنیے! ایک ٹرین میں دو تین دوست بیٹھے تھے اور سب کی ایسے ہی غافلانہ زندگی تھی، بالکل صاف ستھرے (کلین شیو) تھے، چہرے پر سنت کا نشان ہی نہیں تھا۔ ان کے پاس ایک مولانا صاحب تشریف لے آئے، چہرے پر

سنت ہے اوران کے ہاتھ میں انگریزی اخبار ہے اور انہوں نے انگریزی اخبار کو پڑھنا شروع کیا مگر اس کو الٹا پکڑا ہوا تھا۔اب جب تینوں نے دیکھا کہ مولانا صاحب انگریزی کا اخبار پڑھنا چاہتے ہیں مگر الٹا پکڑا ہوا ہے،تو وہ ہنسنے لگے، قہقہے لگانے لگے۔تو مولانا تھوڑی دیرتو سنتے رہے، پھرانہوں نے پوچھا کہ بھئی! خیریت تو ہے آپ لوگ کیوں اتنا ہنس رہے ہیں اورہنسی اڑا رہے ہیں؟ تو انہوں نے کہا مولانا! لگتا ہے کہ آپ کوانگریزی تو آتی نہیں اور آپ لوگوں کو دکھانے کے لیے انگریزی اخبار لے کر بیٹھ گئے ہیں اور آپ کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ آپ نے اخبار الٹا پکڑا ہوا ہے! تو مولانا نے کہا: اچھا! میں نے اخبار کو الٹا پکڑا ہوا ہے،تو وہ کہنے لگے کہ ہاں،آپ نے تو اخبار الٹا پکڑا ہوا ہے۔

مولانا صاحب نے کہا: دیکھو! میں نے آپ لوگوں کو سمجھانے کے لیے ایسا کیا، ویسے میں نے ایل ایل بی کیا ہوا ہے اور میں ایک وکیل ہوں، انگریزی بولتا ہوں اور انگریزی پڑھتا ہوں، مجھے پتہ ہے کہ انگریزی کا اخبار کیسے پڑھا جاتا ہے،مگر میں نے آپ لوگوں کی نصیحت کیلیے اخبار الٹا پکڑلیا۔مجھے الٹا اخبار پکڑے دیکھ کر آپ ہنسنے لگے کہ میں نے کیسے اخبار پکڑا ہوا ہے؟ دیکھیں! میں نے اخبار کا سرا الٹا پکڑا آپ مجھ پر ہنسنے لگے جب کہ عزیزو! آپ نے زندگی کی ترتیب کا سرا الٹا پکڑا ہوا ہے،زندگی کی ترتیب تو یہ ہونی چاہیے کہ انسان کی آخرت بن جائے اور آپ اسی دنیا میں مرضی پوری کرنے میں لگے ہوئے ہیں،تو آپ نے بھی تو زندگی کی ترتیب کا سرا الٹا پکڑا ہوا ہے،تو پھرآپ پر بھی تو ہنسنا چاہیے۔ میں نے تو چھوٹا سا نقصان کیا،اخبار الٹا پکڑا تم نے پوری زندگی کا الٹا سرا پکڑا ہوا ہے۔پھر تو جوانوں کو احساس ہوا کہ یہ تو بڑے پڑھے لکھے بندے تھے،انہوں نے ہمیں بات سمجھانے کے لیے ایسا کیا۔

اگرہم اپنے اوپر غور کریں تو آج ہم نے بھی زندگی کے الٹے سرے کو

پکڑا ہوا ہے۔ سیدھا سرا تو یہ کہ اس دنیا میں اللہ کی مرضی والی زندگی گزاریں اور الٹا سرا یہ کہ ہماری نفس کی خواہشات پوری ہو جائیں، ہم من مرضی کی زندگی گزار لیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہمارا حال بھی ٹرین کے ان تین مسافروں کی طرح ہو اور ہم نے بھی زندگی کی ترتیب کو الٹا پکڑا ہوا ہو۔ اگر الٹا پکڑا ہوا ہے تو آج کی اس محفل میں ہم سچی توبہ کر کے زندگی کی ترتیب کو ٹھیک کرنے کی کوشش کریں اور من چاہی زندگی کو چھوڑ کر رب چاہی زندگی گزارنے کی کوشش کریں اور اس کی نیت کر لیں۔

اجتماع کیلیے ہدایات

آپ اس اجتماع میں اپنا کچھ وقت لے کر آئے، اب آپ کو چاہیے کہ اس وقت کو قیمتی بنالیں۔ اس سلسلے میں کچھ باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

❁ ذکر و فکر میں وقت گزاریں:

ایک تو اپنا وقت ذکر و فکر میں گزاریے۔ غفلت میں، ایک دوسرے کے ساتھ حقیقت احوال گزارنے میں، کارگزاریاں سنانے میں وقت ضائع نہ کریں۔ پورا وقت ذکر و فکر میں گزارنے کی کوشش کریں، ایک لمحہ بھی دل اللہ سے غافل نہ ہو۔

❁ پرسکون نمازوں کی کوشش کریں:

دوسرا جتنا وقت یہاں لے کر آئے ہیں، اس میں تسلی کی نمازیں پڑھنے کی کوشش کریں، ہر نماز کے وقت میں یہ نیت کریں کہ اے اللہ! مجھے آپ نے یہاں پہنچا دیا، اب میں تسلی کی چند رکعت آپ کے سامنے پڑھتا ہوں۔ یہ جو بھاگی دوڑی کی نمازیں ہیں، یہ نہ پڑھنا۔ ہر نماز کے وقت، وقت سے پہلے وضو کر کے آئیں، نماز کی سنتیں پڑھیں، فرض ادا کریں اور باقی نوافل وغیرہ پرسکون انداز میں پڑھیں۔ دل میں یہ

نیت رکھیں کہ ہم نے یہاں پرسکون نمازیں پڑھنے کی کوشش کرنی ہے۔اسی طرح عورتیں بھی کوشش کریں، گھر میں تو بچوں کے مسئلے ہوتے ہیں، گھر کے مسئلے ہوتے ہیں تو انسان بھاگی دوڑی کی نماز پڑھتا ہے، نہیں! یہاں عورتیں بھی پرسکون نمازیں پڑھنے کی کوشش کریں اور مرد حضرات بھی پرسکون نمازیں پڑھیں۔وقت کی قید نہیں کہ مجھے ایک منٹ میں ختم کرنی ہے یا دو منٹ میں، آپ بے شک اپنی نماز میں پندرہ منٹ لگائیں یا آدھا گھنٹہ لگائیں۔

تہجد کی پابندی کریں:

دوسرا کام یہ کریں کہ تہجد کی پابندی کرنے کی کوشش کریں۔اگر گھر میں تہجد کی پابندی نصیب نہیں تو کم ازکم جو چند دن یہاں آئے ہیں، یہاں تو تہجد کی پابندی کرلیں۔شیطان یہ کوشش کرے گا کہ آپ عشاء کے بعد دیر تک جاگتے رہیں اور جب سوئیں گے ہی ایک بجے تو پھر تین بجے اٹھ کر تہجد کون پڑھے گا؟ الا ماشاء اللہ۔تو آپ ان دنوں میں یہ پابندی کیجیے سونے کے وقت میں سوئیں اور جاگنے کے وقت میں جاگیں، عشاء کے بعد جلدی سوئیں تو انشاء اللہ تہجد میں اٹھنے کی توفیق نصیب ہو جائے گی۔

سچی توبہ کریں:

اور ایک عمل یہ کریں کہ محفلوں میں جب دعائیں مانگی جائیں گی تو ان میں سچی توبہ کی نیت کر کے دعا مانگا کریں تا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے پچھلے گناہوں کو معاف کر دیں اور آئندہ پرہیز گاری، نیکو کاری کی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمادیں۔اگر ایک دوسرے سے بات کرنے کو جی چاہے تو حالات کی بات نہ کریں بلکہ جو بیانات ہوں ان کا ایک دوسرے کیساتھ مذاکرہ کرلیا کریں کہ بیان میں مجھے یہ بات یوں سمجھ

میں آئی، یہ بات ایسے یاد آئی، یہ مجھے اتنی اچھی لگی، میں نے اس پر عمل کرنا ہے۔ تو بیان کے مذاکرے کو اپنی گفتگو بنا لیجیے۔

ممنوعہ چیزیں:

چند چیزوں سے بچنے کی کوشش کریں:

کھانے کے وقت میں بدنظمی، ہلڑ بازی ہمیں قطعاً پسند نہیں ہے۔ آپ حضرات اگر یہاں طلب لے کر آئے ہیں، اصلاح کی نیت سے آئے ہیں تو کھانے کے پیچھے بدنظمی مت پھیلائیے، الحمدللہ! اتنا کھانا تیار کیا جاتا ہے کہ آپ جتنا چاہیں، پیٹ بھر کر کھائیں، کھانے کی کمی نہیں ہے، اللہ کے فضل سے اتنا انتظام ہے کہ ہر بندہ جی بھر کے، پیٹ بھر کر کھا سکتا ہے۔ ہلڑ بازی کیسی؟ تھوڑے وقت کی بات ہے، اگر جگہ کی تنگی کی وجہ سے سب ایک صف میں بیٹھ کر نہیں کھا سکتے تو آپ دوسری نشست میں کھا لیں، تو انتظار کر لیجیے، اپنے علاقے کے علماء کو ترجیح دیجیے، اپنے بھائیوں کو ترجیح دیجیے، ان کو پہلے کھانے کا موقع دے دیجیے اور بدنظمی سے پرہیز کیجیے۔ ہم نے اس اجتماع میں بالخصوص خلفاء حضرات کی خدمت میں گزارش کی ہے کہ وہ اپنے اپنے علاقے کے لوگوں کو کھانے پر بیٹھے دیکھیں اور اس بات کی تسلی کریں کہ ان میں سے کوئی بندہ ہلڑ بازی اور بدنظمی پھیلانے کا باعث نہ ہو۔

دوسرا: بیان کے وقت سونے سے پرہیز کریں یا بیان کے وقت آپ بازاروں میں دکانوں پر جانے سے پرہیز کریں۔ ہر کام اپنے وقت پر اچھا لگتا ہے۔ مسجد کے اعمال ختم ہو گئے، ریسٹ مل گیا، اس وقت میں آپ سوئیں یا اس وقت میں آپ بازار میں جائیں یا اس وقت میں آپ اپنے انفرادی اعمال میں مشغول ہو جائیں، اس کی آپ کو اجازت ہوگی مگر یہ نہیں ہوگا کہ ادھر بیان ہو رہا ہو اور اس وقت میں آپ بازار

میں بیٹھ کر بریانیاں کھا رہے ہوں۔ اپنے وقت پر کام کیجیے چونکہ آپ ایک مقصد دل میں لے کر آئے ہیں تو پھر آپ کو یقیناً اس محفل کے انوارات نصیب ہوں گے۔

اللہ کسی کی محنت کو رائیگاں نہیں کرتے:

اصول وضوابط کے ساتھ وقت گزاریں گے تو انشاء اللہ خالی نہیں لوٹیں گے۔ آج کی بھی کیفیت نوٹ کر لیجیے اور جب دعا کے بعد یہاں سے رخصت ہونے لگیں گے تو اس وقت کی کیفیت بھی دیکھ لیجیے آپ کا دل گواہی دے گا کہ گناہوں کا بوجھ یہاں چھوڑ کر! نیکیوں کا نور دل میں لے کر یہاں سے واپس جا رہے ہیں۔

اللہ رب العزت کسی کی محنت کو رائیگاں نہیں فرماتے بلکہ صاف فرما دیا

﴿ اِنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی ﴾

[مرد ہو یا عورت ہو میں کسی کے عمل کو ضائع نہیں کرتا]

قبولیت بڑی نعمت ہے:

تہجد میں چند ایک دعائیں ضرور مانگیں، ایک دعا تو یہ مانگیں کہ اے اللہ! ہمارے اعمال قبول کر لیجیے ہمارا آنا قبول کر لیجیے۔ یہ قبولیت بڑی نعمت ہے،

ایک بندے کا ایک حبشی نوکر تھا، اسے اس سے بڑی محبت تھی، اس لیے اس کا اصل نام تو عبید تھا لیکن اس نے اس کا نام یوسف رکھا ہوا تھا۔ اب بتائیں محبت ہے نا! غلام حبشی ہے، کالا اور نام اس نے اس کا رکھا ہوا ہے یوسف، اس پر کسی نے شعر بنایا:

قبولیت اسکو کہتے ہیں اور مقبول ایسے ہوتے ہیں
عبید سود کا لقب ہے یوسف ثانی

سود کالے کو کہتے ہیں، انہوں نے عبید سود کو یوسف ثانی کہا ہوا تھا۔ تو بھئی!

جب محبت ہو جائے تو پھر بندہ کالے کو ترجیح دیتا ہے، کہہ بھی دیتا ہے کہ "گوریاں نوں پراں کرو" تو اللہ رب العزت بھی اگر ہمیں قبول فرمالیں تو ہمارا کالا پن جو ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہے، پھر انشاء اللہ وہ بھی ڈھل جائے گا اور اللہ کی نظر میں ہم بھی یوسف بن جائیں گے۔ اگرچہ اپنے عملوں کی وجہ سے تو سود ہیں، اندر بھی سیاہی ہے اور چہروں پر بھی دیکھنے میں اعمال کی سیاہی نظر آتی ہے، لیکن اگر اللہ تعالیٰ قبول کرلیں تو یقیناً یہ سیاہی ڈھل جائے گی اور اللہ کی نظر میں ہم یوسف بن جائیں گے۔

قبولیت کے لیے دعا مانگیں:

قبولیت مانگیں، دعا یہ مانگیں کہ اے اللہ! ہمیں ایسا بنا دے کہ ہم آپ کو پسند آجائیں۔ اللہ اکبر۔ جب تہجد میں یہ دعائیں رو رو کر مانگیں گے تو پھر دیکھئے کہ اللہ رب العزت کی رحمت کیسے ڈھانپے گی۔

میں نور کے تڑکے میں جس وقت اٹھا سو کر
اللہ کی رحمت کے دروازے کھلے پائے
عاصی کی صدا پہ جو مانگنے والا ہو
ہاتھ اپنی حقیقت کے، آگے میرے پھیلائے
جو رزق کا طالب ہو، میں رزق اسے دوں گا
جو طالب جنت ہو، جنت کی طلب لائے
جس جس کو گناہوں سے، بخشش کی تمنا ہو
وہ اپنے گناہوں کی کثرت سے نہ گھبرائے
وہ مائل توبہ ہو، میں مائل بخشش ہوں
میں رحم سے بخشوں گا، وہ شرم سے پچھتائے

یہ سن کر ہوئے جاری، آنکھوں سے میرے آنسو
قسمت ہے محبت میں رونا جسے آجائے
آقائے گدا پرور، سائل ہوں تیرے در کا
میں اور تو کیا مانگوں، تو ہی مجھے مل جائے

کاش! کہ ان دنوں میں ہم اللہ سے ایسے دعائیں مانگیں کہ اللہ رب العزت ہمیں قبول فرمالیں اور اپنا تعلق نصیب فرمادیں۔ چنانچہ دل میں یہ نیت کر لیجیے کہ اے اللہ! ہم یہاں پر اسلیے حاضر ہوئے ہیں کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری اصلاح ہوجائے، ہم نیک نہ بن سکے، اللہ! تیرے نیک بندوں کی مجلس میں آئے ہیں تا کہ تو ہمیں بھی نیکوں میں شامل فرمادے۔ قرآن مجید کی آیت ہماری اس نیت کو یوں بیان کرتی ہے صحابہ کرام کے بارے میں فرمایا کہ وہ دعائیں کرتے تھے،

وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ (مائدہ: ۸۳)

ہم بھی دلوں میں یہ نیت کرلیں پروردگار عالم! ہم حاضر تو یہاں چل کر ہو گئے مگر دل کی تمنا یہ ہے،

وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ

اللہ نیک بن تو نہیں سکے مگر تیرے نیک بندوں کے مجمع میں آ کر بیٹھ گئے ہیں، دل میں یہ تمنا رکھتے ہوئے کہ اللہ! ہمیں بھی آپ نیکوں میں شامل فرمالیجیے۔ ہم جینا بھی انہی میں چاہتے ہیں، مرنا بھی انہی میں چاہتے ہیں اور قیامت کے دن کھڑا ہونا بھی انہی میں چاہتے ہیں۔ پروردگار ہماری اس دعا کو قبول فرمالیجئے اور نیکوں میں ہمارا شمار فرمالیجیے۔

اُحِبُّ الصّٰلِحِيْنَ وَ لَسْتُ مِنْهُمْ
لَعَلَّ اللّٰهَ يَرْزُقُنِيْ صَلَاحًا

امید ہے کہ اللہ رب العزت ہماری اس حاضری کو قبول فرما کر یقیناً ہمیں نیکوں میں شامل فرمالیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اصلاح فرمائیں گے۔

وآخِر دعوٰنا ان الحمدللہ رب العٰلمین ۔

﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ﴾ (النحل: ۹۷)

اعمالِ صالح اور یقینِ کامل کے ثمرات

حضرت اقدس کا یہ بیان 25 اکتوبر 2007ء کو جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ میں تیرہویں سالانہ اجتماع کے موقع پر بعد از نماز مغرب ہوا۔

اقتباس

اعمال کے اندر طاقت اور اثرات ہیں، یہ خدائی وعدہ ہے، جیسے مادی چیزوں کے اثرات ہوتے ہیں۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ بجلی کا جھٹکا لگنے سے بندے کو موت آتی ہے، لہٰذا کوئی آدمی بجلی کی ننگی تار کو ہاتھ نہیں لگاتا۔ زہر کھا لینے سے انسان کی موت واقع ہوتی ہے، ہر بندہ زہریلی چیز سے دور رہتا ہے۔ اسی طرح اگر یقین ہو جائے کہ نیک اعمال کرنے پر اللہ کی طرف سے خیر ملے گی اور گناہوں کے کرنے سے اللہ کی طرف سے عذاب ہوگا تو پھر کوئی بھی انسان گناہ کی طرف قدم نہ بڑھائے، بلکہ اپنی پوری زندگی نیکی کے اوپر خرچ کرے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

اعمالِ صالح اور یقینِ کامل کے ثمرات

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o
مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً
وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ o
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا يَصِفُوْنَ o وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّم

ہر انسان کی خواہش:

اللہ رب العزت قرآن عظیم الشان میں ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى جو کوئی بھی نیک اعمال کرے، مرد ہو یا عورت ہو، وَهُوَ مُؤْمِنٌ اور وہ ایمان والا ہو فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ہم ضرور بالضرور اس کو پاکیزہ زندگی عطا کریں گے۔ اس آیت مبارکہ میں ایمان اور نیک اعمال کے ساتھ پاکیزہ زندگی ملنے کی خوشخبری مل رہی ہے۔ دنیا کا ہر انسان چاہتا ہے کہ مجھے پاکیزہ زندگی ملے۔ یہ آیت مبارکہ اس راز سے پردہ اٹھا رہی ہے کہ اے کلمہ پڑھنے والو! اگر تم نیک اعمال کو اپنالو، زندگی کو نیکی پر لے آؤ، تو اس کے بدلے میں اللہ رب العزت تمہیں پاکیزہ زندگی عطا کریں گے۔

اعمال کے اثرات

اللہ رب العزت نے اعمال کے اندر طاقت رکھی ہے۔ اعمال کے اندر اثرات رکھے ہیں۔ ہر عمل کے کچھ نتائج اور ثمرات ہوتے ہیں جو انسان کو ملتے ہیں۔

نماز اور فلاح:

چنانچہ جو انسان اچھے طریقے سے نماز پڑھے، اس کے لیے کامیابی کا وعدہ ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُومِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِی صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ﴾

[تحقیق فلاح پا گئے وہ ایمان والے جو خشوع و خضوع کے ساتھ نماز کو ادا کرتے ہیں]

فلاح کہتے ہیں ایسی کامیابی کو جس کے بعد ناکامی نہ ہو۔ اللہ رب العزت کے ہاں ایسی عزت کہ جس کے بعد ذلت نہ ہو۔ اور یہ اچھی نماز پڑھنے پر اللہ رب العزت بندے کو عطا فرما دیتے ہیں۔

ذکر اور اطمینانِ قلب:

ذکر کرنے پر اللہ کی طرف سے اطمینان قلب ملنے کا وعدہ ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب ﴾

جان لو! اللہ کی یاد کے ساتھ دلوں کا اطمینان وابستہ ہے۔

نہ دنیا سے، نہ دولت سے، نہ گھر آباد کرنے سے
تسلی دل کو ہوتی ہے خدا کو یاد کرنے سے

تو اللہ کی یاد سے انسان کے دل کو اطمینان ملتا ہے، سکون ملتا ہے، یہ اللہ رب العزت نے وعدہ فرمایا ہے۔

روزہ اور تقویٰ:

روزہ رکھنے پر انسان کو تقویٰ نصیب ہوتا ہے اور تقویٰ ملنے پر اللہ کی طرف سے بندے کے لیے برکتوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ چنانچہ روزے کو فرض کرنے کا جو مقصد بتایا گیا وہ ہے تقویٰ ہے، فرمایا:

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ [تاکہ تم متقی ہو جاؤ]

اور اس تقویٰ کے بارے میں اللہ فرماتے ہیں:

﴿لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ﴾

[اگر یہ بستیوں دیسوں والے ایمان لے آتے اور تقویٰ کو اختیار کرتے تو ہم آسمان اور زمین سے ان کے لئے برکتوں کے دروازوں کو کھول دیتے]

ہر بندے کے دل کی تمنا ہے کہ برکتیں نصیب ہوں، میری صحت میں برکت، وقت میں برکت، رزق میں برکت، اولاد میں برکت، دین میں برکت، میرے کاموں میں برکت تو ہم ہر چیز میں اللہ کی طرف سے برکتیں چاہتے ہیں۔ اگر تقوی بھری زندگی اختیار کریں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہم تمھارے اوپر برکتوں کے دروازوں کو کھول دیں گے۔

حج اور مغفرت:

حج کرنے پر انسان کے لئے مغفرت اور وسعت رزق کے وعدے۔ چنانچہ حدیث پاک میں نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

بین الحج و العمرة فانهما ینفعان فقره و الذنوب

تم حج اور عمرہ بار بار کرو اس لئے کہ بار بار حج اور عمرہ کرنے سے اللہ تعالیٰ بندے کو تنگدستی اور گناہوں سے نجات عطا فرما دیتے ہیں۔ تو مغفرت بھی ملی اور رزق بھی بندے کا بڑھ گیا۔

اعمال کی طاقت کا یقین:

اعمال کے اندر طاقت اور اثرات ہیں، یہ خدائی وعدہ ہے، جیسے مادی چیزوں کے اثرات ہوتے ہیں۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ بجلی کا جھٹکا لگنے سے بندے کو موت آتی ہے، لہٰذا کوئی آدمی بجلی کی ننگی تار کو ہاتھ نہیں لگاتا۔ زہر کھا لینے سے انسان کی موت واقع ہوتی ہے، ہر بندہ زہریلی چیز سے دور رہتا ہے۔ اسی طرح اگر یقین ہو جائے کہ نیک اعمال کرنے پر اللہ کی طرف سے خیر ملے گی اور گناہوں کے کرنے سے اللہ کی طرف سے عذاب ہوگا تو پھر کوئی بھی انسان گناہ کی طرف قدم نہ بڑھائے بلکہ اپنی پوری زندگی نیکی کے اوپر خرچ کرے۔

اعمال بنانے اور بگاڑنے کا نتیجہ:

دو بندے ایک کام کرتے ہیں۔ ایک کا عمل بنا ہوا، فلاح مل گئی۔ دوسرے کا عمل بگڑا ہوا، اس کو اللہ کی طرف سے سزا مل گئی۔ ذرا غور فرمائیے کہ اچھی نماز پڑھنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فلاح کا وعدہ ہے، فرمایا:

﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ٥ الَّذِيْنَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ﴾

[فلاح پا گئے وہ مومن جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں]

چنانچہ جس کو فلاح نصیب ہوگئی وہ جنت میں جائے گا اور اسی نماز کو بگاڑنے سے جہنم میں جانے کا معاملہ۔

﴿ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ○ ﴾

(ماعون: ۱،۲)

[تباہی ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نمازوں میں سستی کرتے ہیں]

ایک ہی نماز ہے بنانے والے کو جنت مل گئی ،غفلت کرنے والے اور اس عمل کو بگاڑنے والے کے لئے اللہ نے جہنم کی بات کر دی۔

چنانچہ اچھا قرآن انسان کے لئے سلامتی کا سبب۔ جو انسان حافظ قرآن ہے، قیامت کے دن کہا جائے گا کہ

اِقْرَاءِ...... وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا

قرآن پڑھ! اور جنت کا درجہ چڑھ! ٹھہر ٹھہر کے پڑھ جیسے دنیا میں ٹھہر ٹھہر کے پڑھتا تھا۔ اب یہ جنت میں گیا قرآن کی وجہ سے، اور جنت میں اس کو ملائکہ بھی سلام دے رہے ہیں اور جنتی بھی سلام دے رہے ہیں، ایک دوسرے کے اوپر سلامتی۔ اور اگر اسی قرآن کی خلاف ورزی کر کے قرآن کو پڑھا تو حدیث میں آتا ہے

رُبَّ قَارِئٌ قَرَءَ الْقُرْآنَ وَالْقُرْآنُ يَلْعَنُهٗ

[کتنے قرآن پڑھنے والے ایسے ہوتے ہیں کہ قرآن پڑھ رہے ہوتے ہیں اور قرآن اس کے اوپر لعنت کر رہا ہوتا ہے]

تو ایک ہی عمل ہے، اگر اس کو بنا لیا تو رضا مل رہی ہے، اور اگر بگاڑ لیا تو انسان کو اللہ کی طرف سے سزا مل گئی۔ تو جب انسان نے اعمال کرنے ہی ہیں تو کیوں نہ سنوار کر کرے؟ ان کو بہتر کرنے کی کوشش کرے۔

رجوع الی اللہ کا نتیجہ:

چنانچہ آپ ذرا غور کیجئے کہ سیدنا سلیمان علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے اس دنیا

میں ایسی بادشاہت دی کہ نہ پہلے کسی کو ملی نہ بعد میں۔ انسانوں کے بادشاہ، جنوں کے بادشاہ، پرندوں کے بادشاہ، ہوا کے بادشاہ، خشکی، تری کی ہر مخلوق کے بادشاہ، ان کا حکم ہر ایک کے اوپر چلتا تھا: ایسی اللہ رب العزت نے انہیں بادشاہی اور سلطنت عطا فرمائی! لیکن اس کے بعد فرمایا کہ ان کو اللہ رب العزت کی طرف سے جو قرب ملا، قبولیت ملی، وہ ان کو ان کے اعمال کی وجہ سے ملی۔ فرماتے ہیں نِعْمَ الْعَبْدُ میرا کتنا اچھا بندہ تھا! اِنَّهٗ اَوَّاب [وہ میری طرف رجوع کرنے والا تھا] نعم العبد کا جو تاج ان کے سر پر سجایا اس کی بنیاد ''اللہ کی طرف رجوع'' فرمایا۔

دوسری طرف دیکھیے! حضرت ایوب علیہ السلام کے اوپر امتحان آ گیا، ساری جائیداد چلی گئی، باغات چلے گئے، بیوی بھی فوت ہوگئی، بچے بھی مر گئے اور خود بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ اتنی آزمائشیں! لیکن ان سب کے باوجود، اللہ رب العزت کا قرب ملا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا (ہم نے انہیں صبر کرنے والا پایا) کیا شاہانہ کلام ہے،

﴿ اِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوَّابٌ ﴾

تو معلوم ہوا کہ دنیا کی بادشاہت ہے پھر بھی رجوع الی اللہ کی وجہ سے قرب مل رہا ہے۔ اور ظاہری طور پر فقر و فاقہ، تنگدستی ہے لیکن اَوَّاب ہونے کی وجہ سے نعم العبد کا خطاب مل رہا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ قرب ملتا ہے اَوَّاب ہونے کی وجہ سے، اس میں دنیا کی مال و دولت کا کوئی دخل نہیں۔ ایک انسان جھونپڑی میں بیٹھ کر بھی اللہ کا ولی بن سکتا ہے اور ایک انسان فوم کے گدوں کے اوپر بیٹھ کر بھی اللہ کا ولی بن سکتا ہے۔

اعمال بنانے پر دو خوشخبریاں:

دنیا ایک ظاہری اور مادی چیز ہے، اس راستے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

چنانچہ اعمال بنانے والے کو دو نعمتیں، دو خوشخبریاں ملیں۔ پہلی خوشخبری، فرمایا:

﴿ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيٰوةً طَيِّبَةً ﴾

[پاکیزہ زندگی عطا فرمائیں گے]

دوسری خوشخبری فرمایا:

﴿ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾

[ہم ان کے اعمال کا بدلہ انہیں بہت اچھا دیں گے]

اس عمل پر دوہرا انعام ملے گا، دنیا میں پاکیزہ زندگی اور آخرت میں بڑا اجر۔ اور جتنا اجر اتنے ان کے درجات:

وَ لِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا

چنانچہ دنیا میں پاکیزہ زندگی ملی اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے قرب کے درجات مل گئے۔

اعمال بگاڑنے پر دو عذاب

اور اعمال بگاڑنے والے پر دنیا میں دو عذاب ہوتے ہیں۔

پہلا عذاب:

فرمایا:

﴿ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا ﴾ (طه: ۱۲۴)

جو میرے قرآن سے رخ پھیرے ہم اس کی معیشت کو تنگ کر دیتے ہیں۔ تنگ کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی بکری تھوڑی ہوتی ہے، پیسے نہیں ہوتے ہا اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بے سکون رزق دیتے ہیں مَعِيْشَةً ضَنْكًا ایسا رزق ملتا ہے کہ اس کے سر پر ٹینشن (بے چینی) ہوتی ہے۔

چنانچہ آپ دیکھیں بڑے بڑے انڈسٹریوں والے راتوں کو سو نہیں سکتے۔ او جی! کمپنی کا شیئر کھلنا ہے، پتہ نہیں کتنا کھلتا ہے؟ ٹینشن، ہر وقت کی پریشانی۔ او جی! ہم نے کنٹینر بھیجا تھا اور وہ رک گیا ہے، بڑے پریشان ہیں۔ ہم نے ایک ڈیل کرنی تھی، موقع پر نہ ہو سکی، بڑی پریشانی ہے۔ تو کروڑوں میں کھیلنے والے بھی پریشان۔ مَعِیْشَةً ضَنْكًا کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس کے رزق کو ایسے تنگ کریں گے کہ وہ بے سکون ہی رہے گا۔ رزق کی طرف سے پریشان ہی رہے گا۔ کبھی ادھر کوئی پیسے دبا کر بیٹھ گیا، کبھی کوئی دھوکے سے پیسے لے کر چلا گیا، پریشان ہی رہے گا۔ ذہنی طور پر یہ لوگ ہر وقت Occopied ہی رہتے ہیں یہ لوگ۔ نماز میں بھی اسی مال کا خیال رہتا ہے، سکون ہی نہیں ہوتا۔ اللہ ایسی مصروفیت اللہ دے دیتے ہیں کہ اپنے گھر والوں کے ساتھ سکھ کے دو لمحے گزارنے کا موقع نہیں ملتا۔ مَعِیْشَةً ضَنْكًا فرمایا: ہم اس کی معیشت کو تنگ کر دیتے ہیں، بے سکون روزی دیتے ہیں۔

دوسرا عذاب:

دوسرا عذاب یہ ملتا ہے۔

﴿ وَ نَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَعْمٰی ﴾

[اور قیامت کے دن ہم اس کو اندھا کھڑا کریں گے]

یا اللہ! یہ کیسی سزا ہے؟ فرمایا کہ شریعت کا اصول ہے جزاء من جنس العمل جیسا عمل ویسا بدلہ، جیسی کرنی ویسی بھرنی، فرمایا: دنیا میں اس نے میری تعلیمات سے، احکام سے اپنی آنکھوں کو بند کر لیا، اپنا رخ پھیر لیا، یہ اندھا بنا رہا، جب دنیا میں اس نے اندھے پن کا مظاہرہ کیا، ہم قیامت کے دن اس کو اپنے سامنے اندھا کھڑا کریں گے۔ اب بتایئے! اعمال بنانے پر کس قدر اچھائیاں مل رہی ہیں اور اعمال بگاڑنے پر بندے کو کس قدر نقصان نصیب ہو رہا ہے؟

اپنی ذات پر محنت کی ضرورت:

لہٰذا جو شخص چاہے کہ میں اپنی ذات کو قیمتی بناؤں، اس کو چاہیے کہ وہ اپنے اوپر محنت کرے۔ دستور یہ ہے کہ جس چیز پر محنت ہوتی ہے، وہ چیز قیمتی بن جاتی ہے۔ لکڑی پر محنت کر دی، لکڑی فرنیچر بن کر کس قدر مہنگی بکتی ہے! انسان نے پتھر پر محنت کی، پتھر پالش ہو کر نکلتا ہے تو اعلیٰ ریٹ پر نکلتا ہے۔ لوہے پر محنت کی، لوہا ہوا میں اڑتا پھرتا ہے اور جہاز کی دیکھو کتنی قیمت ہے؟ حتیٰ کہ سلیکون، ریت کو کہتے ہیں، اس ریت پر بندے نے محنت کی اور سلیکون، سے اس نے سرکٹ بنائے، سرکٹ اتنے مہنگے کہ اگر اس کے ہم وزن سونا تولا جائے تو سونے سے تین گنا زیادہ ان کے اوپر قیمت لگ رہی ہے۔ تو انسان کی محنت اگر ریت پر لگی تو ریت سونے سے تین گنا قیمتی بن گئی۔ اے بندے! اگر تو اپنی محنت اپنی ذات پر لگائے گا تو کیا اللہ کی نظر میں تو قیمتی نہیں بن جائے گا؟ اگر لوہا پرواز کر سکتا ہے تو کیا انسان روحانی طور پر پرواز نہیں کر سکتا؟ تو محنت کا رخ اپنی ذات کو بنا لیجئے۔

دوسروں کے بارے میں حسن ظن، اپنے بارے میں فکرمند:

ایک سنہری اصول: انسان اپنے بارے میں فکر مند رہے اور دوسروں کے بارے میں حسنِ ظن رکھے۔ آج ہم الٹ کرتے ہیں، دوسروں کی فکر ہوتی ہے: اس میں یہ ہے، اس میں یہ ہے۔ اور اپنے بارے میں بڑا حسنِ ظن ہوتا ہے کہ ہم تو قیامت کے دن بڑے آرام وسکون میں ہوں گے۔ چنانچہ عام آدمی قیامت کے دن کے بارے میں سوچتا ہے کہ قیامت کا دن ہوگا، لوگ کھڑے ہوں گے، حساب ہو رہا ہوگا، بڑا میزان ہوگا، جس پر نیکیاں، گناہ تُل رہے ہوں گے۔ کچھ لوگ جنت میں جا رہے ہوں گے اور دوسرے کچھ لوگ جہنم میں جا رہے ہوں گے اور میں! دیوار پہ بیٹھا تماشہ

دیکھ رہا ہوں گا۔ اپنے بارے میں بندہ یہ سوچتا ہے۔ یہ نہیں سوچتا کہ یا تو میں جنت والوں میں سے ہوں گا یا میں بھی جہنم جانے والوں میں سے ہوں گا۔

قیامت کے دن کو اللہ رب العزت 'یوم التغابن' کہتے ہیں۔

﴿ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذَالِكَ يَوْمُ التَّغَابُنْ ﴾ (تغابن: ۹)

اے انسان تیرے لئے وہ ہار جیت کا دن ہوگا۔ یا تو زندگی کی بازی جیت جائے گا، یا پھر زندگی کی بازی ہار جائے گا۔ اگر ایسا دن ہے تو کیا ہم اس طرح سوچتے ہیں؟

اصول یہ ہے کہ اپنے بارے میں فکرمند رہے اور دوسروں کے بارے میں حسنِ ظن رکھے۔ اگر حسنِ ظن آ گیا اور اپنے بارے میں فکر لگ گئی تو یہ انسان کامیاب ہو گیا۔

نیکوں اور بروں کے حالات میں فرق:

چنانچہ اس دنیا میں ظاہری طور پر نیکوں پر بھی حالات آ جاتے ہیں، بُروں پر بھی حالات آ جاتے ہیں۔ ظاہر میں وہ ایک جیسے نظر آتے ہیں مگر حقیقت میں ان میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ جیسے، نیک بندہ اور برا بندہ، ظاہر میں تو ایک جیسے نظر آتے ہیں، جسمانی طور پر تو فرق نہیں ہوتا مگر باطن میں فرق ہوتا ہے، حقیقت میں فرق ہوتا ہے۔ ایک ایمان سے خالی، دوسرا ایمان سے بھرا ہوا دل رکھتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی پتلا سا بانس ہو، تو دیکھنے میں گنے کے بالکل مشابہ نظر آتا ہے، ظاہر میں فرق نظر نہیں آتا۔ لیکن بانس اندر سے بالکل خشک ہوتا ہے اور گنا اندر سے سارے کا سارا میٹھے رس کے ساتھ بھرا ہوا ہوتا ہے۔ تو ظاہر میں ایک مگر حقیقت میں مختلف۔

اسی طرح حالات عام بندے پر بھی آتے ہیں اور آزمائش کے حالات مومن پر بھی آتے ہیں۔ ظاہر ایک ہوتا ہے، لیکن حقیقت میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ ذرا توجہ سے

یہ نکتہ سمجھ لیں کہ فرمانبرداروں پر بھی حالات آتے ہیں اور نافرمانوں پر بھی آجاتے ہیں، مگر دونوں میں فرق کہاں ہوتا ہے؟ سمجھنے کی کوشش فرمایئے گا!!

پہلا فرق:

پہلا فرق یہ ہے کہ نافرمانوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں شروع میں آتی ہیں۔ پھر وہ ان نعمتوں کی ناقدری کرتے ہیں اور ناقدری کرنے پر اللہ ان کی پکڑ فرماتے ہیں، جبکہ فرمانبرداروں کے ساتھ اللہ کی مدد آخر میں آتی ہے۔

﴿ حَتّٰى اِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا ﴾ (یوسف:۱۱۱)

(حتی کہ جب رسول بھی مایوس ہو گئے اور گمان کر بیٹھے کہ وہ جھٹلا دیے گئے)

انہوں نے یہ جان لیا کہ شاید ان کی دعوت کو ٹھکرا دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جَآئَهُمْ نَصْرُنَا ان کے اوپر ہماری مدد آ گئی۔ تو نافرمانوں کو اللہ پاک ابتدا میں نعمتیں دیتے ہیں اور آخر میں ان کی پکڑ فرماتے ہیں، ان کی گت بناتے ہیں اور فرمانبرداروں سے شروع میں مجاہدہ کروا لیتے ہیں اور آخیر پر جا کر اپنی مدد اور انعامات ان کے شامل حال فرما دیتے ہیں۔

دوسرا فرق:

مصیبت نیکوں پر بھی آتی ہے اور بروں پر بھی، مگر نافرمان پر مصیبت ایسے ہوتی ہے جیسے کسی نے پیٹ میں چھرا گھونپ دیا اور بلڈ کے زیادہ نکلنے سے یہ صاحب فوت ہی ہو گئے۔ چھری تو اس کو لگی، خون بھی نکلا، مگر نتیجہ اس کی موت کے ساتھ نکلا۔ اور فرمانبرداروں پر بھی مصیبت آئی، مگر اس کی مثال ایسے کہ جیسے جسم میں پھوڑا تھا ڈاکٹر نے آپریشن کے لئے چھری چلائی۔ چھری یہاں بھی چل رہی ہے، خون یہاں بھی نکل رہا ہے، لیکن آپریشن کا انجام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بیماری سے اس کو صحت عطا فرما دی۔

ظاہر ایک جیسا مگر انجام میں فرق ہوتا ہے۔

نافرمان کو رزق ملتا ہے تو ایسے، جیسے چوہے کو پکڑنے کے لئے کوئی پراٹھے کا ٹکرا پنجرے میں لٹکا دیتا ہے، اب وہ بڑا خوش پھر رہا ہے کہ کھانے کو پراٹھا مل گیا مگر وہ یہ تو نہیں جانتا کہ اسی پراٹھے کے کھانے میں میری گردن پکڑی جائے گی اور مجھے جان سے ہی مار دیا جائے گا۔ نافرمان کو پراٹھا ملا، مگر پراٹھے کا ٹکرا اس کے لئے موت کا سبب بنا اور فرمانبرداروں کو بھی اللہ تعالیٰ نعمتیں دیتے ہیں، مگر ایسے، جیسے کوئی بولنے والے طوطے کو چوری کھلاتا ہے۔ یہ جو بولنے والے طوطے ہوتے ہیں نا! کبھی سلام کرتے ہیں، کبھی اللہ کا لفظ بولتے ہیں لوگ ان کو بڑے شوق سے پالتے ہیں، ان کی بڑی خدمت کرتے ہیں اور میاں مٹھو کو چوری کھلاتے ہیں، مگر یہ جو چوری ہے یہ نعمت کے طور پر مل رہی ہے۔ اور روٹی اس کے لئے موت کا پیغام بن کر آرہی ہے ظاہر دونوں کا ایک ہے، مگر ایک کے لئے موت کا سبب ہے اور دوسرے کے لئے زندگی اور صحت کا سبب ہے۔

فتح ابواب اور فتح برکات:

طلباء کے لئے نکتے کی بات ہے۔ نافرمانوں پر اللہ رب العزت جو نعمتیں بھیجتے ہیں اس کا نام اللہ رب العزت نے ''فتح ابواب'' رکھا۔ دروازے کھول دیتے ہیں۔ فرمایا:

﴿ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ﴾

(انعام: ۴۴)

[جب بھول گئے جوان کو نصیحت کی تھی ہر چیز کے دروازے ہم نے کھول دیئے]

تاکہ یہ نعمتیں پائیں، عیاشی کریں اور اچھی طرح ہماری پکڑ میں آئیں۔ فرماتے ہیں جب وہ خوب ہم سے غافل ہو گئے:

﴿ اَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً ﴾

(ہم نے اچانک ان کو اپنی پکڑ میں لے لیا)

یہ فتح ابواب تھی۔

اور فرمانبرداروں کے لئے فرمایا کہ جو نیکی اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔

﴿ لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ﴾ (الاعراف:۹۶)

[البتہ ہم نے کھول دیں ان کے اوپر برکات آسمان اور زمین سے]

تو ان کے لئے فتح برکات ہوتی ہے۔

آزمائش......مؤمن اور فاسق دونوں پر:

دیکھئے! ایمان والوں کو بھی تکالیف آتی ہیں، مگر اللہ نے ان کو آزمائش کہا: ''ہم آزماتے ہیں، ٹیسٹ لیتے ہیں''۔ ہم دو روپے کا اگر گھڑا لیں نا! تو ٹھونک کر دیکھتے ہیں، کچا ہے یا پکا۔ تو اللہ رب العزت نے بھی جنت کے بدلے بندے کو قبول کرنا ہوتا ہے، وہ بھی آزماتے ہیں کہ کچا ہے یا پکا۔ مگر یہ آزمائش مومن پر اور طرح سے آتی ہے اور فاسق و فاجر پر اور طرح سے آتی ہے۔ جب فاسق پر آتی ہے تو اللہ کا عذاب بن کر آتی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے ان نافرمانوں پر اپنے عذاب کا کوڑا پھینکا۔ کیسا تھا؟ ارشاد فرمایا:

﴿ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴾ (السجدہ:۲۱)

[ہم بڑے عذاب سے پہلے چھوٹا عذاب ان کی طرف بھیجیں گے، ممکن ہے یہ واپس لوٹ آئیں]

تو نافرمانوں پر جو مشقتیں آئیں اللہ نے اس کے لئے عذاب کا لفظ استعمال کیا اور ایمان والوں کے لئے اللہ رب العزت نے فرمایا کہ ہم انہیں آزمائیں گے۔

فرمایا:

﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرَاتِ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ (البقرۃ:۱۵۵)

[اور ہم تمہیں کچھ خوف، بھوک، اور مالوں، جانوں اور پھلوں کے نقصان سے ضرور آزمائیں گے اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دو]

کبھی جان میں کمی، کبھی مال میں کمی۔ فرمایا کہ ان تمام حالات میں جو بھی صبر کے ساتھ رہے گا، ان صبر کرنے والوں کو بشارت دیں۔

تو اللہ رب العزت کا معاملہ مختلف ہے، اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے اعمال کو سنواریں اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندوں میں شامل ہو جائیں۔

عبادت میں سستی کا نتیجہ:

چنانچہ جو بندہ عبادات میں سستی کرتا ہے تو شیطان اس کے اوپر چڑھ دوڑتا ہے۔ دنیا کا دستور ہے، جب کوئی اپنے دشمن پر قابو پائے تو سب سے پہلا کام یہ کرتا ہے کہ جو اس کے پاس سب سے مہلک چیز ہوتی ہے، وہ اس سے چھین لیتا ہے۔ یہ فوجی لوگ جب دشمن کو گرفتار کرتے ہیں تو اس کو کہتے ہیں Hands up (ہاتھ اوپر کریں) اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر اس کے ہاتھ میں کوئی نقصان دینے والی چیز ہے تو وہ ہاتھ سے چھوٹ جائے اور یہ مجھ پر حملہ نہ کر سکے۔ شیطان بھی یہی کرتا ہے کہ جب بندے کے اوپر قبضہ جماتا ہے تو سب سے مہلک ہتھیار جو بندے کے پاس ہوتا ہے، وہ اس کو بندے سے علیحدہ کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ﴾

[شیطان ان پر غالب آ گیا اور شیطان نے ان کو اللہ کی یاد سے غافل کر دیا]

تو شیطان کا سب سے پہلا کام یہ کہ اللہ کی یاد سے غافل کرتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر یہ بندہ اللہ کی یاد میں لگا رہا تو ہمارا وار اس پر نہیں چل سکے گا، تو مومن شیطان کے وار سے بچے۔ دیکھئے! شیطان کے وار سے بچنے کے لئے اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے ایک ایک بات ہمیں سمجھا دی، کھول کھول کر بتایا۔ اس طرح کرو گے، شیطان آ جائے گا، حملہ کرے گا، تمہیں ورغلائے گا۔

بسم اللہ کی برکت سے شیطانی اثرات سے حفاظت

کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا:

نبی ﷺ نے فرمایا: ''آدمی اگر کھانا کھانے بیٹھے اور بسم اللہ نہ پڑھے تو شیطان اس کے کھانے میں شامل ہو جاتا ہے''۔ دیکھئے شیطان کے نقب لگانے کے کون کون سے راستے ہیں؟ اللہ کے محبوب نے ان راستوں کو کھول کھول کر بتا دیا ہے۔ لہٰذا کھانا کھانے سے پہلے کی دعا پڑھنا، بسم اللہ پڑھنا، یہ کتنا ضروری ہے؟ تا کہ ہم شیطانی اثرات سے بچ جائیں۔ جب کھانے میں شیطانی اثر شامل ہو گا تو ظاہر ہے، جو طاقت بندے کو ملے گی وہ بندے کو گناہ پر آمادہ کرے گی۔ تو کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے سے شیطان کھانے میں شریک نہیں ہو سکتا۔

بلکہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ تھے، وہ پہلے بسم اللہ پڑھنی بھول گئے، انہیں درمیان میں یاد آئی تو انہوں نے درمیان میں پڑھ لی، تو اللہ کے نبی ﷺ مسکرا پڑے۔ کسی نے پوچھا کہ اے اللہ کے پیارے حبیب ﷺ! کیسے مسکرائے؟ فرمایا کہ شیطان اس کے ساتھ کھا رہا تھا، جب اس نے بسم اللہ پڑھی تو شیطان نے سب کھایا پیا نکال دیا اور یہاں سے دفع ہو گیا۔ تو بسم اللہ پڑھنی کتنی ضروری؟

بسم اللہ پڑھ کر گھر کا دروازہ بند کرنا:

آگے دیکھئے! حدیث پاک میں آتا ہے جو بندہ رات کو اپنے گھر کا دروازہ بند کرتے ہوئے بسم اللہ پڑھ لے، شیطان رات کے وقت اس گھر میں داخل نہیں ہوسکتا۔ بات کتنی آسان ہے مگر کتنی زیادہ اہم ہے! جب بھی انسان رات کو گھر کا درواز ہ بند کرے، گھر کی عورت گھر کا دروازہ بند کرے تو بسم اللہ پڑھ کے ہی بند کرے۔ تو بسم اللہ پڑھ کے گھر کا دروازہ بند کر لیا، اللہ تعالیٰ نے شیطان کو گھر میں داخل ہونے سے روک دیا۔ اب اکثر گناہ راتوں میں ہی ہوتے ہیں۔ تو جب گھر میں شیطان آیا ہی نہیں تو ایک تو رات کے گناہوں سے بچے، دوسرا تہجد اور فجر کی نماز میں اٹھنا آسان ہوگیا، شیطان جو گھر میں نہیں ہے، ورنہ تو تھپکیاں دے دے کر سلا دیتا ہے، کانوں میں آکر پیشاب کر دیتا ہے۔

حدیثِ پاک کا مفہوم ہے کہ جو آدمی فجر کی نماز کے لئے نہیں اٹھتا، درحقیقت شیطان اس کے کان میں آکر پیشاب کر دیتا ہے، اس کی وجہ سے اس کی آنکھ نہیں کھلتی۔ تو بھئی شیطان کو روکنے کا کتنا اچھا طریقہ کہ انسان سنت کے مطابق اپنے گھر کا دروازہ بند کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھ لے۔

بسم اللہ پڑھ کر بیت الخلا جانا:

اور دیکھئے! حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو انسان بیت الخلاء میں داخل ہونے سے پہلے بسم اللہ پڑھ لے، مسنون دعا پڑھ لے تو شیطان اس کے ساتھ بیت الخلاء میں داخل نہیں ہوتا اور اگر پڑھنا بھول جائے گا تو شیطان بیت الخلاء میں ساتھ داخل ہوگا اور اس کی شرمگاہ کے ساتھ کھیلے گا تو بندے کو شہوانی خیالات آئیں گے۔ دیکھئے نبی ﷺ نے ایک ایک بات سمجھا دی کہ کیسے ہم شیطان کے حملوں سے بچ سکتے ہیں؟

کپڑے اتارتے ہوئے بسم اللہ پڑھنا:

چنانچہ حدیث پاک میں فرمایا کہ آدمی اگر ضرورت کے وقت اپنے جسم سے کپڑے اتارے تو بسم اللہ پڑھ لے۔ اس بسم اللہ کے پڑھنے سے نہ جن اسے دیکھ سکتا ہے نہ شیطان اسے دیکھ سکتا ہے۔ یہ کتنا چھوٹا سا عمل ہے مگر کتنے لوگ کپڑے اتارتے ہوئے بسم اللہ پڑھتے ہیں؟ بہت سارے بھول جاتے ہیں۔ عورتوں نے اگر غسل کرنا ہے اور بسم اللہ نہیں پڑھی تو ان کو جن بھی دیکھیں گے اور شیطان بھی دیکھیں گے۔ پھر کیوں روتی پھرتی ہیں کہ ہمارے اوپر آسیب کا اثر ہو گیا؟ بھئی نبی ﷺ نے ایک چھوٹی سی، مختصری بات بتائی تھی اس کا اتنا فائدہ تھا کہ انسان کے جسم پر نہ شیطان کی نظر پڑتی نہ جن کی نظر، اور ہم اس عمل کو کرنا بھول ہی جاتے ہیں۔

چنانچہ اگر میاں بیوی دونوں اکٹھے ہوتے ہیں اور وہ کپڑے اتارتے ہوئے بسم اللہ پڑھنا بھول گئے تو شیطان ان کے عمل میں شریک ہوتا ہے۔ نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ ہونے والی اولاد اللہ کی بھی نافرمان، ماں باپ کی بھی نافرمان بنتی ہے۔ بات مختصری، چھوٹی سی ہے لیکن اثرات دیکھو کہ کہاں تک جا رہے ہیں؟

چنانچہ نبی ﷺ نے ایک دعا بتائی کہ میاں بیوی دونوں اکٹھے ہوں تو ضرورت پوری ہونے کے وقت اس کو پڑھ لیا جائے۔ اللہ اکبر! محدثین نے لکھا ہے کہ اس دعا کے پڑھنے سے حمل اگر ٹھہر گیا تو اللہ تعالیٰ حمل کے اندر شیطانی اثرات سے حفاظت فرما دیں گے۔ آج جس کو دیکھو جی! اولاد نہیں مانتی، اولاد نافرمان...... بھئی! اولاد تو نافرمان ہے مگر ہم نے بھی تو سنت کو نظر انداز کیا تھا۔ ہم نے بھی تو نبی ﷺ کے بتائے ہوئے اعمال کو چھوڑ دیا تھا۔ اپنی بوئی ہوئی کھیتی تھی، اب اپنی آنکھوں کے سامنے آ گئی۔ جہاں انسان نے اللہ تعالیٰ کا حکم توڑا، شیطان اسی وقت اس کے پاس پہنچ گیا۔ **فھو لہ قرین** شیطان اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔

غفلت کی زندگی گزارتے گزارتے ایسا وقت بھی آجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود ہی اس پر شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں، حوالے کر دیتے ہیں۔ شیطان کے۔ وَ قَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہم نے ان پر ان کے ساتھی متعین کر دیئے:

فَزَيَّنُوا لَهُمْ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ

(حم سجدہ:۲۵)

[انہوں نے ان کو ان کے اگلے اور پچھلے اعمال عمدہ کر کے دکھائے اور جنات اور انسانوں کی جماعتیں جو پہلے گزر چکیں، ان پر بھی خدا کا اللہ کا قول (عذاب کا وعدہ) پورا ہو چکا بے شک وہ خسارہ پانے والوں میں سے ہیں]

بسم اللہ پڑھنے کی عادت ڈالیں:

اب ایک بسم اللہ پڑھنے کی عادت ڈال لیجئے تو کتنے مواقع ہیں جہاں انسان شیطان کے اثرات سے بچ جاتا ہے۔

بسم اللہ کی عادت بچے کو بچپن میں سکھانی چاہئے۔ ہر اچھے کام کو کرتے ہوئے بسم اللہ پڑھو!

دروازہ کھولتے ہوئے بسم اللہ، گاڑی میں بیٹھنا ہے بسم اللہ، کھانا کھانا ہے بسم اللہ، ہر اچھا کام کرتے ہوئے اگر بسم اللہ کی عادت پڑ جائے، چھوٹا سا عمل ہے لیکن دیکھئے! اس پر کتنے اچھے اثرات بندے کو ملتے ہیں! تو معلوم ہوا اگر ہم اپنی زندگی میں فلاح چاہتے ہیں تو ہمیں نیک اعمال کو اپنانا پڑے گا۔ پھر ہم شیطان کے اثرات سے بچ جائیں گے اور اگر اعمال نہیں ہوں گے تو ہم دنیا میں بھی نہیں بچ سکیں گے اور آخرت کے عذاب سے بھی نہیں بچ سکیں گے۔

روزِ محشر اعمال کام آئیں گے

قیامت کے دن مختلف اعمال سے محروم ہونے کا عذاب مختلف عذاب۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر میں یہ حدیث پاک لکھی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک دفعہ خواب میں جہنم کے حالات دیکھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا، میں نے جہنم میں بعض لوگوں کو عذاب پاتے دیکھا۔

اچھی طرح وضو کرنا کام آئے گا:

ایک بندے کو قبر میں ڈالا گیا اور عذاب قبر اس کی طرف بڑھا کہ اس میت کو اپنی لپیٹ میں لے لے مگر اس کا اچھی طرح وضو کرنا، عذاب قبر سے بچنے کے کام آیا۔ تو معلوم ہوا، اچھی طرح جو بندہ وضو کرے یعنی فراغت کے بعد اگر استنجا کرنا ہے تو اچھے انداز سے کرے، سنت کے مطابق مٹی استعمال کرے، موجود نہیں تو چلو ٹوائلٹ پیپر استعمال کرے کہ وہ بنا ہی اسی مقصد کے لئے ہوتا ہے، پھر پانی استعمال کرے، تسلی کرے، پھر اس کے بعد وضو اہتمام کے ساتھ کرے، پانی کپڑوں پر نہ گرنے دے، سنت کے مطابق تمام اعضاء کو مل مل کے دھوئے، جو مسنون دعائیں ہیں وہ پڑھے، تسلی کے ساتھ وضو کرنے کی عادت ہوگی، نتیجہ کیا نکلے گا؟ اس اچھی طرح وضو کرنے پر اللہ تعالیٰ بندے کو قبر کے عذاب سے نجات دیں گے۔

آج کل عورتیں مہندی کم لگاتی ہیں اور ناخن پالش کی طرف زیادہ توجہ دیتی ہیں۔ اور جو عام گھروں کی بچیاں ہیں، ماشاء اللہ ان کو ناخن بڑھانے کی بھی عادت ہے۔ جتنے لمبے ناخن اتنی اس میں میل جم گئی اور میل کی جگہ پر پانی نہیں جاتا تو غسل کیسے ہوگا؟ تو دیکھئے! چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں۔ یا غسل کرتی ہیں تو بالوں کو صحیح طرح

نہیں کھولتی یا صحیح طرح بالوں کو پانی سے تر نہیں کرتی اور کئی ایک کو تو غسل کے فرائض کا پتہ ہی نہیں۔ کسی نے پوچھا: شادی ہو گئی، غسل کے فرائض آتے ہیں؟ کہنے لگی ہاں! کون کونسے غسل کے فرائض ہیں؟ صابن، تیل اور تولیہ، یہ تین غسل کے فرائض ہیں، ماشاء اللہ! ایم اے پاس اور غسل کے فرائض کا پتہ ہی نہیں۔

ایک مرتبہ ایک بچی ہمارے جامعہ میں آئی، کہنے لگی: میری امی نے میری شادی کی تاریخ رکھ دی ہے۔ تو میں آئی ہوں کہ میں آپ سے غسل کے فرائض پوچھوں۔ گھر والوں نے پوچھا کہ آپ کی عمر تو بائیس، تیئس سال لگتی ہے، نماز تو بڑے عرصے سے فرض ہو گئی (پندرہ سال کی عمر میں عام طور پہ بچیوں پہ نماز فرض ہو جاتی ہے)۔ تو اب تک غسل کیسے کرتی رہی؟ کہنے لگی کیا مطلب؟ پوچھا ماہانہ ایام جو آتے ہیں تو اس کے بعد بھی تو غسل کرنا ہوتا ہے۔ کہنے لگی: وہ تو میں نہاتی تھی بس۔ سات سال اس لڑکی کے گزر گئے اور اس کو غسل کا پتہ ہی نہیں تھا۔ وہ سمجھتی تھی کہ شاید شادی کے بعد ہی جا کر غسل کی ضرورت پڑتی ہے۔

تو طہارت کے مسائل بھی سیکھیے، اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اللہ رب العزت انبیا کی مجلس میں بیٹھنے کی سعادت نصیب فرمائیں گے۔

ذکر کام آئے گا:

پھر نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ ایک بندے کے پاس شیطان لپکا کہ میں اس پر حملہ کروں مگر اس بندے نے اللہ کا ذکر کرنا شروع کر دیا، شیطان نے منہ کی کھائی اور اس کو چھوڑ کے واپس بھاگا۔ چنانچہ ذکر کی وجہ سے شیطان بندے پہ قابو نہیں پا سکتا۔ اور قابو نہ پا سکنے کی وجہ سے بندے کے دل میں وساوس نہیں ڈال سکتا۔ تو عمل چھوٹا سا اللہ کا ذکر کرنا اور فائدہ کتنا بڑا کہ شیطان سے حفاظت ہو گئی۔

نماز کام آئے گی:

پھر فرمایا: میں نے عذاب کے فرشتوں کو دیکھا کہ وہ ایک آدمی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ فرمایا کہ اس کی نماز اس کے کام آگئی اور نماز نے بڑھتے فرشتوں کو واپس بھیج دیا۔ تو جو انسان اچھے انداز سے نماز پڑھے گا، سکون کے ساتھ، خشوع و خضوع کے ساتھ۔ خشوع کہتے ہیں: دل میں اللہ کی عظمت ہو، بندہ عظمتِ الٰہی کو دل میں رکھ کر نماز پڑھے۔ خضوع کہتے ہیں: جو نماز کے ارکان ہیں، ان کو بھی تسلی سے ادا کر رہا ہو، تو اس نماز کے پڑھنے پر اللہ رب العزت بندے کو عذاب کے فرشتوں سے بچائیں گے۔

روزہ کام آئے گا:

پھر فرمایا: میں نے دیکھا قیامت کے دن ایک بندہ شدتِ پیاس کی کیفیت میں ہے۔ اتنی پیاس کہ برداشت نہیں ہو رہی! جان نکلی جا رہی ہے۔ فرماتے ہیں: اس پیاس کی شدت میں اس کا روزہ کام آگیا اور اس کو حوضِ کوثر سے جام مل گیا۔

حج و عمرہ کام آئے گا:

نبی ﷺ نے فرمایا: میں نے دیکھا ہے کہ قیامت کے دن ایک آدمی اندھیرے میں ہے۔ اس کے اردگرد بہت اندھیرا ہے اور اس کو راستے کی سمجھ نہیں لگ رہی کہ میں نے کہاں جانا ہے؟ پریشان تھا کہ اس کا حج و عمرہ آیا، انہوں نے اس کے اردگرد روشنی کر دی، جس سے اس کو راستہ نظر آگیا۔ تو حج اور عمرے کی سعادت سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن صحیح راستے کی رہنمائی فرما دیں گے۔

صلہ رحمی کام آئے گی:

پھر فرمایا کہ قیامت کے دن ایک بندہ پڑا پریشان حال کھڑا ہے، کوئی اس کا حال پوچھنے والا نہیں، گھبرایا ہوا، خوف زدہ، وحشت اس کے اوپر طاری ہے، اکیلا کھڑا ہے۔ میں نے دیکھا کہ وہ جو صلہ رحمی کرتا تھا، وہ صلہ رحمی کا عمل آیا اور اس نے اس کی وحشت کو دور کر دیا۔

صلہ رحمی کہتے ہیں، رشتہ داروں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آنا۔ ایمان والوں کے ساتھ اچھا سلوک رکھنا۔ یہ صلہ رحمی کا عمل قیامت کے دن کی وحشت سے بچاؤ کا سبب بن گیا۔

صدقہ خیرات کام آئے گا:

پھر نبی ﷺ نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ ایک آدمی جہنم کے کنارے تک پہنچا ہوا ہے اور آگ کی لپٹیں اٹھ رہی ہیں اور اس کے چہرے تک آ رہی ہیں اور چہرہ جھلس رہا ہے مگر میں نے دیکھا کہ اس کے صدقے اور خیرات نے اس کے اور جہنم کے درمیان آڑ بن کر اس کو جہنم سے بچا لیا۔ تو اللہ کے راستے میں دینا، دین کے کاموں خرچ کرنا چاہئے۔ ضروری تو نہیں ہوتا کہ ہر بندہ لاکھوں لگائے، کئی دفعہ ایک روپیہ جو اللہ کے راستے میں خرچ کیا، بندے کے لئے جنت میں جانے کا سبب بن جایا کرتا ہے۔ تو تھوڑا صحیح مگر اللہ کے نام پر انسان دے۔ یہ صدقہ خیرات قیامت کے دن جہنم سے بچنے کا ذریعہ ہے۔

خوف خدا کام آئے گا:

پھر نبی ﷺ نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ ایک آدمی جہنم کے کنارے پر کھڑا ہے، قریب ہے کہ جہنم میں گر جائے کہ خوف خدا کا عمل آیا یعنی جو وہ اللہ سے ڈرتا تھا

،خوف کھاتا تھا کہ میں اللہ کی نافرمانی نہ کروں۔خوف خدا کے عمل نے آکر اس کو جہنم میں گرنے سے روک لیا، بچالیا۔

پھر فرمایا: میں نے دیکھا کہ آدمی اوندھے منہ جہنم کے اندر ڈال دیا گیا، گناہ زیادہ تھے مگر اللہ کے خوف سے اس کی آنکھ سے آنسو نکلا تھا، یہ آنسو کے نکلنے کا عمل آیا اور جس طرح ڈوبتے کو دریا سے نکال لیا جاتا ہے اس نے جہنم میں غوطہ کھانے والے بندے کو جہنم سے نکال دیا۔

درود شریف کام آئے گا:

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ ایک آدمی پل صراط کے اوپر ہے اور وہ پھسلتا ہے بار بار قدم بڑھاتا ہے، پھر پھسلتا ہے، ڈرتا ہے کہ نیچے نہ گر جاؤں، بڑا گھبرایا ہوا، فرمایا کہ جو اس نے مجھ پر درود شریف پڑھا تھا وہ درود شریف کا عمل آیا اور اس نے ہوا کی تیز رفتاری سے جہنم کے اوپر کا پل صراط طے کروادیا۔تو درود شریف پڑھنا کتنا ضروری ہے!

کلمہ کام آئے گا:

پھر نبی ﷺ نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ ایک بندہ جنت کے دروازے پر پہنچا مگر دروازے کو بند پایا۔یہ بھی بڑا پریشان ہوا مگر کلمہ کا عمل آیا اور کلمے نے اس کے لئے جنت کے دروازے کو کھلوادیا۔

اچھے اخلاق کام آئیں گے:

اور پھر فرمایا کہ ایک بندے سے اللہ ناراض تھے اور اللہ اور بندے کے درمیان ایک پردہ تھا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں نا

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ

[نہ اللہ ان کے ساتھ گفتگو کرے گا، نہ انہیں پاک کرے گا، نہ ان کی طرف دیکھے گا]

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دیکھ بھی نہیں رہے اور بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک پردہ ہے، حجاب ہے۔ اس حالت میں وہ بندہ بڑا پریشان تھا، اس بندے کے اچھے اخلاق آئے اور ان کے اخلاق نے درمیان کے پردے کو اٹھا دیا اور بندے کو اپنے رب کا دیدار نصیب ہو گیا۔

معلوم ہوا کہ اگر کامیابی نصیب ہوگی تو اعمال کے ذریعے سے نصیب ہو گی۔ اعمال کے بغیر بندے کو فلاح نہیں مل سکتی، کامیابی نہیں مل سکتی۔

ایمان مفصل......ایک عہد، ایک وعدہ

اسی لئے ہم جو ایمان لائے تو اس میں ہم نے اللہ رب العزت کے سامنے ایک عہد کیا، ایک وعدہ کیا ہے۔ ایمان مفصل پر اگر غور کریں تو اس میں ہم نے اللہ سے بڑے وعدے کئے۔ ذرا توجہ فرمائیں! ایمان مفصل میں ہم نے اللہ رب العزت کے ساتھ کیا وعدے کئے؟

اللہ پر ایمان کی حقیقت:

سب سے پہلے ہم نے کہا آمَنْتُ بِاللّٰهِ میں اللہ پر ایمان لایا۔ اللہ پر ایمان لانے کا مقصد کیا؟ ایمان لانے کا مقصد یہ کہ اے اللہ! فاعل حقیقی آپ کی ذات ہے، یہ دنیا اسباب سے چلتی ہے اور مسبب الاسباب آپ ہیں۔ جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے، آپ کے اشارے سے ہو رہا ہے۔ ہمیں نہ چیزوں سے امیدیں ہیں اور نہ چیزوں کی ہمیں ضرورت ہے، ہمیں تو آپ کو راضی کرنے کی ضرورت ہے۔ ''اللہ تعالیٰ سب کچھ کر سکتے ہیں چیزوں کے بغیر اور چیزیں کچھ بھی نہیں کر سکتی اللہ کے بغیر''۔ اللہ رب

العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہی بات کھولی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دو معجزے دیئے۔ دونوں معجزوں کے پیچھے ایک مقصد ہے۔

پہلے معجزے کا مقصد:

پہلا معجزہ کیا؟ کہ عصا کو زمین پر ڈالا اور وہ اژدھا بن گیا پھر اژدھا کو جب پکڑا تو وہ دوبارہ عصا بن گیا۔ اللہ رب العزت نے یہاں ایک بات کھولی کہ اے موسیٰ! آپ کہہ رہے تھے نا! کہ یہ عصا میرے بڑے کام کی چیز ہے۔

﴿ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ﴾

[میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں، بکریوں کو میں اس سے چارہ بہم پہنچاتا ہوں اور میرے لئے اس میں بڑے فائدے ہیں]

تو جو فائدے کی چیز آپ سمجھ رہے تھے، جب اس کو آپ نے ہمارے حکم سے زمین پر ڈالا تو وہ ایسی نقصان دینے والی چیز بنی کہ آپ بھاگنے لگے اور جس کو آپ نقصان دہ سمجھ رہے تھے، اس سے بھاگ رہے تھے، ہمارے حکم سے جب آپ نے اس کو دوبارہ ہاتھ لگایا، ہم نے دوبارہ اس کو نفع دینے والی چیز میں بدل دیا۔ معلوم ہوا کہ نفع اور نقصان چیزوں میں نہیں ہوتا بلکہ ہمارے حکم کے ساتھ ہے۔ اللہ چاہتے ہیں تو دودھ کو بندے کی صحت کا ذریعہ بنا دیتے ہیں، اسی سے بندے موٹا ہو جاتا ہے۔ اور اللہ چاہتے ہیں تو دودھ پینے سے Food poisning ہوتی ہے اور بندہ موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔ یہی دودھ زندگی کا سبب ہے اور یہی دودھ انسان کی موت کا سبب۔ اس میں زندگی اور موت کے اثرات کس نے ڈالے؟ اللہ رب العزت نے۔

مومن کی نظر ہمیشہ اللہ رب العزت پر ہوتی ہے۔ وہ اللہ سے امیدیں رکھتا ہے، بندوں سے امیدیں نہیں لگاتا۔ آج کیا اللہ تعالیٰ پر یقین ہے؟......نہیں۔ ہم سوچتے ہیں ہمارا کارخانہ ہمیں پالتا ہے...... ہمارا دفتر ہمیں پال رہا ہے...... بزنس ہمیں پال

رہا ہے..... کھیتی ہمیں پال رہی ہے..... ہم اسباب کی طرف دیکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: تمہیں کوئی نہیں پال رہا بلکہ تمہارا پروردگار پال رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف نظر نہیں۔ بندے کی اللہ کی طرف نظر ہوتو وہ آدمی حرام کی طرف کیوں ہاتھ بڑھائے؟ اس کو تو پتہ ہی ہوگا کہ جب میرے اللہ نے مجھے دینا ہے تو وہ حلال طریقے سے دے گا۔ اس لیے وہ دھوکہ نہیں دیگا، وہ جھوٹ نہیں بولے گا، وہ رشوت نہیں لے گا، امانت میں خیانت نہیں کرے گا، وہ تمام گناہوں سے بچے گا۔ کیونکہ اس کے دل میں یہ ہوگا کہ میرا اللہ مجھے رزق دینے والا ہے، وہ یقیناً مجھے رزق پہنچا کر رہے گا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے سامنے یہ بات کھولی۔

دوسرے معجزے کا مقصد:

دوسرا معجزہ ''ید بیضا'' کا دیا، اس میں بھی ایک علمی نکتہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ تم اپنے ہاتھ کو بغل میں لے جاؤ! نکالا تو وہ بہت منور ہو گیا، روشن ہو گیا۔ اس روشن ہونے میں کیا مطلب؟ مطلب یہ کہ اے میرے پیارے موسیٰ! کبھی ہم شکلوں کو بدلتے ہیں، جیسے عصا کی شکل کو ہم نے سانپ کی شکل میں بدل دیا، پھر سانپ کی شکل کو ہم نے عصا کی شکل میں بدل دیا۔ اور جب چاہتے ہیں ہم چیزوں کی خاصیت بھی بدل کر رکھ دیتے ہیں۔ یہ تمہارا ہاتھ تھا اس کو منور ہونے سے کیا کام؟ لیکن ہمارے حکم پر جب آپ نے ہاتھ بغل میں ڈالا اور نکالا تو منور کر دیا۔ اللہ نے دو باتیں دکھا دیں۔

رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے:

تو مومن کا اللہ کے ساتھ ایمان پکا ہو، کہ مجھے جو کچھ ملنا ہے اللہ سے ملنا ہے۔ اچھا! جس کو اللہ سے ملنے کا پکا یقین ہوگا، کیا وہ جائے گا قبروں پہ مانگنے کے لئے؟

……وہ جائے گا مزاروں پہ مانگنے کے لئے؟……وہ تعویذ والوں کے پیچھے پھرے گا؟ او جی! لگتا ہے میرا رزق کسی نے باندھ دیا……کیسا کفریہ کلمہ ہے! ایسے لگتا ہے کہ یہ لوگ چھوٹے چھوٹے خدا بنے پھر رہے ہیں، عامل نے ہمارا رزق باندھ لیا۔ عامل کی کیا اوقات؟ کیا پدی کیا پدی کا شوربہ؟ یہ عامل کیا لگے اور بندے کا رزق باندھنا کیا لگے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ فِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ ﴾

[تمہارا رزق آسمانوں میں ہے]

﴿ وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهٗ ﴾

[جو بھی چیز ہے ہمارے پاس خزانے ہیں]

﴿ وَ مَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴾

[ہم ایک معلوم اندازے سے اتارتے ہیں]

تو رزق تو اللہ اتارتے ہیں، فرماتے ہیں:

﴿ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ ﴾

[ہم نے ان کے درمیان معیشت کو تقسیم کیا]

اور ہم کیا سمجھتے ہیں؟ او جی! لگتا ہے کسی نے رشتہ باندھ دیا، کاروبار باندھ دیا۔ یہ بالکل شرک کے قریب کی بات ہے، ایسا کبھی بھی نہیں سوچنا چاہئے۔ نہ کوئی باندھ سکتا ہے اور نہ کوئی کھول سکتا ہے، یہ اختیار فقط میرے پروردگار کے پاس ہے۔ تو عام لوگوں کے پیچھے جانے کی کیا ضرورت ہے؟ ایمان خراب ہوتا ہے۔ تعویذوں کے پیچھے بھاگنے کی کیا ضرورت ہے؟ اعمال پر توجہ نہیں دیتے اور کہتے ہیں کہ ہمیں دشمنوں نے بڑا پریشان کیا ہوا ہے۔ میں بعض دوستوں کو کہتا ہوں کہ آپ کو دشمنوں نے پریشان نہیں کیا، آپ کو آپ کے اپنے شریر نفس نے پریشان کیا ہوا ہے۔ ادھر دھیان

نہیں آتا کہ ہمیں ہمارے خبیث نفس نے پریشان کیا ہے۔

امید فقط اللہ سے:

تو آمَنْتُ بِاللّٰہِ جو ہم نے کہا، تو ہم نے ساری امیدیں اللہ رب العزت کے ساتھ لگا دیں۔ جو ہمیں ملے گا، کس سے ملے گا؟ اللہ تعالیٰ سے ملے گا۔ اب سوچئے! آج امیدیں کہاں لگی ہوئی ہیں؟

بتوں سے تجھ کو امیدیں، خدا سے ناامیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

تو جب ہم نے کہا: آمنت باللہ تو گویا ہم نے اللہ کے ساتھ عہد کر لیا کہ اے مالک! آج کے بعد ہم تمام اعمال کا فاعلِ حقیقی آپ کی ذات کو سمجھتے ہیں۔ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ آپ کی شان ہے، جو ہو رہا ہے آپ کی مرضی سے ہو رہا ہے، ہم آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ایسا بندہ جو اللہ کی طرف رجوع کرے گا، پریشانی میں اللہ تعالیٰ کی رحمت آئے گی۔

بچے کی مثال:

ہم سے تو بچہ ہی زیادہ اچھا ہے۔ بچے کو ہم نے دیکھا کہ ماں کئی دفعہ جھڑکی دیتی ہے تو پھر بھی ماں کے پیچھے پیچھے۔ کہتی ہے: میں بڑی مصروف ہوں مجھے کام کرنے دو! تنگ نہ کرو، پھر بھی ماں کے پیچھے۔ اور کئی دفعہ تھپڑ لگا دیتی ہے، پھر بھی ماں کے پیچھے۔ ہم نے دیکھا کہ بچہ تھپڑ کھا کر بھی ماں ہی کے سینے سے لپٹتا ہے۔ کاش! ہم دنیا میں اس قسم کی مصیبتوں میں گرفتار ہوتے تو ہم بھی اپنے پروردگار کے قدموں میں سر رکھ دیتے، ہم بھی اللہ کے در پر آ جاتے۔ مولا! آپ کے در کو ہم نے نہیں چھوڑنا۔ ہم سے تو نمازیں ہی چھوٹ جاتی ہیں۔ کئی نمازوں کے لئے مسجد میں نہیں آتے۔ او جی!

کاروبار کے کچھ حالات ٹھیک نہیں، ٹھیک ہوں گے تو میں آؤں گا۔ واہ! کاروبار ٹھیک نہیں جو دروازہ سب سے پہلے چھٹا وہ خدا کا دروازہ تھا۔ اپنے گھر کا دروازہ تو نہیں چھوڑا، وہاں تو روز جاتا ہے، سسرال کے دروازے کو بھی نہیں چھوڑا۔ چھوڑا تو کس دروازے کو؟ خدا کے دروازے کو چھوڑا۔

مانگنا غیر سے شکوے اللہ سے:

بندے کی بھی عجیب بات ہے۔ مانگنے کے لئے ہاتھ پھیلاتا ہے بندوں کے سامنے اور جب بندوں سے کچھ نہیں ملتا تو ناراض ہو جاتا ہے اپنے پروردگار سے کہ کام نہیں ہوا۔ بھئی! اللہ کے سامنے آپ ہاتھ پھیلاتے پھر دیکھتے۔ اگر ہم اسباب پر ایک چھٹانک محنت کریں، ہمیں اللہ سے منوانے کے لئے ایک من محنت کرنے کی ضرورت ہے، اس لئے یہ دنیا کے جغرافیے دن میں نہیں بدلتے یہ راتوں کو بدلا کرتے ہیں، جب ہاتھ اٹھتے ہیں نا! پھر اللہ تعالیٰ جغرافیے بدلا کرتے ہیں، مقدروں کے فیصلے اللہ کر دیتے ہیں۔

فرشتوں پر ایمان کا مطلب:

پھر اس کے بعد ہم نے کہا وملئکتہٖ (اس کے ملائکہ پر ایمان لائے)۔ مقصود کیا تھا؟ مقصود یہ یقین تھا کہ مومن کے ساتھ دنیا کا ظاہری نظام ہو یا نہ ہو لیکن یہ ایمان اور اعمال پر پکا ہوگا تو اللہ کا غیبی نظام ضرور اسکی پشت پناہی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے ایمان والو! اگر تم مدد نہیں کرو گے تو اللہ اپنے محبوب کا مولیٰ ہے اپنے محبوب کا اور جبرئیل علیہ السلام بھی ان کے دوست ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی مدد کے لئے فرشتوں کو بھیجتے ہیں۔ تو جب یہ یقین ہو کہ میں اپنی شریعت کی بات پر استقامت کے ساتھ ڈٹا رہوں گا تو ظاہری نظام موافق ہو یا مخالف ہو، اللہ کا غیبی نظام

ضرور میرے ساتھ ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو جو فتح فرمائی وہ اسی غیبی نظام کے ذریعے فرمائی۔

﴿ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ﴾

دیکھا فرشتے اترتے ہیں پھر

؎ فضائے بدر پیدا کر! فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

اب بھی فرشتے اتر سکتے ہیں اگر ہم ایمان لانے کے بعد نیک اعمال پر جم جائیں۔

کتابوں پر ایمان کا مطلب:

پھر فرمایا: وَكُتُبِهٖ اور کتابوں پر ایمان لے آئے اس کا کیا مطلب؟ کہ اے اللہ! ہمیں علومِ الٰہیہ کے اوپر بھی یقین ہے۔ یعنی جو آپ نے قرآن میں بتادیا کہ یہ کرو اس میں کامیابی اور جو کہا نہ کرو اس میں ناکامی۔ گویا ہمیں احکامِ خداوندی پر ایسا یقین آجائے۔

رسولوں پر ایمان کا مطلب:

پھر فرمایا وَرُسُلِهٖ اور اللہ کے رسولوں پر ایمان۔ کیا مطلب؟ کہ یقین دل میں آجائے کہ اگر ہم نبی ﷺ کی سنت کی اتباع کریں گے تو زندگی کامیاب ہوگی اور اگر اس کی مخالفت کریں گے تو زندگی ناکام ہوگی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ

[جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی ایسا ہی ہے جیسے اس نے اللہ کی اطاعت کی]

تو نبی ﷺ کی سنت کی عظمت دل میں آ جائے کہ ان اعمال کو اپنانے سے ہمیں اللہ کی طرف سے رحمت ملے گی۔

روزِ آخرت پر ایمان:

والیوم الآخر اور قیامت کے دن پر بھی ایمان۔ کیا مطلب؟ کہ ہمیں آخرت کے دن پر یقین ہو کہ نیک اعمال سے قیامت کے دن عزت ملے گی اور برے اعمال سے قیامت کے دن ذلت ملے گی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ﴾

[قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو اور جو ان کے ساتھ ایمان لائے، رسوا نہیں ہونے دے گا]

تو اگر یقین پکا ہو گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ذلت نہیں دے گا۔ ہم لوگ تو دو بندوں کے سامنے ذلت برداشت نہیں کر سکتے۔ بیوی کو اگر خاوند دو بندوں کے سامنے ڈانٹ دے، ایک کے سامنے ڈانٹ دے، دن روتے گزر جاتا ہے۔ او جی! لوگوں کے سامنے اس نے ڈانٹا۔ تو بھئی! قیامت کے دن ساری مخلوق کے سامنے معاملہ کھلے گا پھر کیا بنے گا؟ اسی لئے کہنے والے نے کہا:

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روزِ محشر عذر ہائے من پذیر
گر تو می بینی حسابم نہ گرے
از نگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر

اے اللہ! تو دو عالم سے غنی ہے، میں فقیر ہوں۔ قیامت کے دن اللہ! میرے عذروں کو قبول کر لیجئے گا۔ اللہ! اگر آپ فیصلہ کر لیں کہ میرا حساب لینا لازمی، ضروری ہے تو اللہ! مصطفیٰ کریم ﷺ سے میرا حساب اوجھل کر کے لے لینا۔ مجھے ان کے

سامنے شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔ قیامت کے دن عزت اور ذلت کیسے ملتی ہے؟ اس کا یقین آجائے۔

قضاوقدر پر یقین کا مطلب:

اور پھر فرمایا وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَ شَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى (قضاء اور قدر پر بندے کا یقین) کیا مطلب؟ مقصد یہ کہ اے بندے! اچھے حالات بھی اللہ کی طرف سے آتے ہیں اور برے بھی آزمائش بن کے اللہ کی طرف سے آتے ہیں۔ لہٰذا اچھے حالات آئیں تو اترائے نہیں اور برے حالات آئیں تو گھبرائے نہیں۔ اللہ کی ذات پر ایسا یقین ہو۔

موت کے بعد کھڑے ہونے کا یقین:

پھر فرمایا والبعث بعد الموت (اور موت کے بعد قیامت کے دن کھڑے ہونے پر بندے کو یقین) جب قیامت کے دن کے بعد کی زندگی پر یقین ہوگا تو بندہ پھر اگلے جہان کے لئے بھی تیاری کرے گا، موت کے لئے بھی تیاری کرے گا اور اگر یہ یقین ہو کہ یہی دنیا کا گھر ہے تو سارا دن اسی میں لگا رہے گا اور اگر آخرت کے گھر کی بھی فکر ہوگی تو انسان اعمال میں لگے گا تاکہ اللہ تعالیٰ جنت میں گھر عطا فرمادیں۔

آج ایمان بنانے کی ضرورت ہے:

چنانچہ یہ جو کلمہ پڑھا جاتا ہے، اس میں ان تمام اعمال کا یقین بندے کو حاصل کرنا ہوتا ہے، اس پر انسان کو اللہ رب العزت کی طرف سے رحمتیں اور برکتیں ملتی ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے ایمان پر محنت کی فرمایا:

تعلمنا الایمان ثم تعلمنا القرآن

[نبی ﷺ نے ہمیں پہلے ایمان سکھایا پھر انہوں نے قرآن سکھایا]

تو چونکہ ایمان بن چکا تھا، اللہ نے ان کو دنیا میں عزتیں عطا فرما دیں۔

ایمان والے کا حکم کرہ ارض پر چلتا ہے:

جب اللہ تعالیٰ پر ایمان پکا ہو، یقین کامل ہو تو یہ مومن خلیفۃ اللہ فی الارض ہوتا ہے۔ ذرا غور کیجئے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ وقت تھے۔ اللہ نے وہ شان عطا فرمائی کہ زمین پر ان کا حکم چلتا تھا۔ دیکھیں! اللہ کی مخلوق چار چیزوں سے بنی آگ، ہوا، پانی اور مٹی۔ چاروں پر ان کا حکم لاگو ہوتا تھا۔

☆...... چنانچہ ایک مرتبہ زمین پر زلزلہ آیا، عمر رضی اللہ عنہ نے زمین پر ایڑی ماری اور فرمایا: کہ اے زمین! تو کیوں ہلتی ہے کیا عمر رضی اللہ عنہ نے تیرے اوپر عدل قائم نہیں کیا؟ ان کی یہ بات سن کر زمین کا زلزلہ رک گیا، زمین پر حکم چل رہا ہے۔

☆...... پھر خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے، فرماتے ہیں: **یا ساریۃ الجبل** ہوا ان کے پیغام کو سینکڑوں میل دور پہنچا دیتی ہے، ہوا پر حکم چل رہا ہے۔

☆...... دریائے نیل کا پانی نہیں چلتا، دریائے نیل کو رقعہ لکھتے ہیں، دریائے نیل! اگر اپنی مرضی سے چلتا ہے تو نہ چل اور اگر اللہ رب العزت کے حکم سے چلتا ہے تو امیر المومنین تجھے حکم دیتے ہیں کہ چل! دریائے نیل چلنا شروع کر دیتا ہے، آج تک دریائے نیل کا پانی چل رہا ہے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی عظمتوں کے پھریرے لہرا رہا ہے۔

☆...... مدینہ طیبہ کی ایک طرف سے آگ نکلتی ہے، جس کو "ہرہ شرقیہ" کہتے ہیں اور وہ بڑھنا شروع ہو جاتی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہیں کہ جائیں اور اس آگ کو واپس دھکیلیں۔ دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے دو رکعت نفل پڑھے اور آگ کے پاس جا کر چادر کو چابک کی طرح استعمال کیا، جیسے انسان کسی حیوان کو واپس اپنی جگہ دھکیلتا ہے، وہ چادر کے ذریعے آگ کو چابک مارتے گئے اور آگ کو واپس دھکیلتے گئے حتیٰ کہ جہاں

سے آگ نکلی تھی وہیں پہ واپس چلی گئی۔

تو دیکھیے! ایمان کے بنانے کی وجہ سے ہوا پر حکم چلتا ہے، پانی پر حکم چلتا ہے ، زمین پر حکم چلتا ہے، آگ پر حکم چلتا ہے۔ صحیح شہنشاہی تو یہی ہے۔ اسی لئے کہنے والے نے کہا:

ہم فقیروں سے دوستی کر لو
گر سکھائیں گے بادشاہی کا

بندہ جب اللہ کے در پر جھکتا ہے اور نیک اعمال کرتا ہے تو اللہ فقیری میں اس کو شاہی کا رنگ عطا فرما دیتے ہیں۔

☆...... چنانچہ صحابہ میں سے سعد ابن وقاص ؓ اپنی فوج کے ساتھ جا رہے تھے، آگے دشمن کی فوج ہے اور درمیان میں دریا۔ اللہ کی شان، انہوں نے اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیئے اور گھوڑے چلتے چلتے بالآخر دریا کے دوسرے کنارے تک پہنچ گئے۔ اللہ اکبر کبیرا! اور آگے جا کر انہوں نے پوچھا کہ کسی کی کوئی چیز دریا میں گری تو نہیں؟ ایک صحابی نے کہا کہ میرا لکڑی کا پیالہ تھا، وہ دریا میں گر گیا ہے۔ دریا کو حکم دیتے ہیں کہ لکڑی کا پیالہ واپس کر! ایک پانی کی لہر آتی ہے اور لکڑی کے اس پیالے کو بھی کنارے پر ڈال جاتی ہے۔

لگاتا تھا تو جب نعرہ تو خیبر توڑ دیتا تھا
حکم دیتا تھا دریا کو ، رستہ چھوڑ دیتا تھا

تو ایمان بنانے پر اللہ رب العزت بندے کو دنیا میں بھی ایسی کامیابی عطا فرما دیتے ہیں۔

امت محمدیہ کی فضیلت دوسری امم پر:

یہاں پر طلباء کے لئے کچھ علمی نکات ملاحظہ ہوں

☆......ایک بنی اسرائیل نے دریا عبور کیا تھا اور ایک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریا عبور کیا تھا، دونوں میں فرق دیکھ لیجئے۔ دل کے کانوں سے سنیئے! توجہ کے ساتھ۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام دریائے نیل کے کنارے پر پہنچے، پیچھے فرعون اپنے لاؤلشکر کے ساتھ آیا۔

﴿ قَالَ اَصْحَابُ مُوْسٰى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴾

[کہا موسیٰ علیہ السلام نے کہ اب ہم پکڑ لئے گئے]

اب ہم دھر لئے گئے۔ اس وقت ایک یقین بھری آواز اٹھی، سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے کیا فرمایا

﴿ اِنَّ مَعِىَ رَبِّىْ سَيَهْدِيْنَ ﴾

[میرے ساتھ میرے رب کی معیت ہے، ضرور راستے کی رہنمائی فرمائے گا]

میرا اللہ میرے ساتھ ہے، تو دیکھیں سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے مَعِیَ کا لفظ استعمال کیا ''میرا رب میرے ساتھ ہے'' تو معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت تھی ۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے دریا میں راستے بنا دیئے، بارہ راستوں سے بارہ قبیلے راستہ پار کر گئے۔

ادھر ذرا امت محمدیہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام دیکھئے۔ نبی ﷺ ہجرت کے وقت غار ثور میں پہنچے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ گھبرا رہے ہیں کہ کافر نہ آجائیں، کہیں نبی ﷺ کو تکلیف نہ پہنچے۔ ماں کو جس طرح بچے سے محبت زیادہ ہو تو اس کے لئے پریشانی بھی زیادہ ہوتی ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ سے محبت زیادہ تھی تو اس کے لئے پریشانی بھی زیادہ تھی۔ تو جب نبی علیہ السلام نے دیکھا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پریشان ہیں تو قرآن کی آیتوں میں کیا کہا گیا؟

لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا [آپ گھبرایئے نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے]

صدیق اکبرؓ کو بھی معیت میں ساتھ شامل فرما دیا۔ یہ معیت کبریٰ فقط نبی ﷺ کے ساتھ نہیں بلکہ آپ کی امت کے صدیقین کے ساتھ بھی ہے۔ معنا کا لفظ استعمال کیا، یہ ایک بات ہوئی۔

☆......دوسری بات دیکھئے! حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب دیکھا، اپنے والد کو سنایا کہ میں نے گیارہ ستارے دیکھے۔

﴿ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ﴾

[میں نے دیکھا کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند مجھے سجدہ کر رہے ہیں]

یعقوب علیہ السلام نے خواب کی تعبیر سمجھ لی اور اپنے بیٹے کو یہ بات کہی

كَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ (اس طرح آپ کا رب آپ کو قبول کرے گا)

یہ مستقبل کا صیغہ۔ ہاں! آپ کا پروردگار آپ کو قبول کر لے گا۔ تو دیکھئے کہنے والے بھی اللہ کے نبی ہیں اور جن کے بارے میں کہا وہ بھی ہونے والے نبی مگر صیغہ مضارع کا استعمال کیا گیا، یجتبیك ربك تیرا پروردگار تجھے اپنے لئے خاص کر لے گا۔ لیکن جب اس امت کا معاملہ آیا تو اللہ رب العزت نے حال کا صیغہ بھی استعمال نہیں کیا فرمایا:

هو اجتبٰكم (وہ پروردگار جس نے تمہیں اپنے لئے خاص کیا)

ماضی کا صیغہ استعمال کیا، اللہ تمہیں چن چکا اپنے لئے۔ اللہ اکبر۔ کیا شان اللہ نے عطا فرمائی۔

هُوَاجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (حج:۷۸)

اللہ اکبر! یہاں ماضی کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔

☆......پھر آگے نبی ﷺ کے صحابہ بھی دریا میں چلے اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے صحابہ بھی دریا میں چلے۔ ذرا فرق دیکھئے گا، توجہ فرمائیے کہ وہاں موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ساتھ

وقت کے نبی ہیں، ان کی معیت میں وہ دریا پار کر رہے ہیں۔ اور یہاں دریا پار کرتے ہوئے نبی پاک ﷺ خود موجود نہیں ہیں، فقط صحابہؓ ہیں۔ ذرا فرق دیکھئے! وہ وقت کے نبی کی معیت میں چل کر جاتے ہیں، دریا اتر جاتا ہے۔ یہاں نبی ﷺ نہیں، فقط صحابہؓ ہیں۔ ذرا غور کیجئے صحابہ صرف دریا عبور نہیں کرتے، اپنے ساتھ گھوڑوں کو بھی لے کر جاتے ہیں

☆......اور فرق دیکھئے! سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو ان کی روحانی طاقت کوہِ طور پر لے گئی۔

فَلَمَّا جَاءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جب موسیٰ علیہ السلام آئے کوہِ طور پر، تو وہاں ان کے آنے کا تذکرہ کیا اور نبی ﷺ کا معاملہ آیا تو اللہ کیا فرماتے ہیں:

﴿ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى ﴾ (الاسراء:۱)

[پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے محبوب کو تھوڑے سے وقت میں مسجد حرام سے لے کر مسجد اقصیٰ تک پہنچا دیا]

وہاں آئے، یہاں بلائے گئے۔ ایسے ہی ہوتا ہے نا! بعض لوگ ملنا چاہتے ہیں ان کو خطاب دے دیا جاتا ہے بھئی! آپ ہمارے گھر ملنے کے لئے آ جانا۔ اور کبھی کوئی بچپن کا محبوب کلاس فیلو مل جائے، بندہ ہاتھ پکڑ کر کہتا ہے: گھر چلو یار! آج مل کر کھانا کھاتے ہیں۔ ادھر آنے کا راستہ بتا دیا، ادھر اس کو ہاتھ پکڑ کر خود اپنے گھر پہنچا دیا۔ تو نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو بھیج کر اپنے پاس بلوالیا۔

☆......اسی لئے موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی:

﴿ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ﴾

[اے اللہ! میرے سینے کو کھول دے]

اور جب نبی ﷺ کا معاملہ آیا تو اللہ نے فرمایا:

﴿ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴾

[کیا ہم نے آپ کے سینے کو کھول نہیں دیا؟]

☆ ...... پھر ذرا دیکھئے کہ ادھر ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام چھوڑ کر گئے کہ میرے بعد قوم کا خیال رکھنا۔ اب قوم نے بات نہ مانی تو ہارون خوف کھانے لگے کہ کہیں بٹ نہ جائیں اور مجھے الزام نہ دیا جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے تو انہوں نے آکر سختی کی تو ہارون علیہ السلام کو کہنا پڑا:

﴿ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَأْسِيْ ﴾

[اے میری ماں کے بیٹے، نہ پکڑ میرے داڑھی اور سر کے بال]

تو یہ کہنا پڑا، لیکن اللہ نے جو دنیا میں نبی ﷺ کو وزیر عطا کیے دنیا میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان کے دین پر استقامت کا یہ معاملہ تھا، جب اسامہ رضی اللہ عنہ کا جیش بھیجنے کا معاملہ تھا، تو ہرقل روم دو لاکھ فوج کو لے کر آیا ہوا تھا، حملہ کرنا چاہتا تھا، نبی ﷺ نے اس کو بھیج تو دیا مگر طبیعت ناساز تھی، تو ان کی اہلیہ نے انکو پیغام بھیجا، جانے میں جلدی نہ کرنا، انتظار کر لینا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پردہ فرمالیا۔ لشکر قریب تھا، وہ بھی اس میں شریک ہوگیا۔ اب لشکر بھیجنے کا فیصلہ ایک مشکل فیصلہ تھا۔ چونکہ مدینہ پر حملہ کے لئے کافر دو لاکھ فوج لے کر آرہا تھا تو صحابہ بڑے تذبذب میں تھے، وہ سمجھ رہے تھے کہ یا تو لشکر کو ابھی نہ بھیجیں اور بھیجیں تو پھر کسی بزرگ تجربہ کار بندے کو امیر بنا کر بھیجیں۔ اسامہ رضی اللہ عنہ تو چھوٹی عمر کے نوجوان ہیں۔ چنانچہ انہوں نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ آئے اور آکر کہنے لگے: ابوبکر رضی اللہ عنہ! اگر آپ نے لشکر کو بھیج دیا تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں مدینہ کی عورتوں کو آنے والے دشمن لے نہ جائیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کے سینے پر ہاتھ مار کر کہا:

الجبار فی الجاہلیۃ اخوار فی الاسلام

جہالت میں اتنے جبار تھے اسلام میں آ کر تم اتنے کمزور ہو گئے!

اور پھر کیا فرمایا؟ فرمایا:

''یہ کیسے ممکن ہے کہ دین میں نقص آ جائے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ زندہ رہے!''

فرمایا: عمر رضی اللہ عنہ! اکیلے بھی جانا پڑے گا تو میں جاؤں گا اور اللہ کے حکم کو پورا کر دکھاؤں گا۔ یہ بھی کہا کہ اگر مجھے پکا یقین ہو کہ مدینہ کی عورتوں کو جنگل سے جانور آ کر نوچ لیں گے، لاشیں گھسیٹیں گے، میں اس کو بھی قبول کر لوں گا مگر میں اس لشکر کو اللہ کے راستے میں ضرور بھیجوں گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی استقامت پر حیران رہ گئے کہ جیسے ایک نبی استقامت کے ساتھ کھڑا ہو کر اللہ کے حکم کو لاگو کر لیتا ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے محبوب کی صحبت میں بیٹھنے کا حق ادا کر دیا۔

☆...... جب موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ آپ جایئے اپنی قوم کے ساتھ ملک میں داخل ہو جایئے فتح ہوگی۔ تو بنی اسرائیل والے سارے کے سارے گھبرا کر بیٹھ گئے کہنے لگے:

﴿ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ ﴾ (مائدہ: ۲۴)

[آپ جائیں اور آپ کا پروردگار، ان سے قتال کر لیں، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں]

لیکن جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کا معاملہ آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میدانِ بدر میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ سامنے لوہے سے لدی ہوئی فوج ہے، بتاؤ! کیا کریں؟ سعد رضی اللہ عنہ اٹھ کر کھڑے ہوتے ہیں، کہتے ہیں: اے اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ حکم دیں کہ دریا میں چھلانگ لگا دو تو ہم آپ کے غلام ہیں سمندر میں چھلانگ لگا دیں گے۔ ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں جو اپنے نبی علیہ السلام کو کہہ

رہے تھے کہ آپ جائیں اور آپ کے رب جائیں قتال کریں، ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ ہم ساتھ چھوڑنے والے نہیں، ہم تو جانیں لٹانیں والے ہیں۔ دیکھیں! اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو کیا ایمان اور استقامت والی جماعت عطا فرمائی تھی، استقامت والی جماعت عطا فرمائی تھی۔ جیسے شاگرد کے کمالات سے استاد پہچانا جاتا ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم کے کمالات سے نبی ﷺ کی شان سامنے آتی ہے۔

اپنی ذات پر محنت کی ضرورت ہے:

تو ہمیں اگر اچھی زندگی گزارنی ہے تو ہمیں اپنے اوپر محنت کرنی پڑے گی، اور یہ محنت ہم کیسے کرسکتے ہیں؟ جب اعمال کو اپنائیں گے۔ تو آج کی جو مجلس ہے اس کا محور، نچوڑ اور خلاصہ یہ ہے کہ ایمان ہم لا چکے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں، اب نیک اعمال رہ گئے ہیں، اس میں ہم محنت کریں اور اپنی زندگی کو نیک اعمال سے مزین کریں۔ جیسے کوئی بندہ کسی گم شدہ چیز کی تلاش میں ہوتا ہے، ہم نیک اعمال کو اسی طرح ڈھونڈیں اور اپنائیں۔

تین باتیں......لوہے کی لکیر:

ہمارے بزرگوں نے فرمایا کہ تین باتیں لوہے کی لکیر ہیں۔ ذرا توجہ کے ساتھ سن لیجئے:

پہلی بات:

مَنْ عَمِلَ لِآخِرَتِهٖ كَفَاهُ اللّٰهُ اَمْرَ الدُّنْيَا

[جو آدمی آخرت کے لئے عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دنیا کے کاموں کے لئے کافی ہو جاتا ہے]

اللہ تعالیٰ ذمہ داری لے لیتے ہیں تم اپنے لئے آخرت کے لئے تیاری کرو، اللہ

فرماتے ہیں میں پروردگار تمہارے دنیا کے کاموں کا معین اور مددگار بنتا ہوں۔

دوسری بات:

مَنْ اَصْلَحَ سَرِیْرَتَهٗ اَصْلَحَ اللّٰهُ عَلَانِیَتَهٗ

[جو اپنی خلوت کو درست کرتا ہے، اللہ اس کے ظاہر کو درست کرتے ہیں]

یعنی جو آدمی اپنے خلوت کے معاملات کو درست کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کے معاملات کو بھی درست فرما دیتے ہیں۔

تیسری بات:

مَنْ اَصْلَحَ فِی مَا بَیْنَهٗ وَ بَیْنَ اللّٰهِ اَصْلَحَ اللّٰهُ مَابَیْنَهٗ وَ بَیْنَ النَّاسِ

[جو اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان تعلق کو درست کرتا ہے، اللہ اس کے اور مخلوق کے درمیان تعلق کو درست رکھتا ہے]

جو شخص اپنے اور اللہ کے درمیان کے تعلق کو اچھا کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ مخلوق کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دیتے ہیں اور اس کے اور مخلوق کے درمیان کے تعلق کو بھی اللہ اچھا کر دیتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ محنت تو ہمیں اپنے اوپر کرنی چاہئے۔ اگر ہم اپنے باطن کو ٹھیک کر لیں گے، اللہ ظاہر کو ٹھیک کر دیں گے۔ اگر ہم اپنے اور اللہ کے درمیان تعلق کو ٹھیک کر لیں گے، اللہ ہمارے اور بندوں کے درمیان تعلق کو ٹھیک کر دیں گے۔ اگر ہم اپنی آخرت پر محنت کر لیں گے، اللہ ہمارے دنیا کے کام سنوار دیں گے۔ تو محنت کا میدان کون سا بنا؟ اپنی ذات بنی۔ اس لئے آج ہماری نگاہیں دوسروں پر پڑتی ہیں، ان کے عیب ڈھونڈتی ہیں، کاش! یہ آنکھیں بند ہو جاتیں، یہ نگاہیں اپنے سینے پر پڑتیں کہ میرے اپنے اندر کیا چھپا ہوا ہے؟ یہ گردن جھکانا بڑا مشکل ہو گیا ہے، گردن کھڑی رہتی ہے، اس میں سریا ہوتا ہے۔ آنکھیں دوسروں کو دیکھتی ہیں، اپنے پر نظر نہیں پڑتی۔

اللہ کے وعدوں کا یقین:

بہر حال لب لباب یہ نکلا کہ چیزوں کے اندر تاثیر، یہ انسانی تجربہ ہے۔ اور اعمال کے اندر تاثیر، یہ خدا کا وعدہ ہے۔ بھئی! اپنے تجربے سے زیادہ خدا کے وعدے پر بھروسہ ہونا چاہئے۔ اگر ہم اپنے تجربے کے تحت بجلی کو ہاتھ نہیں لگاتے، اپنے تجربے کے تحت زہر نہیں پیتے، دور رہتے ہیں کہ یہ نقصان دہ ہے، تو پھر خدائی وعدہ تو یہ ہے، گناہ کرو گے تو عذاب پاؤ گے۔ ہم گناہوں سے کیوں نہیں بچتے؟ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم گناہوں سے بچیں، اللہ کی ناراضگی سے اپنے آپ کو محفوظ کر لیں۔ یہ جو انسان کے گناہ ہیں، ان کے اوپر اللہ کی ناراضگی آتی ہے۔

لینے والا مزاج:

آج پوری دنیا میں آپ گھوم کر دیکھ لیں آج لوگوں کا لینے کا مزاج بنا ہوا ہے۔ ہر بندہ لینا چاہتا ہے، ہر کسی سے لینا چاہتا ہے۔ لینے کا مزاج، جھوٹ...... لینے کے لئے دلیل، سود...... لینے کی دلیل، دھوکہ...... لینے کی دلیل، خیانت...... لینے کی دلیل، غبن...... لینے کی دلیل، چوری...... لینے کی دلیل، ڈکیتی...... لینے کی دلیل، ناپ تول میں کمی بیشی...... لینے کی دلیل۔ تو یوں لگتا ہے کہ عمومی مزاج ہی لینے کا بن گیا ہے۔

دینے والا مزاج:

اور شریعت کو دیکھو کہ وہ مومن کو کہتی ہے کہ تم دینے کا مزاج بناؤ۔ یا اللہ! دینے کا مزاج! کہا: ہاں! تم مومن ہو، لینے کا مزاج نہیں رکھنا، دینے کا مزاج رکھنا ہے۔ کیسے دیں؟ فرمایا: زکوٰۃ دو! تمہارے مال میں غریبوں کا حق ہے۔

﴿ وَ فِي اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِلسَّائِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ ﴾

(معارج: ۲۴، ۲۵)

[اور جن کے مالوں میں حصہ مقرر ہے، سوالی اور غیر سوالی کے لیے]

زکوۃ دو! اچھا اللہ! زکوۃ دے دی۔ فرمایا کھیتی کرتے ہو، عشر ادا کرو! اچھا اللہ! عشر بھی ادا کر دیا۔ فرمایا: اللہ کے راستے میں نفلی صدقات بھی دو! صدقہ بھی کرو! اچھا اللہ! ہم نے یہ صدقہ بھی کر لیا۔ فرمایا: ایک دوسرے کو ہدیہ بھی دو!

تھا دو تحابوا [تم ہدیہ کرو گے، محبتیں بڑھیں گی]

دینے کا مزاج دیکھو زکوۃ دینا، عشر دینا، صدقہ دینا، ہدیہ دینا، ھبہ کرنا۔ اللہ! آپ مومن کو کہتے ہیں دے دے، دے گا تو لے گا کہاں سے؟ فرمایا: میرے بندے! بات کو سمجھو! میرے آگے ہاتھ کو پھیلاؤ! میں تمہاری جھولیاں بھر دوں گا۔ تم ہاتھ بڑھاؤ! تم لوگوں کو دو! تم لوگوں کی جھولیاں بھرو گے، مجھ سے مانگو گے، میری مخلوق بن جاؤ گے۔ لوگوں کو دو گے تو تم لوگوں کے محبوب بن جاؤ گے۔ عزتوں والی زندگی گزارنے کا طریقہ میں تمہیں بتاؤں گا: اللہ سے لے! اللہ کی مخلوق کو دے! اس لئے شریعت نے دینے کا مزاج بنایا۔

تو ہم اپنی زندگی سے گناہوں کو چن چن کر ختم کریں اور اللہ رب العزت سے معافیاں مانگیں۔ جو گناہ ہم کر چکے، اے اللہ! آپ ان کو معاف کر دیجئے، ہمارے گناہوں کو بخش دیجئے۔

سچی توبہ کا اعجاز:

چنانچہ ہر انسان کے گناہوں پر قیامت کے دن چار گواہیاں ہوں گی۔

......ایک گواہی ہوگی فرشتوں کی، کراماً کاتبین کی گواہی۔

......دوسرے گواہ ہوں گے انسان کے اعضاء۔

......تیسری گواہ ہوگی زمین۔

یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا

...... چوتھی گواہی انسان کا نامہ اعمال۔

لیکن جب بندہ سچی توبہ کر لیتا ہے تو حدیث پاک میں آتا ہے:

اِذَا تَابَ الْعَبْدُ اَنْسَى اللّٰهُ حَفَظَهٗ ذُنُوْبَهٗ وَاَنْسٰى ذٰلِكَ جَوَارِحَهٗ وَمَعَالِمَهٗ مِنَ الْاَرْضِ

[جب بندہ توبہ کرتا ہے تو اللہ فرشتوں کو بھی اس کے گناہ بھلا دیتے ہیں اور اس کے اعضاء کو بھی گناہ بھلا دیتے ہیں اور زمین کے ٹکروں کو بھی بھلا دیتے ہیں]

حَتّٰى يَلْقَ اللّٰهَ وَلَيْسَ عَلَيْهِ شَاهِدًا مِّنَ اللّٰهِ بِذَنْبٍ

[وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرتا ہے کہ اس کے گناہوں کی گواہی دینے والا کوئی بھی نہیں ہوتا]

علمی نکات:

یہاں پر طلباء کے لئے ایک دو علمی نکتے:

دنیا کی عدالت میں اگر کسی پر جھوٹا مقدمہ کر دیا جائے اور کیس کی پیروی سے پتہ چل جائے کہ مقدمہ جھوٹا تھا تو عدالت کہے گی: ہم نے باعزت بری کر دیا۔ آپ کہیں جناب ریکارڈ ختم کریں! وہ کہیں گے کہ ریکارڈ تو ختم نہیں کر سکتے، یہ تو رکھیں گے، ساری عمر ریکارڈ رہے گا کہ مقدمہ ہوا تھا۔ حالانکہ جھوٹا تھا مگر عدالت ریکارڈ ختم کرنے پر راضی نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کا معاملہ دیکھو! ایک بندہ مجرم تھا، گناہ کیا تھا، رحم کی اپیل کر دی...... میرے اللہ! میں نادم ہوں، شرمندہ ہوں، میری توبہ قبول کر لیجیے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، میں پروردگار ہوں، فقط باعزت بری ہی نہیں کرتا، میں اس کا ریکارڈ بھی نامہ اعمال سے ختم کر دیتا ہوں۔

اب یہ نامہ اعمال سے ختم کرنے میں کیا حکمتیں ہیں؟ ذرا توجہ سے سنئے،

پہلی بات، اگر نامہ اعمال میں گناہ ہوتے مگر لکیر پھیر دی جاتی تو قیامت کے دن ہر مومن اپنا نامہ اعمال دوسروں کو پڑھوائے گا، کہے گا: میرے نامہ اعمال کو دیکھو،

﴿ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتَابَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَیَقُوْلُ هَاۗؤُمُ اقْرَءُوْا كِتَابِیَهْ ۝ اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ ۝ ﴾ (الحاقۃ: ۱۹۔۲۱)

[دیکھو میرے نامہ اعمال کو، مجھے یقین تھا کہ مجھے میرا حساب کتاب ضرور ملے گا]

تو نامہ اعمال اس نے اپنے قریبی لوگوں کو دکھانا تھے، رب کریم نے فرمایا: اے میرے بندے! جو گناہ تو کر بیٹھا، اگر اس پر نشان بھی کاٹے کا لگا دیں، لکیر بھی لگا دیں، تب بھی اگر کوئی تیرا نامہ اعمال دیکھے گا، اسے پتہ تو چلے گا نا کہ میاں! کرتوت کچھ کئے تھے مگر معاف کر دیا گیا۔ میرے بندے معافی مانگنے کے بعد یہ بھی تیری ذلت ہے، میں تجھے اس ذلت سے بھی بچا دیتا ہوں، میں سرے سے گناہوں کو تمہارے نامہ اعمال سے نکال دیتا ہوں، کسی کو پتہ نہیں چلے گا گناہ کئے تھے یا نہیں۔

دوسری بات یہ کہ نامہ اعمال سے تو گناہ ختم کر دیئے مگر فرما رہے ہیں: انسی اللہ حفظہ ''اللہ بھلوا دیتا ہے'' گویا گناہ اللہ مٹاتے ہیں، اللہ بھلواتے ہیں، بھئی یہ کام تو فرشتوں سے بھی کروا سکتے تھے۔ دنیا کے حاکموں نے کام کروانا ہو تو کلرکوں سے کرواتے ہیں، بھئی یہ کام کرو! یہاں رب کریم فرشتوں سے نہیں فرمارہے کہ یہ کام کرو! فرماتے ہیں: ہم مٹاتے ہیں، ہم بھلاتے ہیں۔ ہم تمہارے عملوں کو معاف کرنے اور بھلانے کا عمل اسلئے کر رہے ہیں کہ اگر فرشتوں سے یہ کام لیتے، کل تمہارے نامہ اعمال کو دیکھ کر فرشتے یہ جانتے ہوتے کہ اصل حقیقت کیا ہے؟ ہم نے ان کے کرتوتوں کو مٹایا ہوا ہے۔ تمہیں فرشتوں کا احسان مند ہونا پڑتا، یا فرشتوں کا طعنہ سننا پڑتا، تم نے میرے ساتھ دوستی کر لی، نہ تمہیں فرشتوں کا طعنہ سننا پڑے گا نہ تمہیں احسان مند ہونا پڑے گا۔ میں پروردگار تمہارے گناہوں کو خود مٹاتا ہوں۔ اتنا

کریم آقا۔ اللہ اکبر کبیرا!

توبہ کے لیے جامع دعا:

اس لئے فرمایا کہ جب کوئی بندہ گناہ سے توبہ کرے تو اللہ رب العزت سے دعا مانگے کہ

﴿ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلَانَا ﴾

وَاعْفُ عَنَّا، اے اللہ! ہمارے گناہوں کے آثار مٹا دیجئے، ہمارے قبیح اعمال کو ڈھانپ دیجئے، تا کہ کل قیامت کے دن، ہماری رسوائی نہ ہو۔

وَاغْفِرْلَنَا اور اچھے اعمال کو لوگوں پر ظاہر کر دیجئے، تو واعف عنا سے گناہ مٹا دیجیے اور واغفر لنا سے نیک اعمال کو لوگوں پر ظاہر بھی فرما دیجئے۔

اس کے بعد ایک عجیب بات فرمائی! فرمایا: کہو! وَارْحَمْنَا اللہ ہم پر رحم بھی فرما دیجئے۔ یہ وارحمنا کیوں لے کر آئے؟ اس لئے کہ بیٹے سے اگر باپ ناراض ہو، خرچہ پانی بھی بند کیا ہو، بولنا بھی چھوڑا ہوا اور بیٹا آ کر ابو کے پاؤں پکڑ لے تو باپ اس سے راضی ہو کر معاف بھی کر دیتا ہے اور پھر اس کے خرچے بھی جاری کر دیتا ہے، بلکہ جیب خرچ بڑھا دیتا ہے کہ تم نے معافی مانگ لی۔

تو یا اللہ! گناہ کئے تھے، آپ کی رحمتیں نازل ہونا بند ہو گئی تھیں، اب تو ہم نے معافی مانگ لی، یا اللہ! ابا کو منالیں جیب خرچ شروع ہو جاتا ہے، اب تو ہم نے ربا کو منالیا، اب آپ بھی ہمارا جیب خرچ شروع کر دیجئے، کون سا جیب خرچ؟ وارحمنا والا جیب خرچ۔

چار انعامات:

مفسرین نے لکھا کہ وارحمنا کے تحت بندے کو چار انعام ملتے ہیں:

پہلا انعام:

پہلا انعام توفیقِ عبادت، جو گناہوں کی وجہ سے چھن گئی تھی۔ اللہ رب العزت توبہ کے بعد عبادت کی توفیق دوبارہ عطا فرما دیتے ہیں۔ گناہوں کے سبب عبادت کی توفیق چھن جاتی ہے، نماز پڑھنی مشکل، تلاوت مشکل، تہجد مشکل۔ وہ جو توفیق چھن گئی تھی، فرمایا: اب تم نے صلح کر لی، میرے دوست بن گئے، لہٰذا اب ہم تمہیں پھر توفیقِ عبادت دے دیتے ہیں۔

دوسرا انعام:

فرمایا کہ گناہوں کے سبب تمہیں رزق میں بے سکونی تھی، معیشة ضنکا۔ اب ہم سکون والی روزی دے دیتے ہیں، فراخ روزی دے دیتے ہیں، پرسکون روزی لو اور اس سے نیک اعمال کرو، اللہ کے راستے میں جاؤ اور اس سے خوب میرے گھر کا دیدار کرو۔ اس لئے کہ اب تمہیں خرچہ مل گیا۔ خرچہ ملنے کے بعد اب تم حج عمرے کرو، نمازیں پڑھو، میرے محبوب کے در پر حاضری دو۔ تم کہتے تھے نا کہ

شنے روضے تا چہ زے
مدینے تا چہ زے

[گنبد خضراء کی طرف جب آپ جائیں، مدینہ کی طرف جب آپ جائیں]

اللہ اپنے محبوب کا گھر دکھا دیں، مگر گھر کیا دیکھنا؟ اب میں دے دیتا ہوں، کرو ذرا میرے گھر کا سفر! آؤ میرے گھر! یا اللہ! آپ کتنے کریم ہیں! بندے پر اتنی مہربانی فرماتے ہیں۔

تیسرا انعام:

تیسرا انعام میں یہ دوں گا کہ بے حساب تمہارے گناہوں کی مغفرت فرما دوں

گا، بے حساب جنت میں داخلہ۔ یا اللہ! یہ بے حساب کیسے ہو گیا؟ اس بات کو سمجھیں۔ ہم نے ایک مرتبہ حج کے سفر میں ایئرپورٹ پر دیکھا۔ جو وہاں کسٹم والے ہوتے ہیں وہ ہر سامان کو چیک کر کے چاک کا نشان لگاتے ہیں، جب ہم گئے تو ان کو ہماری مسکین صورت پر رحم آ گیا۔ ٹرالی کے اوپر سامان تھا، انہوں نے کسٹم کا نشان لگا دیا۔ کہتا ہے: جاؤ بھئی! یا اللہ! جنت میں بے حساب ایسے ہی جائیں گے نا؟ اگر دنیا والے چاک کا نشان لگا دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ بھی قیامت کے دن نشان لگا دیں گے، جاؤ! بے حساب کتاب جنت میں۔

چوتھا انعام:

فرمایا کہ دخول جنت تمہارے لئے آسان فرما دیں گے۔ دخولِ جنت کیسے آسان؟ حدیث پاک میں بڑا عجیب مضمون آتا ہے! اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک بندے کو بلائیں گے، اس کے گرد رحمت کا ایک پردہ تان دیں گے اور پھر اس بندے کے تمام زندگی کے بڑے بڑے گناہ گنوائیں گے۔ کذا و کذا تو نے یہ کیا اور یہ کیا؟ جی یا اللہ! کیا۔ یہ بھی کیا؟ یہ بھی کیا۔ یہ بھی کرتے تھے؟ جی، یہ بھی کرتے تھے؟۔ اتنے گناہ گنوائیں گے کہ وہ بندہ دل میں سوچے گا کہ آج میں جہنم کی آگ سے بچ نہیں سکتا۔ اللہ فرمائیں گے: اچھا! تو نے گناہ تو کئے مگر مجھ سے دعائیں مانگتا تھا، نیک بننے کی کوشش بھی کرتا تھا، ہم نے تیری ان کوششوں کو قبول کر کے تیرے سارے گناہوں کو تیری نیکیوں میں تبدیل کر دیا۔ پھر جو رحمت کا پردہ ہٹے گا، ساری مخلوق دیکھے گی، اس بندے کے نامہء اعمال میں کوئی بھی گناہ نہیں۔ لوگ سوچیں گے یہ انبیاء میں سے کوئی نبی ہے یا صدیقین میں سے ہے، جس نے زندگی میں کبھی کسی گناہ کا ارتکاب ہی نہیں کیا۔ اللہ ایسے بندے کو فرمائیں گے۔ اللہ اکبر کبیرا۔

تو وارحمنا کے تحت اللہ یہ سب نعمتیں دیں گے اور پھر آخر پر فرمایا:

أَنْتَ مَوْلٰنَا أَنْتَ سَيِّدُنَا وَ مَالِكُنَا وَمُتَوَلِّي الْأُمُوْرِ

دیکھو ایک دعا سکھا کے اللہ نے کتنی آسانیاں بندے کے اوپر فرمائیں، کتنی رحمتیں فرما دیں!

ماسٹر پیس کیسے ہوتے ہیں؟

لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی اصلاح کی کوشش کریں، اپنے اعمال سنواریں۔ ہم جب سنور جائیں گے، اللہ ہمیں دین کی اشاعت کا ذریعہ بنائیں گے۔ جدھر سے گزر جائیں گے، لوگ شکلیں دیکھ کر کلمہ پڑھنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ نے ایک مرتبہ بنگال کا سفر کیا۔ سات لاکھ انسانوں نے کلمہ پڑھا، ستر لاکھ گناہگاروں نے ان کے ہاتھ پہ بیعت توبہ کی۔ جیسے کوئی کاریگر ماسٹر پیس بنا دیتا ہے نا! لوگوں کو دکھاتا ہے لوگوں کو کیسا ہے؟ جو اللہ کا بن جاتا ہے۔ اللہ اس ماسٹر پیس کو ساری دنیا کے اندر پہنچا دیتا ہے، دنیا کے لوگوں کو دکھا دیتا ہے کہ دیکھو! تم بھی تو آج کے دور میں ایسے بن سکتے ہو؟ پھر اللہ بندے کے لئے راستے کھول دیتے ہیں۔ پھر ہم دین کا کام کریں اور اپنی زندگیاں دین کے لئے خرچ کریں۔

یاد رکھنا! آج کے دور میں انسان دین پر زندگی گزارے، دین کی اشاعت کرے، وہ اللہ کا محبوب ہے، اس لئے کہ آج کے دور میں دین یتیم ہو چکا ہے۔ یاد رکھنا کہ جس طرح حلیمہ سعدیہ نے یتیم مکہ کو سینے سے لگایا تھا، اللہ نے اس کے گھر کو رحمتوں سے بھر دیا تھا، ہم اس دین کو سینے سے لگائیں گے، اللہ ہمارے گھروں اور مدارس کو رحمتوں سے بھر دیں گے۔ مخلوق کے دلوں میں ایسی محبتیں ڈال دیں گے کہ آنے والے وقتوں میں لوگ ہماری قبروں سے لپٹ کر رویا کریں گے۔ اللہ ہمیں اپنی زندگی میں اپنے آپ کو سنوارنے والی محنت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ مومن کے پاس اپنے گناہوں کی شرمندگی کا جو رونا ہے، یہ بڑی نعمت ہے۔ نبی ﷺ نے ارشاد

فرمایا: مومن کی آنکھ سے جو اللہ کی خشیت کی وجہ سے آنسو نکلتا ہے، وہ اس کے لئے دنیا وما فیہا سے بہتر ہوا کرتا ہے۔ایک پنجابی صوفی شاعر فرماتے ہیں:

جیہڑا لطف ہے روون اندر
او وِچ بیان نہ آوے
رونا دل دی میل اتارے
نالے روٹھڑے یار مناوے
تے یادِ خدا وِچ روون والا
کدے دوزخ وِچ نہ جاوے

اللہ ہمیں اپنی یاد میں رونے کی سعادت عطا فرمائے، قیامت کے دن کی ذلت سے محفوظ فرمائے۔

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین

وَمَا هٰذِهِ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ

(عنکبوت: ٦٤)

دنیا کی حقیقت

حضرت اقدس کا یہ بیان 21 اکتوبر 2002ء کو مدینہ مسجد جھنگ میں بعد نماز فجر، سالانہ نقشبندی اجتماع کی پہلی نشست میں ہوا جس میں حضرت دامت برکاتہم کے خلفاء، علماء اور سینکڑوں کی تعداد میں مریدین شریک تھے۔

اقتباس

......کھیل تماشہ گھڑی دو گھڑی کی بات ہوتی ہے، دنیا کی زندگی بھی ایسی ہی ہے۔ جب انسان جانے لگے گا تو اس وقت احساس ہوگا کہ میں دنیا میں رہا، مگر صبح کا تھوڑا وقت یا شام کا تھوڑا وقت۔ جہنمی قیامت کے دن کہیں گے کہ ''ہم دنیا میں نہیں رہے مگر تھوڑی دیر'' ہم خود گزری ہوئی زندگی کا تصور کر کے دیکھیں، ہمیں اپنی زندگی کے پچاس سال ایک خواب کی طرح سے نظر آتے ہیں، ایسے لگتا ہے کہ بچپن، کل کی بات ہے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

دنیا کی حقیقت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَمَا ھٰذِہِ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا لَھْوٌ وَّ لَعِبٌ (عنکبوت:۶۴)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○

وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ.

سفر آخرت کے مسافر:

دنیا دار العمل اور آخرت دار الجزا ہے۔ دنیا دار الفنا ہے اور آخرت دار البقاء ہے۔ دنیا دار الغرور ہے اور آخرت دار السرور ہے۔ ہم سب کے سب یہاں مسافر ہیں۔ ہم خوشی کے عالم میں ہوں یا غمی کے عالم میں، صحت مند ہوں یا بیمار، مشغول ہوں یا فارغ ہوں، ہمیں احساس ہو یا نہ ہو، ہمارا سفر ہر حال میں جاری وساری ہے۔ ہر دن ہمیں منزل کے قریب سے قریب تر کر رہا ہے۔

دنیا امتحان گاہ ہے:

اس کے ساتھ ساتھ یہ دنیا امتحان گاہ بھی ہے، یہاں ہر انسان کو آزمایا جا رہا ہے۔ کسی کو پروردگار عالم نے رزق کھلا دے کر آزمائش کی، کسی کی صحت کی کیفیت میں آزمائش کی، کوئی بیماری کے حال میں آزمائش میں ہے۔ کامیاب ہے وہ انسان، جو ہر حال میں اللہ کے حکموں کو مدنظر رکھے، نبی ﷺ کی مبارک سنتوں پر عمل کرے۔ اس دنیا میں اللہ رب العزت نے ایسے جال اور پھندے بنوا دیے کہ انسان

الجھ کر رہ جاتا ہے، بڑے بڑے عقلمندوں کو دھوکے لگتے ہیں۔ کہنے کو اعلیٰ تعلیم یافتہ مگر نماز کی فرصت نہیں، کہنے کو بڑے ذہین ہیں، لیکن اللہ کے گھر کا دروازہ یاد نہیں۔ ایسا عقلمند انسان اصل میں بے وقوف ہے اس لیے اللہ رب العزت نے کافروں کو کہا ہے۔

ذٰلِكَ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ

[یہ لوگ وہ قوم ہیں جنہیں عقل ہی نہیں]

ان کو حقیقت سمجھ میں نہیں آتی کہ اصل کیا ہے؟ انسان وقتی لذتوں اور واہ واہ کے پیچھے ایسا الجھ جاتا ہے کہ مقصود حقیقی سے نظر ہٹ جاتی ہے۔

دو قسم کے گناہ:

گناہ دو قسم کے ہیں: کچھ گناہ جاہ سے تعلق رکھتے ہیں اور کچھ گناہ باہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جاہ: مقام اور مرتبہ کو کہتے ہیں، مثلاً: انسان چاہے کہ مجھے بڑا عالم سمجھا جائے، بڑا چودھری اور سردار سمجھا جائے، ہر کام مجھ سے پوچھ کر کیا جائے، جو صفات مجھ میں ہیں وہ کسی میں نہیں۔ اور دوسرے گناہ، باہ یعنی شہوت سے تعلق رکھتے ہیں۔

ان دونوں میں سے جو گناہ جاہ سے تعلق رکھتے ہیں وہ زیادہ نقصان دہ ہیں۔ عمومی طور پر جو انسان باہ کے گناہوں میں ملوث ہوتا ہے اس کے دل میں ندامت ہوتی ہے، اس کی ندامت کسی بھی وقت معافی کا سبب بن سکتی ہے لیکن جاہ کے گناہ ایسے ہیں کہ آدمی اپنے آپ کو راہ راست پر سمجھ رہا ہوتا ہے۔ خود پسندی، تکبر جیسے گناہوں کا انسان کے اندر سے نکلنا بڑا مشکل ہے۔

تکبر ایٹمی گناہ:

خود پسندی اور تکبر اتنے خطرناک گناہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ نے

فرمایا:

لا یدخل الجنة......

جنت میں وہ شخص داخل نہیں ہوسکتا جس کے اندر ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا۔

ذرہ انگریزی میں ایٹم (Atom) کو کہتے ہیں اس لیے یہ ایٹمی گناہ ہے۔ ایٹمی ہتھیار جس قدر تباہی پھیلا دیتے ہیں، تکبر زندگی میں تباہی پھیلا دیتا ہے، یہ بندے کے اندر سے بڑی دیر کے بعد نکلتا ہے۔ حدیث پاک میں ہلاک کر دینے والے کاموں میں ایک بات یہ بتلائی کہ بندے کا اپنے اوپر عجب کرنا۔ نیکی کے ساتھ خود پسندی، عجب اور تکبر چلتا رہتا ہے۔ آدمی ایک طرف پرہیز گاری کی زندگی گزارتا ہے، ذکر و شغل کی زندگی بھی گزارتا ہے، مگر دوسری طرف اپنے جیسا کسی کو نہیں سمجھتا۔ لوگوں کی نظر میں اپنے آپ کو گرانا بہت آسان ہے، اپنی نظر میں اپنے آپ کو گرانا بہت مشکل کام ہے۔ انسان اللہ کا دوست اس وقت بنتا ہے جب اپنے آپ کو اپنی نظر میں گرا دیتا ہے۔ سیدنا عمر فاروق ﷛ یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ فِیْ عَیْنِیْ صَغِیْرًا وَ فِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ کَبِیْرًا

''اے اللہ! مجھے میری نظر میں چھوٹا بنا دیجئے اور دوسری کی نظر میں بڑا بنا دیجیے''

آج کل جسے چند سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق حاصل ہوگئی وہ اپنی نیکیوں پر اتراتا پھرتا ہے۔ اس اجتماع کا مقصد خود پسندی کے بت کو توڑنا، اپنے آپ کو مٹانا ہے۔

نفس کو مارنے کا مطلب:

نفس کو مارنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی زندہ چیز ہے جس کا گلا گھونٹا جائے گا بلکہ اپنے اندر کی خواہشات کو قابو میں لے آنا۔ جب نفس کو من پسند تمناؤں اور

خواہشات سے روک لیں گے تو انسان کا دل خود بخود دنیا سے ٹھنڈا ہو جائے گا اور اللہ رب العزت کے ساتھ محبت کا تعلق زیادہ ہو جائے گا۔

دنیا کی زندگی ایک کھیل تماشہ ہے:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ ﴾ (عنکبوت:۶۴)

[اور یہ دنیا کی زندگی نہیں ہے، مگر کھیل تماشہ]

دنیا کی زندگی کو کھیل تماشہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی زندگی اور کھیل تماشے کے درمیان بہت مشابہت ہے، مثلاً:

☆......کھیل تماشہ گھڑی دو گھڑی کی بات ہوتی ہے، دنیا کی زندگی بھی ایسی ہی ہے۔ جب انسان جانے لگے گا تو اس وقت احساس ہوگا کہ میں دنیا میں رہا، مگر صبح کا تھوڑا وقت یا شام کا تھوڑا وقت۔ جہنمی قیامت کے دن کہیں گے کہ "ہم دنیا میں نہیں رہے مگر تھوڑی دیر" ہم خود گزری ہوئی زندگی کا تصور کر کے دیکھیں، ہمیں اپنی زندگی کے پچاس سال ایک خواب کی طرح سے نظر آتے ہیں، ایسے لگتا ہے کہ بچپن، کل کی بات ہے۔

سیدنا نوح علیہ السلام کی جب وفات ہوئی تو پوچھا گیا: اے میرے نبی! آپ نے دنیا کی زندگی کو کیسا پایا؟ انہیں کم و بیش ایک ہزار سال کی زندگی ملی تھی۔ انہوں نے جواب دیا: اے اللہ! مجھے یوں محسوس ہوا کہ ایک مکان کے دو دروازے ہیں، ایک دروازے سے داخل ہوا اور دوسرے سے نکل گیا۔

☆......اکثر اوقات دیکھا ہے کہ جو لوگ کھیل تماشہ دیکھتے ہیں، انہیں بعد میں اپنے وقت کے ضائع ہونے پر افسوس ہوتا ہے کہ پیسے بھی ضائع کیے اور وقت بھی ضائع کیا۔ بالکل اسی طرح دنیا دار انسان موت کے وقت اپنی گزری ہوئی زندگی پر حسرت

اورافسوس کرتا ہے کہ میں نے اپنی زندگی کو ضائع کر دیا۔

☆......کئی کھیل تماشے تو ڈرامے کی مانند ہوتے ہیں، سکرین پر سائے کی مانند چلتے ہیں۔ یہ دنیا کی زندگی بھی سائے کی مانند ہے۔ انسان کو چاہیے کہ دنیا کے پیچھے بھاگنے کی بجائے اپنی آخرت بنانے کی فکر کرے۔

دنیا کیا ہے؟

جب دنیا کا نام لیا جاتا ہے تو کئی دوست اس کی حقیقت کونہیں سمجھ پاتے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا سے مراد سب کچھ چھوڑ دینا اور عبادت کے لیے غار میں جا بیٹھنا ہے۔ ہرگز ایسا نہیں۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

''چیست دنیا از خدا غافل بدن''

[خدا سے غافل ہونے کا نام دنیا ہے]

اللہ رب العزت سے غافل ہونے کا نام دنیا ہے۔ کام کاج کرنا، مال و دولت ہونا، بیوی بچوں کا ہونا، اس کا نام دنیا نہیں۔ چنانچہ ایسے انبیائے کرام علیہم السلام بھی گزرے ہیں، جو وقت کے نبی بھی تھے اور وقت کے بادشاہ بھی تھے۔ اللہ رب العزت نے ان کو دین کی شاہی بھی عطا فرمائی اور دنیا کی شاہی بھی عطا فرمائی تھی۔ عین ممکن ہے کہ ایک آدمی دیکھنے میں ارب پتی ہو لیکن اللہ کے ہاں اس کا شمار فقراء میں ہوتا ہو۔ اور عین ممکن ہے کہ ایک آدمی دیکھنے میں غریب ہو اور اللہ کے ہاں فرعون اور قارون کے ناموں میں اس کا نام بھی شامل ہو، یہ تو دل پر منحصر ہے کہ دل کے اندر کیا بھرا ہے۔

دنیا کی طالب کتے:

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

اَلدُّنْیَا جِیْفَۃٌ وَ طَالِبُوْھَا کِلَابٌ

[دنیا مردار ہے اور اس کے طلب کرنے والے کتے ہیں]

ممکن ہے یہ لفظ کسی کو ذرا ثقیل لگے اس لیے کہ ابھی دنیا کی محبت ہمارے دل میں ہے۔ جس چیز سے محبت ہو اس کی برائی کی جائے تو بری لگتی ہے مگر حدیث پاک کے الفاظ یہی ہیں۔

کتے سے تشبیہ کی وجہ:

نبی ﷺ نے کتے کے ساتھ تشبیہ کیوں دی؟ علماء نے اس کے بڑے علمی نکات بیان کیے ہیں۔ کتا بھی مردار کھاتا ہے، کوا بھی مردار کھاتا ہے مگر دنیا کے طلبگار کو کتے سے تشبیہ دی ہے، اس میں بنیادی فرق سمجھ لیں۔

(۱)......کوے کی عادت ہے کہ جب اسے مردار نظر آئے تو شور مچاتا ہے، اوروں کو بھی بلاتا ہے تاکہ سب مل کر کھا سکیں۔ لیکن کتے کی عادت ہے کہ اس کو کہیں سے مردار مل جائے تو خاموشی کے ساتھ سارے کا سارا خود چٹ کرنا چاہتا ہے۔ دنیا دار کی بھی مثال ایسی ہی ہے، وہ چاہتا ہے کہ اسے جہاں سے ملے بغیر کسی کو پتہ چلے میں اس کو پورا سمیٹ لوں۔

(۲)......کوے کو دیکھا کہ وہ باقی مردار کا گوشت تو کھا لے گا، لیکن مردہ کوا پڑا ہو تو وہ نہیں کھائے گا لیکن کتے کی عادت ہے کہ جہاں وہ باقی جانوروں کا گوشت کھاتا ہے اور اگر اسے مردار کتا بھی مل جائے تو اسے بھی کھا لیتا ہے۔ دنیا دار بندہ بھی اس طرح دوسرے انسان کا مال ہضم کرنے کے داؤ پر لگا ہوتا ہے۔

(۳)......پھر دیکھا کہ کوا جہاں مرے، دوسرے کوے وہاں نہیں آتے، اس سے عبرت پکڑتے ہیں۔ چنانچہ کوے کو مار کر لٹکا دیجیے دوسرے کوے وہاں سے غائب ہو جائیں گے۔ وہ عبرت پکڑتے ہیں۔ لیکن کتا عبرت نہیں پکڑتا، ایک کتا جس جگہ

مرے دوسرا اس جگہ پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح انسان کے اندر بھی کتے کی سی بات ہے کہ وہ دوسرے کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے، عبرت پکڑنے کی بجائے خود بھی ویسے عمل شروع کر دیتا ہے۔

(۴)...... کوے کو دیکھا کہ اگر دن میں وہ مردے کے پاس ہے بھی، تو رات کو مردے کو چھوڑ کر گھونسلے میں واپس آ جاتا ہے۔ مگر کتے کی یہ عادت نہیں، وہ دن میں مردے کو کھاتا ہے اور رات کو اس کا پہرہ دیتا ہے، دن میں بھی مردے کے پاس اور رات بھی مردے کے پاس۔ اور یہی دنیا دار کی بھی مثال ہے کہ سارا دن دنیا سمیٹنے میں لگا رہتا ہے اور ساری رات دنیا سمیٹنے کی پلاننگ کرتا رہتا ہے۔ سارا دن یہ دکان کے اندر اور جب رات آئی تو دکان اس کے اندر، دن رات اسی سوچ میں لگا ہوا ہے۔

(۵)...... یہ بھی دیکھا گیا کہ کوا گوشت کھا لیتا ہے، ہڈیوں کو کچھ نہیں کہتا لیکن کتا جہاں مردے کا گوشت کھاتا ہے وہاں اس کی ہڈیوں کو بھی چبا لیتا ہے۔ دنیا دار کی مثال بھی یہی ہے کہ وہ جس سے فائدہ لیتا ہے اس سے اپنا مال ہی واپس نہیں لیتا بلکہ سود در سود واپس لیتا ہے۔

تو معلوم ہوا کہ دنیا دار کی کوے کی نسبت کتے سے مشابہت زیادہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا کہ واقعی دنیا دار کے اندر وہی باتیں ہیں جو کسی کتے کے اندر ہوتی ہیں۔

آخرت دنیا پر مقدم ہے:

دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا اللہ رب العزت کے ہاں بہت بڑا گناہ ہے۔ یہ پیغام پہلی کتابوں میں دیا گیا اور آخری کتاب میں بھی دیا گیا۔ اس بات کو کھول کھول کر بیان کیا گیا ارشاد فرمایا:

﴿ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى اِنَّ هٰذَا لَفِي

الصُّحُفِ الْاُولٰی ﴾ (الاعلیٰ:۱۶)

''تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو، حالانکہ آخرت اس سے بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے، بے شک یہی بات پہلے صحیفوں میں بھی درج ہے''

اور یہ پیغام ہم اس آخری کتاب میں ہی نہیں دے رہے، بلکہ پہلی کتابوں میں بھی یہ پیغام عطا کیا گیا۔ یہ ایسا پیغام ہے، جو انسانیت کو شروع سے لے کر آج تک مل رہا ہے۔

دنیا پر آخرت کو مقدم رکھو! اگر دنیا فنا ہونے والا سونا ہوتی اور آخرت باقی رہنے والی ٹھیکری ہوتی پھر بھی عقل کا تقاضا یہ تھا کہ ہم آخرت کو دنیا پر مقدم کر لیتے۔ جب کہ معاملہ الٹ ہے، دنیا فنا ہونے والی ٹھیکری کی مانند ہے اور آخرت باقی رہنے والے سونے کی مانند ہے۔ ہم آخرت کو بھول جاتے ہیں اور دنیا کی چاہتوں کو پورا کرنے میں لگے رہتے ہیں۔

دنیا سے کنارہ کشی کا مطلب:

دنیا سے کنارہ کشی کا مطلب یہ ہے کہ انسان دین کو دنیا پر ترجیح دے۔ جس شخص نے دین کو دنیا پر ترجیح دینا شروع کر دی اس نے گویا دنیا سے کنارہ کشی شروع کر دی۔ یہ دنیا امتحان گاہ ہے، ہر طرف جال اور پھندے ہیں، اتنے پھندے ہیں کہ انسان کو ہلاک ہونے والوں پر تعجب نہیں ہوتا۔ تعجب ان پر ہوتا ہے جو ان پھندوں سے ایمان سلامت لے کر چلے جاتے ہیں کہ کتنے عظیم لوگ ہیں!

ایک بزرگ فرمایا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا بغیر محنت دینے کا وعدہ کیا ہے، ہم یہاں دنیا سمیٹنے کے لئے محنت کرتے ہیں۔ جب کہ آخرت کو محنت کے ساتھ مشروط کیا اور اس کے لئے ہم محنت ہرگز نہیں کرتے۔

طمع کے یار:

یادرکھیے کہ اس دنیا میں سب طمع کے یار ہیں، اصل یار اللہ رب العزت ہے یا پھر اللہ کے پیارے محبوب ﷺ ہیں یا پھر جن کی زندگی ان کے نقش قدم پر گزرتی ہے، یعنی اولیاء اللہ۔ اس کے علاوہ ہر ایک کو طمع ہوتی ہے، جس وجہ سے کوئی تعلق رکھتا ہے۔ رہ گئی بات رشتے داری اور برادری کی ان کو تو اپنے گوشت کا قیمہ بنا کر کھلا دو وہ پھر بھی خوش نہیں ہونگے۔

دنیا کی حقیقت:

انسان کا بہترین لباس، ریشم کا لباس ہے جو ایک کیڑے کی تھوک ہے۔ اور انسان کا بہترین مشروب شہد ہے جو ایک مکھی کا لعاب ہوتا ہے۔ مکھی کا لعاب شہد بنا، کیڑے کی تھوک سے ریشم بنا۔ یہ ریشم اور شہد دنیا کا بہترین لباس اور بہترین مشروب ہے۔ یہ دنیا کی حقیقت ہے جس کے پیچھے لگ کر انسان اپنے مالک کو ناراض کر لے۔ کتنا بڑا نقصان ہے! جو انسان رب کریم کو راضی کر لیتا ہے، پھر اللہ رب العزت اسے دنیا میں بھی عزتیں دیتے ہیں اور آخرت میں بھی عزتیں عطا کرتے ہیں، جو دنیا کے پیچھے بھاگنے والوں کو نہیں ملتیں۔

فقیری کا مزا شاہی میں نہیں:

دینِ اسلام میں وہ لذت ہے کہ ایسا تو ہوا کہ وقت کے بادشاہ نے شاہی چھوڑ کر مصلیٰ سنبھال لیا، فقیری اختیار کر لی لیکن آج تک ایسا نہیں ہوا کہ باخدا فقیر نے مصلیٰ چھوڑ کر شاہی اختیار کر لی ہو، جو مزا فقیری میں ہے وہ مزا شاہی میں نہیں ہے۔

اللہ والوں کے خادم:

جو دنیا کے بادشاہ ہیں ان کے خادم عام لوگ ہوتے ہیں اور اللہ والوں کے

خادم، وقت کے بادشاہ ہوا کرتے ہیں۔

سمرقند میں امیر تیمور کا مقبرہ دیکھنے کا موقع ملا، اوپر لکھا ہوا تھا ''امیرِ عالم'' (دنیا کا بادشاہ)۔ اسے اپنے وقت کا فاتحِ دنیا کہا جاتا تھا۔ ہم نے دیکھا کہ جہاں اس کی قبر تھی اس کے بالکل اوپر ایک اور قبر تھی، حیران ہو کر پوچھا کہ یہ کس کی قبر ہے؟ لوگ کہنے لگے: یہ اس کے شیخ کی قبر ہے، اس نے وصیت کی تھی کہ جب میں مروں تو مجھے اس طرح دفن کرنا کہ میرا سر میرے شیخ کے قدموں کے بالکل قریب ہو۔ یہ دنیا کا فاتح ہے۔

حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ سرہند شریف میں جہاں آرام فرما رہے ہیں، وہاں ان کے مقبرے پر جائیں تو ایک کھلی سڑک جاتی ہے، راستے میں ایک قبر کی وجہ سے اس سڑک کو دو حصوں میں تقسیم کر کے پھر ایک کر دیا گیا۔ اس عاجز نے وہاں کے سجادہ نشین سے پوچھا کہ اتنی اچھی سڑک جا رہی تھی، اس قبر کی وجہ سے دو حصوں میں تقسیم ہو گئی، سڑک بعد میں بنی یا قبر بعد میں بنی؟ کہنے لگے: قبر بعد میں بنی۔ میں نے کہا: اتنی اچھی سڑک کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کہنے لگے: جی بات یہ ہے کہ یہ شخص افغانستان کا بادشاہ تھا، حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ کا مرید تھا، اس نے وصیت کی تھی کہ جب میں مروں تو میرے شیخ کی قبر کو جو راستہ جاتا ہو، مجھے اس راستے پر دفن کرنا۔ اللہ اکبر!

اللہ والوں کی حکومت:

دنیا داروں کے خادم عام لوگ ہوتے ہیں۔ اللہ والوں کے خادم وقت کے بادشاہ ہوا کرتے ہیں۔ بادشاہوں کی عزت وقتی ہوتی ہے، جب کہ اللہ والوں کی عزت دائمی ہوتی ہے۔ بادشاہوں کی حکومت لوگوں کے جسم پر ہوتی ہے، اللہ والوں کی حکومت لوگوں کے دلوں پر ہوا کرتی ہے۔

ایک انگریز اجمیر شریف آیا، واپس گیا تو اس نے لوگوں کو اپنے تاثرات بتائے۔ کہنے لگا: میں نے زندہ لوگوں کو تو حکومت کرتے بہت دیکھا ہے، میں اس ملک میں گیا ہوں جہاں ایک مقبرے کو دیکھا کہ قبر میں پڑا شخص لوگوں کے دلوں پر حکومت کر رہا ہے۔

صبرِ جمیل اور ہجرِ جمیل:

انسان دنیا کے معاملات کو جلدی سمیٹ لیتا ہے، ایک صبرِ جمیل کے ساتھ اور ایک ہجرِ جمیل کے ساتھ۔ صبرِ جمیل کہتے ہیں کہ کوئی بھی کام ہو صبر کر لے، شکوہ نہ کرے۔ اگر کسی نے دکھ دیا تو انسان اس سے شکوہ ہی نہ کرے۔ ایک ہوتا ہے مقابلہ بازی کرنا، ضد بازی کرنا، جھگڑا بڑھا لینا، مومن دنیا کی خاطر الجھا نہیں کرتا۔ اگر کہیں پر کوئی تکلیف بھی پہنچے تو صبروا جمیلا، صبر کرتا ہے۔ اور صبر کا اجر اللہ رب العزت کے پاس ہے۔ اگر بہت ہی زیادہ کوئی معاملہ ہو تو ہجرِ جمیل، کیا مطلب؟ کہ جدائی بھی ہو تو اچھے انداز سے۔ آج تو تعلقات بھی ہوتے ہیں، عداوت بھی چلتی رہتی ہے۔ دشمنی کے رنگ میں ایک دوسرے کی خیر خواہی کر رہے ہوتے ہیں۔ کچھ پتہ نہیں چلتا کہ دوست کون ہے؟ اور دشمن کون ہے؟

اس دنیا میں انسان کو مختلف طرح کے امتحانات سے گزرنا ہوتا ہے، خوشی بھی امتحان ہے اور غم بھی امتحان ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ اگر میرے بندے کو خوشی ملے تو میری بارگاہ میں شکر ادا کرے اور اگر اس کو کوئی غم ملے تو یہ اس پر صبر کر کے میرے نیک بندوں میں شامل ہو جائے۔ شکر کرنے والا بھی جنتی اور صبر کرنے والا بھی جنتی۔

دنیا ضِدّین کا مجموعہ ہے:

اس دنیا میں انسان کو مختلف قسم کے حالات سے گزرنا پڑتا ہے بلکہ دنیا تو ہے ہی

ضدین کا مجموعہ۔ علماء نے لکھا ہے کہ ضد سے چیزیں واضح ہوتی ہیں۔ مثلاً اگر دان نہ ہوتا تو رات کی قدر نہ آتی، اندھیرا نہ ہوتا تو روشنی کی قدر نہ آتی، دھوپ نہ ہوتی تو سائے کی قدر نہ آتی، بیماری نہ ہوتی تو صحت کی قدر نہ آتی، موت نہ ہوتی تو زندگی کی قدر نہ آتی۔ اسی طرح حق باطل بھی ایک دوسرے کی ضد ہیں، اللہ تعالیٰ انسان کو حق کی طرف بلاتے ہیں اور شیطان انسان کو باطل کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ انسان کس کی مان کر زندگی گزارتا ہے؟ آیا نفسانی شیطانی خواہشات کے پیچھے لگ کر زندگی گزارتا ہے یا ان خواہشات کو دبا کر اپنے مالک کی فرمانبرداری میں زندگی گزارتا ہے۔ یہ حق و باطل کی جنگ مخفی طور پر موت چلتی رہے گی۔

موت کا وقت مشکل ترین وقت:

اس لئے شیطان موت کے وقت اتنا زور لگاتا ہے جتنا وہ لگا سکتا ہے۔ موت کا وقت انسان کے لیے مشکل ترین وقت ہوتا ہے۔ اس لیے کہ شیطان اگر جیتے جاگتے ہوئے بہکا لیتا ہے تو موت کے وقت جب ہوش بھی پورا نہیں ہوتا اس وقت تو بہکانا اس کے لئے بڑا آسان ہوتا ہے۔ انسان صرف اسی صورت میں بچتا ہے جب اللہ رب العزت کی مدد شامل حال ہوتی ہے ورنہ نہیں بچ سکتا۔

حق و باطل کی کھلی نشانیاں:

قرب قیامت میں اللہ تعالیٰ حق و باطل کی کھلی نشانیاں بھی دکھائیں گے۔ مثال کے طور پر: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تشریف لانا اور دجال کا ظاہر ہونا یہ بھی حق و باطل کا واضح مقابلہ ہے۔ ہم اگر غور کریں تو بڑی مشابہتیں ملیں گی۔ مثال کے طور پر:

......اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا، ان کی صورت بشری بنائی اور فطرت ملکوتی بنائی۔ اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے دجال کو پیدا کیا، اس کی صورت انسانی

بنائی مگر فطرت شیطانی بنائی۔

......اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں میں رکھا، قرب قیامت میں ان کو ملک شام کی مسجد کے منار کے اوپر نازل فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے دجال کو پیدا کیا اور ایک جزیرے کے اندر رکھا، حدیث پاک میں اس کے لیے یَخْرُجُ اور ''یَظْھَرُ'' کا لفظ آتا ہے وہ ظاہر ہوگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب پیدا ہوئے تو انہوں نے پیدا ہوتے ہی عبدیت کا دعویٰ کیا۔ جب کہ دجال جب ظاہر ہوگا، اپنی الوہیت کا دعویٰ کرے گا۔

......حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں اتنی مال میں برکت ہوگی کہ کوئی بھی زکوٰۃ لینے والا بندہ نہیں ملے گا۔ دجال آئے گا تو اس کے ساتھ اتنی مال کی بہتات ہوگی کہ دنیا کے خزانے اس کے ساتھ چلیں گے۔

......اللہ رب العزت نے عیسیٰ علیہ السلام کو مردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ عطا کیا۔ اللہ کے اذن سے دجال کو بھی یہی استدراج کے طور پر دیا جائے گا، وہ بھی مردوں کو تھوڑی دیر کے لئے زندہ کرے گا۔

......حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیغام پوری دنیا میں پہنچے گا، چنانچہ قرآن پاک کی آیت میں بتا دیا کہ ان کو اس وقت تک موت نہیں آئے گی جب تک کہ سب ان پر ایمان نہیں لے کر آئیں گے۔ دجال کا فتنہ بھی مشرق اور مغرب اور اور شمال اور جنوب میں پھیلے گا اس حق و باطل کی جنگ میں بالآخر فتح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہوگی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو مقام لد پر جا کر قتل فرمائیں گے۔

انسان میں حق و باطل کی مخفی جنگ:

مخفی طور پر یہ جنگ ہماری بھی ہو رہی ہے۔ زندگی میں آپ سوچیے ہر انسان کے دل پر اللہ رب العزت نے فرشتے کو متعین کیا، جو اس میں خیر کے جذبے کو ڈالتا ہے۔

ایک حدیث پاک میں آتا ہے کہ شیطان بنی آدم کے دل کے اوپر ڈیرے ڈال کر بیٹھا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو خیر کی طرف بلا رہے ہوتے ہیں، شیطان اس کو برائی کی طرف بلا رہا ہوتا ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کے اوپر خیر غالب آتی ہے یا شر غالب آتا ہے۔ خیر غالب آئے تو اللہ رب العزت کی محبت دل میں آجاتی ہے۔

مٹی سے مانوسیت:

یاد رکھیں! کہ مرنے کے بعد مٹی میں جانا ہے، زندگی میں ہی مٹی سے مانوس ہو جائیں۔ اپنے نفس کو خود ہی مٹا دیں۔ جو اپنے آپ کو مٹی جیسا بنائے اس کو مسکین کہتے ہیں، یہ مسکین لوگ اللہ کو زیادہ پسند ہوتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کی محفل میں حاضر ہوتے تو ایک دوسرے کے پیچھے چھپ کر بیٹھتے کہ کپڑے کی پھٹی ہوئی جگہ سے جو جسم ہمارا ظاہر ہے اس پر کہیں محبوب ﷺ کی نگاہ نہ پڑ جائے اوٹ میں بیٹھ جاتے تھے۔ لیکن اللہ رب العزت کے ہاں اتنا مرتبہ کہ نبی ﷺ نے بعض موقعوں پر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہوئے فقرائے مہاجرین کا تذکرہ کیا کہ اے اللہ! ان کی برکتوں سے ان دعاؤں کو قبول فرمالے۔

فقراء کی اغنیاء پر فضیلت:

جو شخص دنیا میں اللہ رب العزت سے تھوڑے رزق پر راضی ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ اس بندے سے قیامت کے دن تھوڑے اعمال سے راضی ہو جائیں گے۔ ایک مرتبہ فقراء کی محفل تھی، نبی ﷺ نے ان سے تین باتیں فرمائیں:

اے فقراء! تم کو تین ایسی چیزیں نصیب ہیں جو دنیا میں اغنیاء کو حاصل نہیں۔ تمہیں جنت میں ایسی چیزیں اللہ تعالیٰ عطا کریں گے کہ جو چیزیں دنیا میں امیروں کو حاصل نہیں:

(۱)......آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے فقراء قیامت کے دن میری امت کے امیروں سے ۵۰۰ سال پہلے جنت میں داخل کیے جائیں گے اور وہاں کا ایک دن پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔

(۲)......فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فقراء کو تسبیح پڑھنے پر وہ اجر عطا فرمائیں گے جو مالداروں کو مال کے خرچ کرنے پر بھی نہیں ملے گا

(۳)......فرمایا: قیامت کے دن جنت میں فقراء کو اتنے بلند درجے عطا فرمائیں گے کہ مالدار لوگ جنت میں ان کے محلات کو اس طرح سے دیکھیں گے جیسے دنیا میں آسمان کے ستاروں کو دیکھا کرتے ہیں۔

فقراء سے دوستی کا فائدہ:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ فقراء سے دوستی رکھا کرو! اس لیے کہ قیامت کے دن ان سے کہا جائے گا کہ تم سے جنہوں نے دوستی کی یا تم نے جن سے محبت کی، تم خود بھی جنت میں داخل ہو جاؤ اور ان کو بھی ساتھ لے جاؤ۔

روایت میں آتا ہے کہ ایک فقیر سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں گے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ! وہ کھڑا رہے گا تو فرشتے پوچھیں گے کہ آپ کو تو اجازت مل گئی پھر آپ کیوں کھڑے ہیں تو وہ کہے گا کہ مجھے شرم آرہی ہے کہ میں جنت میں چلا جاؤں اور جن لوگوں نے مجھے کھلایا پلایا وہ ابھی پیچھے ہیں، تو اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرمائیں گے اور حکم دیں گے کہ جتنے لوگوں نے تم سے محبت کا تعلق رکھا، ان کو بھی جنت میں لے جاؤ۔

ٹھنڈا سانس سو سال کی عبادت کے برابر:

ابو سلیمان درانی رحمۃ اللہ علیہ بڑے بزرگوں میں گزرے ہیں۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ

ایک بندہ غریب ہے، اس کی ایک جائز تمنا ہے جو پوری نہیں ہو سکتی، کیونکہ اس کے پاس وسائل نہیں۔ مثلاً: ایک غریب آدمی ہے، اولاد زیادہ مگر آمدنی کم ہے، وہ جائز تمنا پوری نہیں کر پاتا، اس وجہ سے ٹھنڈی سانس لے لیتا ہے تو ابو سلیمان درانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جائز تمنا پوری نہ ہونے پر فقیر کا ٹھنڈا سانس لے لینا، آدمی کی سو سالہ عبادت کے برابر ہے، اللہ اس کی ٹھنڈی سانس پر اتنا اجر دیتے ہیں۔ چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ

اَفْضَلُ الْعِبَادَةِ اِنْتِظَارٌ

"مصائب کے اندر رحمت الٰہی کا انتظار کرنا، عبادتوں میں سے سب سے افضل عبادت ہے"

آپ نے دیکھا ہوگا کہ اکثر لوگ تذکرہ کرتے وقت کہتے ہیں: حضرت! بڑی دعائیں مانگتے ہیں، حالات نہیں بدلتے، پریشانیاں جان نہیں چھوڑتیں، اتنی مدت گزر گئی۔ ذرا اس حدیث کو توسنیں! کہ جو آدمی مصائب کے اندر گرفتار ہو، دعائیں مانگتا ہو کہ اے اللہ! اس مصیبت کو ختم کر دے تو اس انتظار پر اس کو وہ اجر ملتا ہے جو عبادت کرنے والوں کو عبادت پر بھی نہیں ملتا۔ حالات، دنیا کے اعتبار سے اچھے نہ ہوں تو صبر کے ساتھ وقت گزارنے کے بعد اپنے رب کی رضا سے راضی رہیں۔ اہل دل ان کو کہتے ہیں جن کے دل میں اللہ کی محبت ہوتی ہے، جن کے دل اللہ کی محبت سے لبریز ہوتے ہیں اس لیے کسی غریب کو یا کسی گنہگار انسان کو کم نظر سے نہ دیکھیں! کیا پتہ وہ غریب آدمی اللہ کی نظر میں اس امیر کی نسبت زیادہ پسندیدہ ہو اور کیا پتہ وہ گنہگار آدمی ایسی توبہ کرلے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیں۔

ایک گناہ گار اور ایک عابد کا انجام:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک جگہ جا رہے تھے۔ آپ نے ایک گنہگار کو دیکھا جو اپنے

گناہوں پر بہت نادم اور شرمندہ تھا۔ گنہگار سے پوچھا، کہ تمہاری خواہش کیا ہے؟ کہنے لگا کہ بڑے گناہ کئے ہیں، بس یہی خواہش ہے کہ مالک معاف فرما دے۔ ذرا آگے ایک عبادت گزار کو دیکھا، عبادت گزار سے پوچھا کہ تیری کیا خواہش ہے؟ اس نے اس گنہگار کی طرف اشارہ کر کے کہا: میری خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ میرا حشر نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمادی کہ اے میرے پیارے روح اللہ! آپ ان دونوں سے کہہ دو! ہم نے ان کی دعاؤں کو قبول کرلیا۔ جو گنہگار مجھ سے رحم طلب کر رہا تھا میں نے اس کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل کر اس پر جنت واجب کردی اور عبادت گزار نے دعا مانگی تھی کہ مجھے اس کے ساتھ اکٹھا نہ کرنا، چونکہ اب وہ گنہگار جنت میں پہنچ چکا ہے، اس لیے میں اس عبادت گزار کو جنت کی بجائے جہنم میں داخل کروں گا۔ لہذا ہمیں اپنی عبادت پر ناز نہ ہو، گناہوں سے نفرت ہو گنہگار سے نفرت نہ ہو۔

غریب کی آہ سے ڈرو:

امیروں سے نہ ڈرو، غریبوں کی آہ سے ڈرو! اس لئے کہ امیر بھاگے گا تو حاکم کے دروازے پر جائے گا اور اگر غریب نے آہ بھرلی تو وہ اللہ تعالیٰ کے دروازے کو کھٹکھٹائے گی۔ اللہ رب العزت بڑے قدردان ہیں۔

ایک دفعہ سرداران قریش مکہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ آقائے محبوب ﷺ کی چاہت تھی کہ اگر یہ دین میں آجائیں تو اور بہت سارے لوگ دین میں آجائیں گے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان کو نصیحت فرمانا شروع کردی۔ جب ان کو نصیحت فرما رہے تھے تو اس وقت ایک نابینا چلتا ہوا محبوب ﷺ کی خدمت میں آیا، طلبگار ہوا کہ مجھے بھی نصیحت کی جائے۔ نبی ﷺ کے ذہن میں بات آئی کہ یہ تو اپنا ہے، بعد میں بھی نصیحت فرما سکتے ہیں، قریشِ مکہ تو اب آکر بیٹھے ہیں تو یہ موقع اچھا

ہے۔ جب اس نابینا صحابی نے اپنی بات بڑھانے کی کوشش کی تو نبی ﷺ کے دل میں کچھ رنجش پیدا ہوگئی، چہرہ مبارک پر غصے کے تھوڑے سے آثار آئے۔ اللہ رب العزت نے ان کے بارے میں قرآن مجید میں آیات اتار دیں۔ اپنے محبوب ﷺ سے محبوبانہ خطاب فرمادیا:

عَبَسَ وَتَوَلّٰی ٥ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی ٥ وَ مَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰی ٥ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰی ٥ وَ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی ٥ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی ٥ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰی ٥ وَاَمَّا مَنْ جَآئَكَ يَسْعٰی ٥ وَ هُوَ يَخْشٰی ٥ وَ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی ٥ (عبس:۱۔۱۰)

اور وہ بندہ جو دوڑتا ہوا آپ کی طرف آیا، تیز تیز چل کر آیا۔ دیکھو طلب ہو تو ایسی کہ بندہ نیک محفل میں جائے تو تیز تیز چل کر جائے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیسے آیا؟ وَاَمَّا مَنْ جَاءَ لَكَ يَسْعٰى۔ ایک تو یہ صفت کہ طلب ایسی کہ تیز تیز محفل میں آئے اور دوسری خاص صفت یہ کہ وَهُوَ يَخْشٰى کہ دل کے اندر خشیت تھی، ایسے بندے کی اللہ کے ہاں بڑی قدر ہوتی ہے۔ ایسی اللہ تعالیٰ نے عزت عطا کی کہ روایات میں آیا ہے کہ اس کے بعد جب بھی وہ صحابی رضی اللہ عنہ آتے، تو اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ ان کے بیٹھنے کے لیے اپنی چادر بچھا دیا کرتے تھے۔ سرداران قریش اپنی جگہ پر، مسکین، غریب، نابینا اپنی جگہ پر۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں پیمانہ ہے، دل میں خشیت ہو، طلب ہو، اللہ کی محبت ہو، اس کی ظاہری حالت اس کی غریبوں والی بھی ہو تو اس سے اللہ تعالیٰ کے ہاں انسان کے درجے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

بڑے بوجھ والے لوگ:

آج پیمانے بدل گئے، جس کے پاس مال ہوتا ہے، کہتے ہیں: جی بڑے لوگ ہیں، ان کے گھر بڑے ہیں۔ کوٹھیاں ہوں تو کہتے ہیں کہ یہاں بڑے لوگ رہتے

ہیں۔ ان کے دلوں میں دنیا کی بڑائی ہے، دنیا والے ان کو بڑے لوگ کہتے ہیں۔ وہ بڑے لوگ نہیں ہوتے، وہ بڑے بوجھ والے لوگ ہوتے ہیں۔ بے چاروں کو پتہ نہیں حساب کتاب دینے میں کتنا وقت لگے گا؟۔

مالدار یا مال کے چوکیدار:

کئی لوگوں کو دیکھا کہ مالدار ہوتے ہیں اور کئی مال کے چوکیدار ہوتے ہیں۔ مالدار کون ہے؟ مالدار وہ ہے، جسے اللہ رب العزت بہت زیادہ مال دے اور وہ دونوں ہاتھوں سے اس کو دین کے کاموں میں لٹائے، یہ حقیقی مالدار ہے جو اس کو آخرت کے کاموں میں خرچ کر رہا ہے۔ اور جو جمع کرتا رہتا ہے اور خوش ہوتا رہتا ہے، یہ بندہ مالدار نہیں، مال کا چوکیدار ہے، جمع کر کے مر جائے گا۔ عیش اولاد کرے گی، قیامت کے دن حساب اِسے دینا پڑے گا۔

عزت والا کون؟

ہم دوسرے کی شخصیت میں نیکی دیکھیں تو اس کو عزت دیں، مال کی وجہ سے عزت نہ دیں۔ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ﴾

[بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے]

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ''جس بندے نے مالدار بندے کی عزت اس کے مال کی وجہ سے کی اس کے ایمان کا تیسرا حصہ ضائع ہو گیا''۔ ہماری نظر میں عزت پابندی شریعت کی ہو، نیک اعمال کی ہو۔ جس کے دل میں اللہ رب العزت کی محبت ہو اس کی عزت ہو۔

اللہ تعالیٰ اخلاص کو دیکھتے ہیں:

جتنے اعمال ہم لوگ کرتے ہیں وہ بخشوانے کے لئے ناکافی ہیں۔ اخلاص کی کمی ان کو ناکافی بنادیتی ہے۔ اگر اخلاص کی کمی نہ ہوتو جتنے اعمال ہم کر رہے ہیں ذکر وفکر والے، یہ بخشوانے کے لئے کافی ہیں۔ مگر چونکہ اخلاص نہیں ہوتا، ریاکاری آجاتی ہے اس لیے بڑے اعمال کے باوجود ان کا فائدہ نہیں اٹھاپاتے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اخلاص کو دیکھا جائے گا۔ مخلص بندہ دو رکعت پڑھے گا، اتنا اجر ملے گا کہ غافل بندے کو ہزاروں رکعت پڑھنے پر بھی وہ اجر نہیں ملے گا۔ اس لیے حدیث پاک میں آتا ہے کہ ''متقی آدمی کی دو رکعت پر اللہ تعالیٰ اتنا اجر دیتے ہیں جو غیر متقی کی ہزار رکعت پر نہیں دیتے''۔ لہٰذا اگر اخلاص میں کمی ہوتو اللہ تعالیٰ کے ہاں عمل قبول نہیں ہوگا۔

اخلاص کی کمی پر اجر کی کمی:

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سورۃ طٰہٰ کی تلاوت کر رہے تھے، رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک قرآن مجید ہے، جس کے اوپر سنہری حروف کے ساتھ قرآن پاک لکھا ہوا ہے۔ سورۃ طٰہٰ خواب میں بھی پڑھی، بڑے خوش ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سورۃ طٰہٰ کی تلاوت کا اتنا اجر لکھ دیا گیا۔ جب شوق شوق سے دیکھ رہے تھے تو ایک صفحے پر دیکھا کہ اس میں کچھ آیات کی جگہ خالی ہے۔ تو خواب میں حیران ہوئے کہ یہ جگہ خالی کیوں ہے؟ سوچتے رہے، سوچتے رہے، بالآخر اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی، خواب میں ہی خیال آیا کہ ہاں جب میں تلاوت کر رہا تھا، جب ان آیات پر میں پہنچا تو ایک واقف بندہ قریب سے گزرا، میرے دل میں خیال آیا کہ میری تلاوت سن کر خوش ہوا ہوگا، اتنا خیال پیدا ہونے پر اللہ تعالیٰ نے ان آیات کی تلاوت کے اجر سے محروم فرمادیا۔ پتہ یہ چلا کہ اخلاص کی کمی عملوں کے اجر کو کم کر دیتی ہے۔

وزنِ اعمال کی سائنسی توجیہہ:

اللہ تعالیٰ کے ہاں دستور ہے کہ جتنا زیادہ خلوص ہوگا اتنا اجر زیادہ ہوگا۔ آج سائنس کی دنیا ہے۔ کئی باتیں سائنس کی وجہ سے سمجھنے میں آسانی ہوتی ہیں۔ امام بخاریؒ بخاری شریف میں جو آخری حدیث لائے، اس میں انہوں نے وزنِ اعمال کا تذکرہ کیا ہے۔ چنانچہ ختم بخاری شریف کی اکثر محفلوں میں درسِ حدیث دینے والے اکثر علمائے کرام وزنِ اعمال پر خوب تفصیل سے بات کرتے ہیں کہ قیامت کے دن انسانوں کے اعمال کو تولا جائے گا۔ پہلے دور میں اشکال پیش کیا جاتا تھا کہ اعمال کیسے تولیں گے؟ کیا ان کو بھی تولا جا سکتا ہے؟ اور آج کے دور میں دیکھ لیں تھرمامیٹر کے ذریعے گرمی کو بھی تولا جا سکتا ہے، سردی کو بھی تولا جا سکتا ہے، ہوا میں موجودنمی کو بھی تولا جا سکتا۔ ہر چیز کی پیمائش کے پیمانے بن گئے ہیں کہ ان کو کیسے تولا جا سکتا ہے۔ لیکن ذرا سائنس کی بات پر غور کریں تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ اعمال کو تولا جا سکتا ہے۔

سائنسی نقطہ سے فارمولا یہ ہے کہ ایک کمیت ہوتی ہے اور ایک کشش ثقل ہوتی ہے۔ فارمولا لکھتے ہوئے کمیت کو m لکھتے ہیں اور کشش ثقل کو g لکھتے ہیں۔ m اور g کو ضرب دیتے ہیں تو کسی بھی چیز کا وزن نکل آتا ہے۔ چنانچہ اگر ایک آدمی زمین پر ہے تو زمین کی کشش ثقل کے مطابق اس کا وزن ہوگا۔ وہی آدمی اگر چاند پر چلا جائے تو چونکہ اس کی کشش ثقل وہاں کم ہوگی، اسی بندے کا وزن وہاں جا کر کم ہوگا اور وہی بندہ اگر مریخ پر چلا جائے تو وہاں کشش ثقل بہت زیادہ ہوگی، اسی بندے کا وہاں وزن کئی گنا زیادہ ہوگا۔ بندہ وہی ہے کشش کے بڑھنے سے وزن بڑھ جاتا ہے اور کشش کے گھٹنے سے وزن کم ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ بندہ اگر خلاء میں چلا جائے جہاں کشش ہے

ہی نہیں تو وہی جسم ہونے کے باجود اس بندے کا وزن نہیں رہے گا۔ چنانچہ جو لوگ خلاء میں جاتے ہیں وہ روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھرتے ہیں، ان کا وزن ہی نہیں ہوتا۔ حالانکہ وزن ہے لیکن کشش نہ ہونے کی وجہ سے کتنے ہلکے وزن بن گئے تو سائنس کی اس بات سے اعمال کے وزن کی بھی توجیہہ مل جاتی ہے۔

قیامت کے دن جس بندے میں ایمان کی کشش ہوگی اس کے اعمال وزن والے ہونگے اور جس کے اندر ایمان کی کشش نہیں ہوگی پہاڑوں کے برابر بھی خیر کے اعمال کیے ہونگے، اللہ کے ہاں کوئی وزن نہیں ہوگا۔ قیامت کے دن کافروں کے عملوں کا کوئی وزن ہی نہیں ہوگا۔

﴿فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا﴾ (الکھف:۱۰۵)

[ہم قیامت کے دن ان کے اعمال کا کوئی وزن قائم نہیں کریں گے]

یہ نہیں فرمایا کہ قیامت کے دن ان کے اعمال کو پیش نہیں کریں گے، پیش تو کریں گے، کسی کی ہمدردی کی، ہاسپٹل بنوا دیا، یا کسی غریب کی مدد کی، یہ سب اچھے کام ہیں لیکن ان اچھے کاموں کا وزن نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ ان کے اچھے کاموں کے اندر ایمان کی کشش نہیں ہوگی۔ جب انکی g (کشش ثقل) زیرو ہے تو پھر m کمیت ساری دنیا سے بھی زیادہ ہو جائے پھر بھی وزن زیرو ہی رہے گا، سبحان اللہ۔ دیکھیے! اللہ رب العزت نے کیسی عجیب بات فرمادی کہ ہم ان کافروں کے عملوں کا وزن ہی قائم نہیں کریں گے۔

معلوم ہوا کہ ایمان اور اخلاص یہ کشش کی مانند ہیں ۔یہ کشش ثقل (Gravitaional force) ہیں جتنی زیادہ اس کو ہم بڑھاتے جائیں گے، اسی قدر ہم اجر زیادہ پائیں گے اور اگر اخلاص اور ایمان میں کمی آتی جائے گی، اسی قدر عمل کے اجر ملنے میں کمی ہوتی جائے گی۔

اجتماع کا بنیادی مقصد:

ہمارے اس اجتماع کا بنیادی مقصد اپنی زندگی میں اخلاص کو بڑھانا ہے۔ ہر بندہ جو اس اجتماع میں حاضر ہوا ہے، اس کو اپنی زندگی کو دیکھنا ہے کہ کیا میرا ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہو رہا ہے یا دنیا کی واہ واہ کے لیے ہو رہا ہے؟ یہ ایک غم ہے جو آپ اپنے دلوں میں لے کر یہاں تشریف لائے ہیں، لہٰذا گزارش یہ ہے کہ اس قیام کے دوران دنیا کے تذکروں سے پرہیز کیجیے۔ یہ جو دنیا کا Topic (موضوع) اتنا کھول کر بیان کیا، یہ اللہ رب العزت کو اتنی ناپسند ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا

اَلدُّنْیَا مَلْعُوْنَۃٌ [دنیا ملعونہ ہے]

اللہ تعالیٰ نے جب سے اسے پیدا کیا، آج تک اس کو خوشی کی نظر سے نہیں دیکھا۔ یہاں آکر بھی اگر دنیا کے ہی تذکرے کرنے ہیں تو پھر اتنی قربانی کر کے آنے کا کیا فائدہ۔ شیطان کوشش کرے گا کہ جس کمرے میں آپ مل کر بیٹھے ہیں وہ اس کمرے میں کسی کو اِدھر کی بات سنائے گا، کسی کو اُدھر کی بات سنائے گا۔ ہم یہاں دنیا کے تذکرے کرنے تو نہیں آئے۔ باوجود اس کے کہ آپ ایک دوسرے کے قریب رہائش رکھتے ہیں، ایک دوسرے کے پاس بیٹھے ہیں، دنیا کے تذکرے زبان سے ختم کر دیجیے۔

اجتماع میں وقت کیسے گزاریں:

یہ جو دو دن کا وقت ہے، ان دنوں میں دلوں کو اللہ کی طرف متوجہ رکھیے۔ وقوف قلبی، رابطہ قلبی کے ساتھ اپنا وقت گزاریے۔ دن رات ایک غم لگا ہو، ایک فکر لگی ہو جیسے معتکف آدمی اعتکاف میں بیٹھتا ہے، سمجھتا ہے کہ یہ وقت میں نے اللہ کے لیے وقف کر دیا، آپ بھی گویا یہ چند دن اللہ کی طرف توجہ رکھیے۔ آپ کھانے کی طرف تشریف لے جائیں دارالعلوم میں، پھر بھی ہر وقت اللہ کی طرف دھیان رکھیے۔ کھانا

کھاتے ہوئے اپنا دھیان اللہ کی طرف رکھیے، جب آپ اللہ کے دھیان میں اپنا وقت گزاریں گے تو آپ دیکھیں گے کہ تین دن میں اتنا فائدہ ہوگا کہ آپ محسوس کریں گے کہ میرے اندر سے دنیا کی طلب گھٹ گئی ہے، اللہ رب العزت کی طلب بڑھ گئی ہے، آپ اللہ تعالیٰ کی محبت سے بھرے ہوئے دلوں کو واپس لے کر جائیں گے۔ شیطان کوشش کرے گا کہ وہ آپ کو دنیا میں الجھائے تو اپنے آپ کو الجھنیں نہ دیجئے گا۔ اگر کوئی دنیا کی بات کرے بھی تو اسے منع فرما دیجیے۔

ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں۔

اَلدُّنْیَا یَوْمٌ وَلَنَا فِیْھَا صَوْمٌ

[دنیا ایک دن کی ہے اور ہم نے اس ایک دن میں روزہ رکھا ہوا ہے]

اور ویسے بھی یہ بڑے قیمتی دن ہیں۔ آج کی رات 15 شعبان کی رات ہوگی، اس رات میں آئندہ پورے سال کا بجٹ بنایا جاتا ہے، آسمانوں پر اس کی اہمیت ہے۔ اس وقت کو غنیمت سمجھیے، یادِ الٰہی میں گزاریے کیا معلوم کہ یہ تین دن اللہ رب العزت کے ہاں ہماری بخشش کا ذریعہ بن جائیں؟

چنے ہوئے لوگوں کا مجمع:

اجتماع میں معلوم نہیں کہاں کہاں سے دوست احباب تشریف لائے ہیں؟ اس محفل کی دعائیں قسمت سے ہمیں ایک دفعہ پھر مل گئیں کہ زندگی کے عام لمحات میں اگر ہماری دعائیں قبول ہونے کے قابل نہیں تو اس محفل میں کتنے لوگ ہیں جو اخلاص والے لوگ ہیں! بھئی! ہم گنہگار ہیں تو نیک لوگ بھی تو یہاں آئے ہوئے ہیں، کیا پتہ ان نیکوں کی برکت سے اللہ تعالیٰ ہماری دعائیں بھی قبول فرمالیں؟

الحمد للہ! دوست احباب خط لکھتے ہیں تو ان کے اوراد و وظائف اتنے اچھے ہوتے ہیں۔

......ایسے لوگ بھی اس مجمعے میں ہیں جو ہزار بار کلمے کا ذکر کرتے ہیں۔

......ایسے بھی ہیں جو روزانہ سات ہزار بار کلمے کا ورد کرتے ہیں۔

......ایسے بھی ہیں جو روزانہ دس ہزار بار لا الہ الا اللہ کا ورد کرتے ہیں۔

......ایسے بھی لوگ ہیں جو روزانہ ایک پارہ پڑھتے ہیں۔

......ایسے بھی لوگ ہیں جو روزانہ ایک منزل پڑھتے ہیں۔

......ایسے بھی لوگ ہیں جو روزانہ پندرہ پارے پڑھتے ہیں۔

......اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کا معمول ایک قرآن پاک روز پڑھنے کا ہے،

یا وہ جانتے ہیں یا ان کا شیخ جانتا ہے،

ایسے نہیں کہ یہ اٹھ کر آ گئے ہیں۔ الحمدللہ! چنے ہوئے لوگوں کا مجمع ہے، دل میں اللہ کی محبت ہے۔ چنانچہ ایسے بھی لوگ ہیں جن کو خواب میں نبی ﷺ کی ایک بار نہیں، دو بار نہیں درجنوں بار زیارت ہو چکی ہے۔ ایک ایسے بھی بزرگ ہیں کہ جن کو زندگی میں سو مرتبہ سے زیادہ دفعہ اللہ کے محبوب ﷺ کا دیدار ہو چکا ہے۔ ایک ایسے بھی ہمارے دوست ہیں، ابھی ملاقات نہیں ہوئی، پتہ نہیں آئے ہیں کہ نہیں، وہ اپنے حالات میں لکھتے ہیں کہ میری زندگی کا کوئی ہفتہ نبی ﷺ کے دیدار کے بغیر نہیں گزرتا۔ ایسے بھی اس مجمع میں ہیں کہ ان کی زندگی کے گیارہ سالوں میں ایک دن بھی تہجد کی نماز قضا نہیں ہوئی۔ سب تو ایک جیسے نہیں ہیں، پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس محفل میں پہنچا دیا تو ہم اس کا فائدہ اٹھائیں۔ یہ باتیں عام طور پر کی نہیں جاتیں لیکن آپ دوستوں کی ترغیب کے لیے ہے۔ تاکہ احساس ہو کہ ہم کس مجمع میں وقت گزار رہے ہیں؟

اپنے وقت کو قیمتی بنائیں:

ہم بھی اس وقت کو قیمتی بنائیں، ماں کے پیٹ سے بن کر کوئی نہیں آتا، اس دنیا

میں اپنے آپ کو بنانا ہے، یہ تین دن یوں سمجھ لیں کہ ہم نے اپنے آپ کو بنانے میں وقف کر دیے ہیں۔ اگر ہمیں معمولات میں کمی کا شکوہ ہے تو اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں کہ اللہ تعالیٰ ان میں استقامت عطا فرما دیں۔ اگر ہم اپنے نفس کے سامنے اپنے آپ کو عاجز محسوس کرتے ہیں تو تہجد کے وقت اٹھ کر اپنے رب کے سامنے اپنی فریاد کریں۔ اس طرح آپ ذوق وشوق سے وقت گزاریں گے تو رب کریم کی رحمتیں ہوں گی، دعائیں قبول ہونگی۔

ازلی دشمن سے ہوشیار!!!

ہم دو دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں، ایک اندرونی اور ایک بیرونی دشمن۔ ہمارا اندرونی دشمن ہمارا نفس ہے اور بیرونی دشمن شیطان ہے، یہ ازلی دشمن ہے۔ شیطان ملعون ہمیں دیکھتا ہے، ہم اس دشمن کو نہیں دیکھ سکتے۔ ایسا دشمن ہے کہ ہم کھانے پینے میں، ضروریات میں مشغول ہو جاتے ہیں اور وہ ہماری تاک میں رہتا ہے، کیونکہ اس کی ایسی کوئی ضروریات نہیں ہیں۔ ہم سو جاتے ہیں اس کو نیند بھی نہیں آتی، وہ ہر وقت ہمیں گرانے کے لیے مکر کرتا رہتا ہے۔ بعض دوستوں کو دیکھا کہ جب سونے کا وقت ہوتا ہے تو باتیں کرتے رہتے ہیں اور چونکہ رات جاگتے رہے، اس لیے جب صبح کا درس ہوتا ہے تو ان کو مراقبے کی شکل میں نیند آ رہی ہوتی ہے۔ اپنے انفرادی اعمال کریں، اپنی انفرادی تلاوت، اپنی تسبیحات، اپنے معمولات کو پورا کریں پھر اس کی برکتیں دیکھیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کے یہاں اکٹھا ہونے کو قبول فرما لے اور ہم عاجز مسکینوں کے ٹوٹے پھوٹے نیک عملوں کو قبول فرما لے اور ہم سب کی بخشش فرما دے۔

واخر دعونا ان الحمدلله رب العلمين

وَلَقَدْ وَصَّیْنَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ
وَاِیَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ (النساء:۳۰۱)

تقوی کے ثمرات

حضرت اقدس دامت برکاتہم کا یہ بیان 28 ستمبر 2005ء کو بعد از نماز مغرب، جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ میں سالانہ اجتماع کے بعد خصوصی تربیتی مجالس میں ہوا۔

اقتباس

اگر یہ عاجز سمجھانے کی خاطر سادہ لفظوں میں متقی کی تعریف کرے تو یہ ہو گی کہ جو انسان علم اور ارادے سے گناہ کرنا چھوڑ دے اور ایسی محتاط زندگی گزارے کہ قیامت کے دن اس کا گریبان پکڑنے والا کوئی نہ ہو، اس شخص کو متقی اور پرہیز گار کہتے ہیں۔ اس لیے جو شخص محتاط زندگی گزارے۔

......اللہ تعالیٰ کا حق بھی پورا کرے۔

......اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق بھی پورے کرے۔

......والدین کے حقوق بھی ادا کرے۔

......اولاد کے حقوق بھی ادا کرے۔

......ہمسایوں اور رشتہ داروں کے حقوق بھی پورے کرے

......اور دوست احباب کے حقوق بھی پورے کرے۔

اس شخص کو متقی اور پرہیز گار کہا جائے گا۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

تقویٰ کے ثمرات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

وَ لَقَدْ وَصَّیْنَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَاِیَّاکُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰہَ

(النساء:۱۳۱)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا یَصِفُوْنَ o

وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ o وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

شبہ والی چیزوں کو چھوڑنے کا حکم:

تقویٰ، شریعت پر احتیاط کے ساتھ عمل کرنے کا دوسرا نام ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔

اَلْحَلَالُ بَیِّنٌ وَ الْحَرَامُ بَیِّنٌ وَ مَا بَیْنَھُمَا مُشْتَبِھَاتٌ .

[حلال بھی بالکل واضح ہے اور حرام بھی بالکل واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں]

یعنی حلال اور حرام چیزوں کے درمیان کچھ ایسی چیزیں بھی ہیں جو بندے کو شبہ میں ڈال دیتی ہیں۔ جو بندہ اللہ کی رضا کے لیے ان شبہ والی چیزوں کو بھی چھوڑ دیتا ہے، وہ متقی اور پرہیزگار ہوتا ہے۔

پروردگار عالم کی وصیت......!!!

تقویٰ ایمان والوں کے لیے بہت ضروری ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَ لَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ

(النساء: ۱۳۱)

[اور ہم نے تم سے پہلے اہل کتاب کو بھی یہ وصیت کی اور تمہیں بھی یہ وصیت کرتے ہیں کہ تم اللہ سے ڈرو!]

اس آیت میں اللہ رب العزت عجیب انداز میں اس امت کو اپنا حکم سنا رہے ہیں۔فرماتے ہیں کہ ہم نے پہلے اہل کتاب کو بھی وصیت کی اور تمہیں بھی وصیت کر رہے ہیں کہ تم اپنے اندر تقویٰ پیدا کرو! یعنی یہ ایک ایسا پیغام ہے جو پہلی امتوں کو بھی ملا اور اس امت کو بھی ملا ہے، اس کی اہمیت کے لیے یہی کافی ہے۔ وصیت وہ ہوتی ہے جو کسی بندے کی زندگی کا آخری پیغام ہوتا ہے۔ عام طور پر تو نصیحت کی جاتی ہے لیکن تمام زندگی کی نصیحتوں کا جو نچوڑ ہوتا ہے اس کو وصیت کہتے ہیں ۔اللہ رب العزت نے یہاں تقویٰ کے لیے وصیت کا لفظ ارشاد فرمایا ہے۔اس بات سے بھی تقویٰ کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔اس کے بغیر کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کا ولی نہیں بن سکتا۔اسی لیے ارشاد فرمایا:

﴿ اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ (یونس: ۶۲)

[جان لو کہ جو اللہ تعالیٰ کے دوست ہوتے ہیں ان پر نہ کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ کوئی حزن ہوتا ہے]

خوف، باہر کے دشمن کے ڈر کو کہتے ہیں اور حزن، اندر کے غم کو کہتے ہیں، یہ دونوں چیزیں اولیاء کے اندر نہیں ہوتیں۔آگے فرمادیا کہ یہ اولیاء کون ہوتے ہیں؟

﴿ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ ﴾ (یونس:۶۲)

[جو ایمان لاتے اور انہوں نے تقویٰ کو اختیار کیا]

ایک اور مقام پر بڑی وضاحت کے ساتھ فرمادیا:

﴿ اِنْ اَوْلِیَآءُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ ﴾ (الانفال:۳۴)

[اللہ کے دوست پرہیزگار ہوتے ہیں]

کوئی بھی فاسق وفاجر اللہ کا دوست نہیں بن سکتا۔

ولایت کے درجات:

ولایت کے دو درجے ہیں۔

(۱) ولایت عامہ (۲) ولایت خاصہ

جس بندے نے کلمہ پڑھ لیا، اسے ولایت عامہ کا درجہ حاصل ہو گیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿ اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ (البقرہ:۲۵۷)

[اللہ تعالیٰ دوست ہے ایمان والوں کا]

ولایت خاصہ کے لیے تقویٰ لازمی ہے۔ اس لیے جو انسان متقی اور پرہیزگار بنے گا، اسے ولایت خاصہ نصیب ہو گی یعنی اسے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جائے گا۔

تقویٰ...... اکابرین کی نظر میں:

اب تقویٰ کی حقیقت کو کھولنا ضروری ہے۔ مثال کے طور پر غیر محرم عورت کی طرف دیکھنا حرام ہے۔ ایمان والوں کو حکم دیا گیا ہے کہ تم اپنی نگاہوں کو نیچا رکھو! اس کے چہرے کو دیکھنا تو حرام ہے لیکن اگر کوئی عورت برقع پہنے ہوئے ہے اور اس پر نظر

پڑ گئی تو اس کے بارے میں شریعت یہ کہتی ہے کہ اس نے کوئی حرام کام نہیں کیا، تاہم غیر محرم عورت کے کپڑوں پر بھی نظر نہ ڈالنا، یہ تقویٰ ہے یعنی اس کے قد و قامت کا اندازہ بھی دل میں نہ لائے اور دل میں یہ خواہش بھی نہ اٹھے کہ اس کے کپڑوں کا رنگ پیلا ہے یا نیلا ہے۔

☆ ...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت ابن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا...... تقویٰ کسے کہتے ہیں؟ انہوں نے پوچھا: کیا آپ کبھی خار دار راستے میں سے گزرے ہیں؟ فرمایا: جی ہاں۔ پوچھا: کیسے گزرتے ہو، میں ایسے راستے سے بچ بچا کے اور سمٹ سمٹا کر گزرتا ہوں تا کہ میرا دامن کسی کانٹے میں الجھ نہ جائے۔ ابن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ یہی تقویٰ ہے کہ انسان اس طرح احتیاط کی زندگی گزارے کہ اس کا دامن کسی گناہ سے آلودہ نہ ہو۔

☆ ...... ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا، حضرت: متقی کون ہوتا ہے؟ فرمایا متقی وہ انسان ہوتا ہے جس کے قلب کی تمناؤں اور آرزوؤں کو اگر مجسم کر کے سر بازار لوگوں کو دکھائیں تو ان میں کوئی بھی ایسی تمنا نہ ہو جس کی وجہ سے اسے ندامت اور شرمندگی اٹھانا پڑے...... کیا مطلب؟ یعنی ظاہر میں گناہ کرنا تو دور کی بات، اس کے دل میں بھی کوئی ایسی تمنا نہ ہو کہ جس کے اظہار پر اسے ندامت اٹھانی پڑے۔

☆ ...... ہمارے حضرت خواجہ محمد عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ امام العلماء والصلحاء کہلاتے تھے۔ تقسیم ہند کے وقت حضرت حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے ایسے شاگرد تھے، جنہوں نے ان سے دورۂ حدیث کیا تھا۔ انہوں نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا کہ حضرت! جب پہلے کسی مسئلے کے بارے میں رجوع کی ضرورت پیش آتی تھی تو ہم آپ کی طرف رجوع کر لیا کرتے تھے۔ اب ملک تقسیم ہو چکا ہے، جس کی وجہ سے ہمارا آپ کی خدمت میں آنا جانا مشکل ہے، اس لیے ہماری رہنمائی فرمائیں کہ اب ہم کیا کریں؟ تو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے تین حضرات کے نام لیے، جن میں سے ایک نام

حضرت خواجہ محمد عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کا تھا، کہ یہ ایک متقی اور متبع سنت بزرگ ہیں، اگر ان کے ساتھ تعلق رکھو گے تو پھر تمہیں کسی اور مربی کے پاس جانے کی حاجت نہیں رہے گی۔...... ایسے پکے بزرگ تھے کہ...... اگر ان کے خلفاء کے ناموں کی فہرست دیکھیں تو وہ کم بیش دوسو ناموں پر مشتمل ہے، ان تمام ناموں کے ساتھ ناظم، مہتمم، مفتی، حافظ اور قاری میں سے کوئی نہ کوئی نام ضرور ملتا تھا۔ یوں لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو واقعی اہل علم حضرات کا امام بنا دیا تھا۔ ان سے کسی نے پوچھا: حضرت تقویٰ کیا ہے؟ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہر وہ چیز جس کو اختیار کرنے سے تعلق باللہ میں فرق آجائے، اس کو چھوڑ دینا تقویٰ کہلاتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ تقویٰ کچھ کرنے کا نام نہیں، بلکہ نہ کرنے کا نام ہے۔ سالکین اس بات کو توجہ کے ساتھ سمجھنے کی کوشش فرمائیں۔ تقویٰ یہ نہیں کہ دو رکعت نفل پڑھ لیے یا صبح اٹھ کر لا الہ الا اللہ کی ضربیں لگا لیں بلکہ کچھ کام نہ کرنے کا نام تقویٰ ہے۔ کون سے کام؟...... جو کام اس کو اللہ تعالیٰ سے دور کر دیں ان کو چھوڑ دے، حرام کام بھی نہ کرے اور جس کام میں حرام کا شبہ ہو اس کو بھی نہ کرے، اس لیے اس کا نام پرہیز گاری پڑ گیا۔

اگر یہ عاجز سمجھانے کی خاطر سادہ لفظوں میں متقی کی تعریف کرے تو یہ ہوگی کہ جو انسان علم اور ارادے سے گناہ کرنا چھوڑ دے اور ایسی محتاط زندگی گزارے کہ قیامت کے دن اس کا گریبان پکڑنے والا کوئی نہ ہو، اس شخص کو متقی اور پرہیز گار کہتے ہیں۔ علم اور ارادے کی بات اس لیے کی کہ مشکوٰۃ شریف کی آخری احادیث کا مفہوم ہے کہ اس امت سے اللہ تعالیٰ نے خطا اور نسیان کو اٹھا لیا ہے۔ اگر بھول چوک سے کوئی کوتاہی ہوگئی تو اللہ تعالیٰ جلدی معاف فرما دیتے ہیں، نقصان دہ وہ چیز ہوتی ہے جو جان بوجھ کر کی جائے۔ اس لیے جو شخص محتاط زندگی گزارے۔

......اللہ تعالیٰ کا حق بھی پورا کرے۔

......اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق بھی پورے کرے۔

......والدین کے حقوق بھی ادا کرے۔

......اولاد کے حقوق بھی ادا کرے۔

......ہمسایوں اور رشتہ داروں کے حقوق بھی پورے کرے

......اور دوست احباب کے حقوق بھی پورے کرے۔

اس شخص کو متقی اور پرہیزگار کہا جائے گا۔

اب ہم اپنی ججمنٹ خود کر سکتے ہیں کہ ہم اپنے دلوں میں کس درجے کا تقویٰ لیے ہوئے ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہر دوسرا بندہ ہمارا گریبان پکڑنے والا ہے؟

تقویٰ......قرآن مجید کی نظر میں:

قرآن مجید سمجھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ اس میں جابجا تقویٰ کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اتنی تاکید شاید ہی کسی اور حکم کے بارے میں کی گئی ہو جتنی تاکید تقویٰ اختیار کرنے کی گئی ہے۔فرمایا:

﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا اَنَّكُمْ مُلٰقُوْهُ ﴾ (البقرہ: ۲۲۳)

[اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ تم نے اللہ سے ملاقات کرنی ہے]

بلکہ ایک ایک آیت میں دو دو مرتبہ بھی تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے میں ایک سانس میں کوئی کام دو دفعہ کہوں، ایک دفعہ کہہ دینا بھی کافی ہوتا ہے، لیکن اگر ایک ہی سانس میں دو دفعہ کوئی بات کہوں گا تو اس سے اس بات کی تاکید بڑھ جائے گی۔اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی تقویٰ کی اہمیت سمجھانے کے لیے ایک ایک آیت میں دو دو مرتبہ اس کا حکم دیا ہے۔سنیے اور دل کے کانوں سے سنیے! ارشاد فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ (الحشر: ۱۸)

[اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کل (قیامت کے دن) کے لیے کیا سامان بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرو]

یہ ایک ہی آیت ہے اور اس میں دو مرتبہ اِتَّقُوا اللّٰه کے الفاظ آتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی کہہ دے کہ اتفاقاً ایک مرتبہ ایسا ہو گیا ہے، نہیں بلکہ سورۃ النساء میں بھی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ...... ﴾ (النساء:۱)

اب بتائیں، ہم قیامت کے دن کیا جواب دیں گے؟...... اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ایک ایک آیت میں دو دو مرتبہ اتقوا کا امر کیا اور تم نے اس کا مطلب ہی نہیں سمجھا تھا۔ صرف ونحو کے اعتبار سے طلباء کے لیے کوئی اتنا مشکل صیغہ تو نہیں ہے جو سمجھ میں نہ آسکیں۔ یہ امر کا صیغہ ہے جو ہر ایک کی سمجھ میں آجاتا ہے۔ ہم اس پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ نفس ہمیں عمل نہیں کرنے دیتا۔

بلکہ ایک آیت میں تو تین مرتبہ تقویٰ کا ذکر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ﴾ (المائدہ: ۹۳)

[جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے ان پر کچھ گناہ نہیں جو وہ کھا چکے، اب آئندہ کے پرہیزگار رہوئے اور ایمان لائے اور نیک عمل کیے پھر پرہیزگار ہوئے اور ایمان لائے پھر پرہیزگار ہوئے اور نیکی کی اور اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے]

کاش! ہم اس کام کی اہمیت کو سمجھتے اور تقویٰ اختیار کرنے کا ارادہ کر لیتے۔

تقویٰ کے فوائد و ثمرات

آیئے! قرآن مجید کی نظر میں دیکھیں کہ تقویٰ کے فوائد و ثمرات کیا ہیں؟

(۱)......تکفیر سیّئات:

متقی بندہ اللہ تعالیٰ کو اتنا پیارا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو بہت ہی جلدی معاف فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهٖ (الطلاق:۵)

(اور جو متقی بنے گا اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف فرما دیں گے)

سبحان اللہ! یہ کتنا بڑا اجر ہے! انسان ہونے کے ناتے!!! اگر کوئی کوتاہی ہو بھی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ جلدی معاف فرما دیتے ہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ چھوٹا بچہ ماں سے محبت رکھتا ہے، وہ ماں کے بغیر کہیں نہیں جاتا، اسے کوئی اٹھائے تو وہ ماں کی طرف بھاگتا ہے، تھوڑی دیر تک وہ ماں کا چہرہ نہ دیکھے تو روتا ہے، ماں پیچھے بھی ہٹائے تو ماں سے لپٹتا ہے، ماں بھی سمجھتی ہے کہ یہ میرے بغیر نہیں رہ سکتا، اس کے دل کو تسلی ہوتی ہے کہ یہ مجھ سے بہت پیار کرتا ہے۔ اب اگر بالفرض کبھی وہ چھوٹا سا بچہ کسی وقت اپنی ماں کے چہرے پر تھپڑ ہی لگا دے تو یہ تھپڑ لگانا جو ایک قابل سزا جرم تھا، اس پر ماں اسے سزا نہیں دیتی بلکہ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے چوم لیتی ہے، وہ سمجھتی ہے کہ یہ نادان اور نا سمجھ ہے، وہ اسے بچے کی نا سمجھی سمجھ کر جلدی معاف کر دیتی ہے کیونکہ وہ یہ بھی جانتی ہے کہ یہ مجھ سے پیار کرتا ہے۔ اسی طرح متقی انسان اللہ تعالیٰ کو اتنا پیارا ہوتا ہے کہ اگر بالفرض والتقدیر بتقاضائے شریعت وہ کبھی گناہ کا مرتکب بھی ہو بیٹھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے نادان سمجھ کر جلدی معاف فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ

فرماتے ہیں کہ یہ میرا ایسا بندہ ہے کہ اس کی لائف ہسٹری بتاتی ہے کہ یہ احتیاط برتتا ہے مگر اب اس سے کوتاہی ہوگئی ہے، چلو میں اب اسے معاف کردیتا ہوں۔

اگر خاوند کو بیوی بڑی پیاری ہو تو اس کی چھوٹی موٹی غلطی وہ سنتا ہی نہیں ہے۔ ماں بتانا چاہے کہ تیری بیوی کی یہ غلطی ہے یا بہن بتانا چاہے کہ تیری بیوی کی یہ غلطی ہے تو وہ سنتا ہی نہیں ہے۔ حالانکہ غلطی ہوتی ہے لیکن محبت کی وجہ سے وہ چشم پوشی اختیار کر لیتا ہے۔ اسی طرح متقی انسان اللہ تعالیٰ کو اتنا محبوب ہوتا ہے کہ اگر کسی وقت وہ غلطی کر بھی بیٹھے تو اللہ تعالیٰ اس کو جلدی معاف کر دیتے ہیں۔ جیسے بڑے ملک چھوٹے ملکوں کے قرضے معاف کر دیتے ہیں اسی طرح اللہ رب العزت بھی ان گناہوں کے قرضے کو معاف کر کے سروں سے بوجھ کو ختم کر دیتے ہیں۔

(۲)......اعظام اجر:

تقویٰ کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ متقی بندے کو بہت زیادہ اجر عطا فرماتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا۔

﴿ وَ يُعْظِمْ لَهٗ اَجْرًا ﴾ (الطلاق: ۵)

[اللہ تعالیٰ اس کے اجر کو بڑھا دیتے ہیں]

دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ اس آدمی کے اعمال کا ریٹ بڑھا دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر:

⊙......دیکھیں سیزن ٹماٹر میں عام طور پر دو چار روپے کلو بکتا ہے، لیکن کئی مرتبہ سال میں ایسا وقت بھی آتا ہے کہ جب یہ عام دستیاب نہیں ہوتے۔ پچھلے سال ہم نے سنا کہ یہ سو روپے فی کلو کے حساب سے بکتا رہا ہے، ہے تو ٹماٹر مگر قیمت بڑھ گئی۔ تو یوں سمجھیے کہ متقی انسان جو اعمال کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر Off season vegetables (غیر موسمی سبزی) کا ریٹ لگا دیتے ہیں۔

⊙ ......بعض اوقات آپ کو ایک کپڑا دس روپے گز ملے گا اور دوسرا کپڑا آپ کو پانچ سو روپے گز ملے گا، یہ بھی کپڑا ہے، وہ بھی کپڑا ہے، اس سے بھی بدن ڈھانپا جا سکتا ہے اور اس سے بھی بدن ڈھانپا جا سکتا ہے لیکن کوالٹی کا فرق ہے...... آج لوگ زیادہ قیمت دے کر اعلیٰ کوالٹی کی چیز خریدتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ پیسے کی پرواہ نہ کرو! مجھے اعلیٰ چیز چاہیے۔ بالکل اسی طرح اللہ رب العزت بھی متقی بندے کے اخلاص والے محتاط عمل کو زیادہ ریٹ دے کر قبول فرما لیا کرتے ہیں۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ ''متقی آدمی کی دو رکعت، غیر متقی آدمی کی ایک ہزار رکعت پر بھی فضیلت رکھتی ہے''۔

⊙ ......ایک من مٹی بھی ایک من ہوتی ہے، ایک من لوہا بھی ایک من ہوتا ہے اور ایک من سونا بھی ایک من ہی ہوتا ہے۔ اس ایک من مٹی کی قیمت اور ہے، ایک من لوہے کی قیمت اور ہے اور ایک من سونے کی قیمت اور ہے۔ فاسق وفاجر لوگ، عام لوگ اور متقی لوگ ایک ہی نماز پڑھتے ہیں لیکن جو فسق وفجور کی زندگی گزارنے والا ہو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر مٹی کا بھاؤ لگائیں، جو ہم جیسے عام لوگ ہوں، ان پر لوہے کا بھاؤ لگائیں اور اگر کوئی متقی اور پرہیزگار ہے، اس پر اللہ تعالیٰ سونے کا بھاؤ لگا دیں۔

⊙ ......اگر آپ کسی بزنس مین کو کہیں کہ آپ اپنی چیز کو باہر بھیج دیں، وہاں ریٹ زیادہ لگے گا تو وہ ہر ممکن کوشش کر کے اپنے چاول وغیرہ ایکسپورٹ کرے گا۔ اس کو پتہ ہے کہ یہاں چاول کا معقول ریٹ نہیں ملتا، البتہ باہر چلے گئے تو شاید دوگنا ریٹ مل جائے گا۔ جس طرح ایک بزنس مین دوگنا مال حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، اسی طرح مومن بندے کے اعمال پر بھی اس کو کئی گنا بڑھا کر ریٹ دیا جاتا ہے۔ لہٰذا ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اپنے اعمال ایکسپورٹ مارکیٹ کے مطابق بنائیں تا کہ ڈبل ریٹ ملے۔

⊙ ......موٹی سی بات ہے کہ لوگ آٹھ گھنٹے دفتر میں کام کرتے ہیں، کوئی تین ہزار لے

کرآتا ہے اور کوئی تیس ہزار لے کرآتا ہے۔ کاروباری حضرات ہوسکتا ہے کہ ایک لاکھ لے کے آتے ہوں۔ وقت ایک جیسا ہے مگر اجرت مختلف ہوتی ہے۔ متقی آدمی بھی اللہ تعالیٰ کو اتنا پیارا ہوتا ہے کہ وہ بھی عمل تو عام آدمی کی طرح ہی کرتا ہے مگر اس کے تقویٰ کی بنا پر اللہ رب العزت اس کے عمل پر اس کو بہت بڑا اجر عطا فرما دیتے ہیں۔

(۳)......اعطائے فرقان:

تقویٰ کی بنا پر اللہ تعالیٰ انسان کو ایک نور عطا فرما دیتا ہے۔ اس کو نور فراست کہہ لیجئے۔ قرآن مجید کی زبان میں اس کو فرقان کہا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ فُرْقَانًا ﴾

[اور جو تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے فرقان عطا فرما دیتا ہے]

یہ ایک نور ہوتا ہے جس کی وجہ سے بندے کو کھوٹے اور کھرے کا فوراً پتہ چل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قوت فارقہ یعنی فرق بين الحق والباطل کی نعمت عطا فرما دیتے ہیں۔ اسے اچھے اور برے کی فوراً تمیز ہو جاتی ہے۔ یہ نعمت اللہ والوں کے پاس موجود ہوتی ہے۔ اسی لیے فرمایا:

اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ

(مومن کی فراست سے ڈرو! وہ اللہ رب العزت کے نور سے دیکھتا ہے)

کہ فراست مومنانہ بڑی عجیب نعمت ہے۔ اس امت کے اولیاء کو کثرت سے یہ نور فراست عطا ہوا۔ اس کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

ولادت سے پہلے بیٹی کی خبر:

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے کچھ پہلے حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) کو بلایا۔ فرمایا کہ میری یہ جائیداد اپنے دو بھائیوں میں اور دو بہنوں میں تقسیم

کردینا۔انہوں نے عرض کیا: وہ کیسے؟ میری تو ایک بہن ہے۔فرمایا نہیں،تمہاری والدہ امید سے ہے اور میرے وجدان نے مجھے بتایا ہے کہ اب مجھ اللہ تعالیٰ مجھے بیٹی عطا فرمائیں گے۔اس لیے اس کو بھی شمار کیا ہے۔پھر ایسا ہی ہوا کہ ان کی وفات کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی اہلیہ کو بیٹی عطا ل فرمائی اور ان کی بات سو فیصد سچ نکلی۔یہ فراست ہے جو اللہ تعالیٰ دل میں القا فرما دیتے ہیں۔

خواب سنے بغیر تعبیر:

البدایہ والنہایہ میں ایک عجیب واقعہ لکھا ہے۔ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خواب میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا دیدار کیا۔انہوں نے خواب میں دیکھا کہ نبی علیہ السلام نے فجر کی نماز پڑھائی اور انہوں نے پیچھے پڑھی۔پھر نماز کے بعد نبی اکرم ﷺ نمازیوں کی طرف رخ انور کر کے بیٹھ گئے۔اس دوران میں ایک عورت آئی اور اس نے کھجوروں کا ایک بھرا ہوا تھال پیش کیا۔نبی اکرم ﷺ نے اس میں سے دو کھجوریں لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کھانے کے لیے دیں۔جب انہوں نے وہ کھجوریں کھائیں تو انہیں بڑا مزہ آیا۔اسی دوران ان کی آنکھ کھل گئی......انہیں خواب دیکھنے کا بھی بڑا مزہ آیا۔ایک تو محبوب ﷺ کا دیدار ہوا، دوسرا ان کے پیچھے نماز پڑھی اور تیسرا ان کے ہاتھوں سے کھجوریں کھائیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فجر کی نماز کے لیے مسجد میں تشریف لائے، یہ خلافتِ فاروقی کا زمانہ تھا، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور انہوں نے نماز پڑھائی۔اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیے کہ انہوں نے نماز میں وہی دو سورتیں پڑھیں جو خواب میں نبی علیہ السلام نے نماز میں پڑھی تھیں۔حضرت علی رضی اللہ عنہ بڑے حیران ہوئے۔پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز کے بعد مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے۔حسنِ اتفاق دیکھیں کہ ایک عورت نے امیر المومنین کی طرف کھجوروں سے بھرا ہوا ایک تھال پہنچایا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

اس میں سے دو کھجوریں اٹھائیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کھانے کے لیے دیں۔ جب انہوں نے کھجوریں کھائیں تو ان کا دل بڑا خوش ہوا۔ دو کھجوریں کھانے کے بعد انہوں نے کہا امیر المومنین! مجھے اور بھی دیجیے۔ اس بات پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسکرائے اور فرمانے لگے:

اگر آپ کو خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور بھی دی ہوتیں تو میں اور بھی عطا کر دیتا۔ یہ نور فراست ہوتا ہے جو تقویٰ کی بنا پر انسان کو حاصل ہوتا ہے۔ یہ نعمت ہر بندے کو نصیب نہیں ہوتی۔ اگر آپ غور کریں تو یہ چیز آج زندگیوں سے نکلتی جا رہی ہے۔

بدنظری کا فوری ادراک:

ایک مرتبہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے۔ ایک صاحب ان کی مجلس میں حاضر ہوئے ان کی نظر راستے میں کہیں غیر محرم پر پڑ گئی تھی۔ آپ نے اس کو دیکھتے ہی فرمایا:

''لوگوں کو کیا ہو گیا، ہماری محفل میں بے محابہ چلے آتے ہیں اور انکی نگاہوں سے زنا ٹپکتا ہے۔''

وہ یہ بات سن کر گھبرا گئے اور کہنے لگے۔ کیا اب بھی وحی اترتی ہے؟ فرمایا: نہیں یہ وحی نہیں ہے بلکہ یہ اللہ کی طرف سے ایک فراست ہے جو مومن کو عطا کر دی جاتی ہے۔

فراست مومن کا مطلب:

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں بیٹھے تھے، ایک شخص ان کے پاس آیا۔ اس نے جبہ بھی پہنا ہوا تھا اور عمامہ بھی باندھا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ بظاہر منور نظر آ رہا تھا۔ گورا، چٹا، خوبصورت تھا، وہ آ کر کہنے لگا۔ حضرت! مجھے آپ ایک حدیث کا مطلب سمجھا دیجیے۔

پوچھا، کونسی حدیث؟ اس نے کہا، حدیث یہ ہے۔

اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله

(مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے)

حضرت نے اس کا چہرہ دیکھا اور فرمایا او نصرانی کے بیٹے! اس کا مطلب یہ ہے کہ تو کلمہ پڑھ اور مسلمان ہو جا! یہ سن کر اس کے پسینے چھوٹ گئے۔ وہ کہنے لگا، واقعی میں نصرانی ہوں، میں اس لیے آیا تھا کہ میں پہلے آپ سے اس کا معنیٰ پوچھوں گا اور پھر میں آپ کو لوگوں میں رسوا کروں گا کہ آپ اتنے بڑے شیخ بنے پھرتے ہیں لیکن اتنا بھی پتہ نہ چلا کہ میں مومن ہوں یا نہیں۔ اس سے پتہ چلا کہ واقعی یہ ایک نعمت ہے جو مومن بندے کے دل میں عطا ہوتی ہے۔ لہٰذا اب میں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتا ہوں۔ اللہ اکبر!!!

تمہارے گھر میں سؤر کیسے......!!!

حضرت خواجہ محمد عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ بہت محتاط بزرگ تھے۔ ان کی زندگی میں بڑا تقویٰ تھا۔ اگر کوئی آدمی ان کو کوئی مشتبہ مال کی چیز کھانے کے لیے دیتا تھا تو آپ قبول ہی نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ ایک آدمی نے کہا کہ میں نے ایک مرتبہ حضرتؒ کے لیے مشتبہ مال سے بہت زیادہ کھانا بنوایا، تقریباً پچیس تیس ڈشز بنوائیں۔ اس کے علاوہ دال بالکل حلال مال سے بنوائی۔ جب حضرت دستر خوان پر تشریف لائے تو فقط دال کے ساتھ روٹی کھا کر اٹھ گئے، باقی کسی اور چیز کی طرف ہاتھ بھی نہ بڑھایا۔

حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا عبدالرحمٰن قاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے خود مجھے یہ واقعہ سنایا کہ حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ تبلیغی سفر پر تھے۔ اس دوران حضرت خواجہ عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ اس علاقہ میں کسی پروگرام کیلیے تشریف لائے اور واپسی پر اچانک چکوال تشریف لے آئے۔ جب حضرتؒ اچانک تشریف

لائے تو میں خوش بھی ہوا اور حیران بھی ہوا۔ میں نے گھر میں والدہ صاحبہ کو آ کر بتایا کہ حضرتؒ تشریف لائے ہیں، ان کے لیے کھانا بنائے۔ میں نے حضرتؒ کو بٹھایا، پانی پلایا اور جب دستر خوان لگایا تو حضرتؒ نے دستر خوان کی طرف ایک مرتبہ دیکھا اور پھر مجھے دیکھ کر فرمانے لگے: ''تمہارے گھر میں سؤر کیسے داخل ہوگیا؟''۔ فرماتے ہیں کہ میں فوراً واپس والدہ صاحبہ کے پاس گیا اور ان سے کہا: امی جان حضرت تو کھانے کی طرف ہاتھ بھی نہیں بڑھا رہے اور مجھے غصے سے دیکھ کر فرماتے ہیں کہ تمہارے گھر میں یہ سؤر کیسے داخل ہوگیا۔ امی جان سر پکڑ کر کہنے لگیں ''اوہو! غلطی میری ہے۔ یہ میرے ہمسائے والی عورت مدتوں سے مجھے کہہ رہی تھی کہ جب کبھی تمہارے پیر صاحب آئیں گے تو اس دفعہ کھانا میں بنا کے دوں گی، اور مجھے خیال ہی نہ رہا کہ حضرت محتاط غذا کھاتے ہیں۔ میں نے پڑوسن کا حق سمجھ کر اسے ہاں کر دی تھی، لہٰذا یہ ہمارے گھر کا کھانا نہیں پڑوس کے گھر کا کھانا ہے''۔ تحقیق کی گئی تو پتہ چلا کہ اس کے خاوند کا مال تو حلال تھا مگر اس نے اپنی رقم کو سود والے اکاؤنٹ میں رکھا تھا، لہٰذا وہ بھی حرام بن گیا۔

چالیس دن میں القائے نسبت:

امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا نور فراست بہت مشہور تھا۔ فرماتے تھے کہ چالیس دن تک میرے پاس رہو اور جو چیز کھانے کے لیے میں بتاؤں وہ کھاؤ۔ تو میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید کرتا ہوں کہ ان چالیس دنوں میں تمہارے سینے کو نسبت کے نور سے روشن فرمادیں گے۔ سبحان اللہ۔

انگوروں سے مردوں کی بدبو:

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک مرتبہ کوئی مرید آیا اور اس

نے کچھ انگور کھانے کے لیے پیش کیے۔ حضرتؒ اس میں سے کچھ انگور توڑ کر منہ میں ڈالنے لگے تو واپس رکھ دیے، فرمایا: مجھے ان میں سے مردوں کی بو آ رہی ہے۔ اس نے کہا: حضرت بازار سے لایا ہوں، لیکن حضرتؒ نے واپس کر دیے۔ حضرتؒ کے اس عمل کی وجہ سے اس کے اندر تجسس پیدا ہوا اور اس کی تحقیق کے لیے کمر بستہ ہو گیا۔ چنانچہ وہ دکاندار کے پاس گیا اور پوچھا: جی آپ نے یہ انگور کہاں سے لیے؟ اس نے کہا: ایک دیہاتی بندے کا انگوروں کا باغ ہے۔ وہ لاتا ہے اور میں اس سے خریدتا ہوں۔ اس نے کہا۔ مجھے اس کا ایڈریس بتاؤ! اس نے اس کا پتہ دے دیا۔ جب اس آدمی نے جا کر دیکھا تو پتہ چلا کہ اس شخص نے ایک پرانے قبرستان کی زمین ہموار کر کے وہاں انگوروں کی بیلیں لگائی ہوئی تھی۔

یہ علم غیب نہیں:

عزیز سالکین! یہ کوئی علم غیب نہیں ہوتا، اپنا دماغ بالکل صاف رکھنا۔ کوئی یہ نہ کہہ دے کہ یہ تو علم غیب بن گیا، ہرگز نہیں، بلکہ یہ ایک نورِ فراست ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے پیارے بندوں کو ایسی حرام اور مشتبہ چیزوں سے بچانے کے لیے فہمِ سلیم عطا کر دی جاتی ہے، ان کے دل میں القا کر دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ ان چیزوں کے استعمال کرنے سے محفوظ رہتے ہیں۔ اس کو نورِ فراست، فرقان، وجدان، قوتِ فارقہ اور فراستِ مومنانہ بھی کہہ سکتے ہیں۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ جو بندہ پولیس کے محکمہ میں تیس چالیس سال کوتوال رہے۔ پھر اسکے سامنے سے پانچ بندے گزریں تو ان کو دیکھ کر کہتا ہے کہ ان میں سے یہ نشئی آدمی ہے۔ حالانکہ اس کو تو نہیں پتہ ہوتا لیکن جب تحقیق کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ واقعی وہ نشہ کرنے والا بندہ ہوتا ہے۔ اسے کیسے پتہ چلتا ہے؟ اس لیے کہ اس کا تجربہ ہوتا ہے اور اس تجربہ کی وجہ سے اس کو پہچان حاصل ہو جاتی ہے، ہم نہیں پہچان

سکتے مگر کوتوال پہچان لیتا ہے۔اسی طرح یہ چیز بھی تجربے سے تعلق رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے متقی بندوں کو بھی ایسی چیزیں سمجھا دیتے ہیں۔

(۴)......اخراج من الضیق:

انسان کو تقویٰ کی وجہ سے اخراج من الضیق کا ثمرہ بھی حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندے کے لیے تنگی میں سے راستہ نکال دیتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ﴾ (الطلاق:۲)

(اور جو بھی تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے مخرج نکال دیتے ہیں)

حاسدین کے خلاف خدائی مدد:

کچھ حاسدین نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر بہتان لگانے کی کوشش کی۔ حاسد تو دنیا میں ہوتے ہی ہیں۔ یاد رکھیں کہ جہاں فضل و کمال ہوگا وہاں آپ کو بہت زیادہ حاسد ملیں گے۔ چونکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو فقاہت میں بلند مقام حاصل تھا۔ اس لیے آپ کو باقی ائمہ کے حاسد اتنے نہیں ملیں گے۔ وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم کسی کی نہیں مانتے، وہ کسی اور پر الزام تراشی نہیں کریں گے۔ آپ کبھی ان کی زبان سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا نام نہیں سنیں گے۔ ان کے تمام اعتراضات بالآخر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر ہوتے ہیں۔ کائنات میں سب سے زیادہ فضل و کمال اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا اس لیے ان کے حاسدین بھی دنیا میں سب سے زیادہ ہیں۔ اسی لیے اللہ نے قرآن میں اتارا،

﴿ وَ مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴾ (الفلق: ۵)

حاسدین نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر بہتان لگانے کی کوشش اس طرح کی کہ ایک عورت جس کے اخلاقی حالات اچھے نہیں تھے، اس کو مال پیسہ دینے کا لالچ دیا اور کہا

کہ تم اس نعمان (امام اعظمؒ) کو کسی طرح اپنے گھر میں بلاؤ، ہم تجھے اتنے پیسے دیں گے۔ وہ پوری صورت حال کو سمجھ نہ پائی۔ اس نے کہا کہ اچھا یہ تو اتنا بڑا کام نہیں ہے میں کوئی بہانہ کرلوں گی۔

جب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ عشاء کی نماز پڑھ کر گھر آنے لگے تو وہ عورت انتظار میں تھی۔ وہ یکدم دروازہ کھول کر باہر نکلی اور کہنے لگی کہ میرا خاوند آخری لمحات میں ہے، وہ کوئی وصیت کرنا چاہتا ہے، آپ مہربانی فرما کر اس کی وصیت سن کر لکھ دیجیے۔ اب اگر ایسی صورت حال اچانک پیش آجائے تو آدمی اس کو سچ سمجھ لیتا ہے۔ چنانچہ حضرت جیسے ہی اس کے گھر کے اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ حاسدین پہلے سے موجود تھے، انہوں نے ان کو بھی پکڑ لیا اور اس عورت کو بھی پکڑ لیا اور کہا: دیکھو! یہ اتنے بڑے عالم بنے پھرتے ہیں اور رات کے وقت اجنبیہ کے گھر میں آئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے یہ بات حاکم وقت تک پہنچا دی۔ حاکمِ وقت نے کہا کہ ان دونوں کو جیل میں بند کر دو، میں صبح اٹھ کر معاملہ کی تحقیق کروں گا۔ اس طرح ان دونوں کو ایک کمرے میں بند کر دیا گیا۔

حضرتؒ باوضو تھے۔ چنانچہ آپ نے وہیں اپنا کپڑا بچھایا اور نفل پڑھنا شروع کر دیے۔ جب کافی دیر تک نفل پڑھتے رہے تو عورت کے دل میں خیال آیا کہ میں عورت ہوں، جوانی کی عمر میں ہوں، اندھیرا بھی ہے اور تنہائی بھی ہے، لیکن یہ شخص اتنا نیک ہے کہ میری طرف دھیان ہی نہیں کر رہا۔ چنانچہ اب اس کو احساس ہوا کہ اتنے نیک بندے کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا۔ بالآخر اس نے احساس ندامت کے ساتھ سوچا کہ میں ان کے سامنے حقیقت کھول دوں۔

چنانچہ جب آپ نے سلام پھیرا تو وہ کہنے لگی: جی میں آپ کے سامنے اس سارے ڈرامے کی حقیقت کھولنا چاہتی ہوں۔ فرمایا: بتاؤ! وہ کہنے لگی کہ کچھ لوگوں نے

مجھے اس، اس طرح ورغلایا تھا، میں نے ان کے کہنے پر یہ کوتاہی کر لی، اب مجھے احساس ہو رہا ہے کہ یہ تو میں نے بہت بڑا گناہ کیا ہے، لہٰذا اب مجھے شرمندگی ہو رہی ہے۔

حضرت نے فرمایا: اچھا اگر یہ معاملہ ہے تو تجھے میں ایک ترکیب بتاتا ہوں اور تم اس پر عمل کرو! اس نے پوچھا: کونسی ترکیب؟ حضرت فرمایا کہ تم جیل کے پہریدار کے پاس چلی جاؤ اور اس سے کہو کہ مجھے یہاں اچانک پکڑ کر پہنچا دیا گیا ہے اور میرے گھر میں کچھ تقاضے تھے، میں چاہتی ہوں کہ میں جا کر وہ تقاضے پورے کرلوں اس لیے تو میرے ساتھ گھر تک چل! میں وہ تقاضے پورا کر کے تیرے ساتھ واپس آ جاؤں گی، امید ہے کہ وہ تم پر اعتماد کر لے گا۔ اس کے بعد تم پہریدار کے ساتھ میرے گھر چلی جانا اور وہاں میری بیوی کو پوری بات سنا دینا، تم اپنا برقعہ میری بیوی کے حوالے کر دینا اور اسے کہنا کہ وہ اس سپاہی کے ساتھ میرے پاس آ جائے۔ اس نے اس ترکیب پر عمل کیا اور کچھ دیر بعد امام صاحب کی بیوی ان کے کمرے میں پہنچ گئی۔

اگلے دن حاکم وقت نے دربار لگایا۔ وہاں حاسدین کا ایک جم غفیر تھا کہ آج ہم دیکھیں گے کہ یہ اس مصیبت سے کیسے نکلتے ہیں؟ حاکم وقت نے آ کر کہا: ''نعمان! تم اتنے بڑے عالم ہو کہ لوگ تمہیں جبال العلم سمجھتے ہیں، تمہارا یہ عمل ہے کہ تم رات کے وقت تنہائی میں ایک اجنبیہ کے ساتھ ہوتے ہو۔''

آپ نے فرمایا: نہیں میں تو اجنبیہ کے ساتھ نہیں ہوتا۔ اس نے کہا کہ یہ تمہارے ساتھ تو ایک اجنبیہ عورت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں یہ اجنبیہ تو نہیں ہے، آپ میرے سسر کو بلا لیجیے اور ان سے کہیے کہ آ کر اس کو پہچانے کہ یہ کون ہے؟ چنانچہ جب سسر آئے اور اس نے دیکھا تو کہا کہ یہ تو میری بیٹی ہے اور میں نے اتنا عرصہ پہلے امام صاحب کے ساتھ اس کا نکاح کیا تھا۔ اللہ اکبر!!!...... اللہ تعالیٰ بندے کو حاسدین اور

دشمنوں کی ایسی چالوں سے بھی باہر نکال دیتے ہیں، جہاں سے انسان کو سمجھ ہی نہیں آتی کہ وہ کیسے نکلے، متقی بندے کو اللہ تعالیٰ نکال دیتے ہیں۔

ناساعد حالات میں خروج کا راستہ:

معاشرتی زندگی گزارتے ہوئے انسان کو بے شمار مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً: بیٹی کے رشتے کا مسئلہ ایسا الجھ جاتا ہے کہ رشتے آتے ہی نہیں۔ اس طرح ماں باپ کی راتیں جس بے قراری میں گزرتی ہیں وہ کسی دوسرے کو بتا ہی نہیں سکتے۔ جہاں ماں باپ کا ایک ہی جوان العمر بیٹا پڑھ کر فارغ ہوا ہو اور دھکے کھاتے ہوئے دو سال گزر جائیں اور روزگار کا سبب نہ بن رہا ہو تو جب وہ شام کو خالی واپس آتا ہے تو ماں ہی بتا سکتی ہے کہ اس کے دل پر کیا گزرتی ہے! بعض اوقات آدمی کاروبار شروع کرتا ہے اور دوسرے لوگ اس کے پیسے دبا کر بیٹھ جاتے ہیں، وہ دیتے ہی نہیں، اب کرے تو کیا کرے؟ ایسے موقع پر شیطان بندے کو بہکاتا ہے اور اس کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے کہ لگتا ہے کہ کسی نے کچھ کر دیا ہے۔ پھر عملیات والوں کے پیچھے بھاگتا ہے اور کہتا ہے کہ کسی نے ہمارا کاروبار باندھ دیا ہے۔ او خدا کے بندو! کوئی کاروبار نہیں باندھتا، رزق کا معاملہ تو اللہ رب العزت کے اختیار میں ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيَقْدِرُ ﴾ (الشوریٰ : ۱۲)

ہمارے ان مسائل کا حل کہیں اور ہوتا ہے اور ہم کہیں اور بھاگ رہے ہوتے ہیں۔ پہلے پریشانی کم ہوتی ہے اور عملیات والے الٹا اور زیادہ پریشان کر دیتے ہیں۔ جب انسان کو دروازہ بند نظر آئے، چاروں طرف دیوار نظر آئے، کچھ سمجھ میں نہ آئے کہ میں ان حالات میں کیا کروں، اس کو ضیق اور تنگی کہتے ہیں۔

قرآن مجید کی یہ آیت بتا رہی ہے کہ اللہ رب العزت متقی بندوں کے لیے ایسے

بند حالات میں بھی دروازہ نکال دیتے ہیں۔ فرمایا:

﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ﴾ (الطلاق:۲)

[اور جو انسان تقویٰ اختیار کرے گا اللہ رب العزت اس کے لیے مخرج بنا دیں گے]

مخرج کو انگریزی میں Exit (ایگزٹ) کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ متقی بندے کو مشکل حالات میں ایگزٹ کا سائن دکھا دیتے ہیں۔ آج کل بڑی بڑی بلڈنگز بنی ہوتی ہیں۔ اگر وہاں کسی وجہ سے روشنی بند ہو جائے تو کچھ روشنیاں جل جاتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ باہر جانے کا راستہ ادھر ہے۔ اس راستے کو ایگزٹ ڈور کہتے ہیں۔ بس یونہی سمجھ لیں کہ جو انسان متقی ہوتا ہے، اگر وہ کبھی حالات کی پریشانی اور مصیبت میں کسی وجہ سے گھر بھی جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو ایگزٹ کی بتیاں جلا کر نکلنے کا راستہ دکھا دیتے ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ اس کے کاموں کو آسان کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ﴾ (الطلاق:۴)

[اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے کام کو آسان کر دیتا ہے]

چنانچہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ متقی لوگوں کے کام خود بخود سنور رہے ہوتے ہیں۔ ایسے لگتا ہے کہ جیسے کوئی بڑی طاقت اس بندے کے کاموں کو خود بخود سنوارتی جاتی ہے۔ ان کے کاموں میں مدد الٰہی شامل ہوتی ہے۔

(۵)......رزق بے حساب:

اللہ تعالیٰ متقی آدمی کو بے حساب رزق عطا فرماتے ہیں۔ اسے ایسی طرف سے رزق عطا فرماتے ہیں جہاں سے اسے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ متقی آدمی کے لیے ارشاد فرماتے ہیں:

وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق:۳)

[اور اللہ تعالیٰ اس کو ایسی طرف سے رزق دیتے ہیں جہاں سے اس کو گمان ہی نہیں ہوتا]

نوٹوں سے بھرا سوٹ کیس:

حضرت خواجہ محمد عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے خانیوال میں مسجد بنوائی۔ یہ وہ مسجد پورے شہر کی سب سے بڑی مسجد ہے۔ لوگوں نے اس مسجد کا نام ''بے چندہ مسجد'' رکھا۔ کیونکہ حضرتؒ نے کبھی اس مسجد کے لیے چندہ بھی نہیں کیا تھا۔ یہ مسجد بہت ہی عالیشان ہے۔

والدہ صاحبہ نے یہ بات سنائی (کتابوں میں بھی مرقوم ہے) کہ ایک مرتبہ حضرتؒ کام کرنے والے لوگوں کی تنخواہیں نہ دے پائے..... پھر اللہ تعالیٰ بھی کام کرنے والے، صابر، شاکر، محبت کرنے والے اور مجاہدے کرنے والے دے دیتے ہیں۔ حضرتؒ نے مزدوروں اور مستریوں سے یہ طے کر رکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دے گا تو ہم آپ کو دے دیں گے اور اگر پاس نہیں ہوگا تو آپ بھی مانگنا اور ہم بھی اللہ تعالیٰ سے مانگیں گے۔ چنانچہ اس بات کی بنا پر لوگ کام کرتے تھے۔ عید الفطر کی آمد آمد تھی۔ اب حضرتؒ متفکر ہوئے کہ ان حضرات کی چند ماہ سے پیمنٹ رکی ہوئی ہے، آخر عید کے موقع پر بیوی بچوں کے اخراجات ہوتے ہیں، اگر ہمارے پاس کچھ ہوتا تو ہم ان کی پیمنٹ کر دیتے۔ چنانچہ آپ دو رکعت پڑھتے اور پھر دعا مانگتے، پھر دو رکعت پڑھتے پھر دعا مانگتے۔

ایک دفعہ ایک آدمی حضرتؒ سے ملنے آیا، وہ جاتے ہوئے کہنے لگا، حضرت! میں یہ سوٹ کیس آپ کے لیے ہدیہ لایا ہوں۔ حضرتؒ نے فرمایا: بہت اچھا! آپ یہ سوٹ کیس اس بچے کو دے دیں تاکہ یہ گھر پہنچا دے۔ اس نے وہ سوٹ کیس بچے کو دے دیا اور اس نے اسے گھر پہنچا دیا۔ جب وہ گھر لے کر پہنچا تو اس وقت والدہ صاحبہ

عورتوں میں بات چیت کرنے میں مصروف تھیں۔لڑکے نے کہا: حضرت جی نے یہ سوٹ کیس بھیجا ہے، اماں جی نے کہا: اچھا اس کو یہاں اوپر کر کے رکھ دو! چنانچہ اس نے اوپر کر کے رکھ دیا۔تین دنوں کے بعد حضرتؒ ایک مرتبہ گھر تشریف لائے اور والدہ صاحبہ نے کہا کہ آپ نے ایک سوٹ کیس بھجوایا تھا، وہ کسی کی امانت ہے یا اپنا ہے؟ حضرتؒ نے فرمایا: وہ سوٹ کیس کسی نے ہدیہ کے طور پر دیا تھا اور میں نے وہ آپ کی طرف بھجوا دیا تھا۔والدہ صاحبہ نے کہا: ذرا اسے اندر سے تو دیکھوں کہ کیسا بنا ہوا ہے؟ چنانچہ انہوں نے اٹھایا تو وہ وزنی تھا۔وہ کہنے لگیں: کیا یہ لوہے کا بنا ہوا ہے؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ سوٹ کیس لوہے کا تو بنا ہوا نہیں ہوتا۔پوچھا: پھر اس میں کیا ہے؟ حضرتؒ نے فرمایا: اسے کھول کر دیکھ لو۔اماں جی فرماتی ہیں کہ جب ہم نے اسے کھولا تو ہم حیران ہوئے کہ پورے کا پورا سوٹ کیس ہزار ہزار روپے کے نوٹوں کے ساتھ بھرا ہوا تھا۔سبحان اللہ! دینے والا بھی اتنا مخلص تھا کہ اس نے احسان بھی نہیں جتلایا اور لینے والے بھی ایسے مستغنی......!!!

بلوں سے رزق کا انتظام:

ایک صحابی رضی اللہ عنہ تقاضے کے لیے ویرانے میں گئے۔ابھی وہ قضائے حاجت سے فارغ ہو رہے تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ زمین میں چوہے کا سوراخ تھا، اس سوراخ کو بل کہتے ہیں۔اس بل میں سے ایک چوہا نکلا، اس کے منہ میں ایک دینار تھا۔اس نے وہ دینار باہر ہی چھوڑ دیا، پھر وہ اندر گیا اور دوسرا دینار لے کر آیا، پھر تیسرا دینار، جب وہ فارغ ہو کر اٹھے تو وہ سولہ دینار باہر لا چکا تھا۔اس صحابی نے وہ دینار اٹھا لیے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک قابل تحسین عادت یہ ہوتی تھی کہ جب بھی ان کو کوئی نئی بات پیش آتی تو وہ اس کے بارے میں نبی ﷺ سے پوچھا کرتے تھے۔انہوں نے

وہ دینار لا کر نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیے اور پوچھا۔اے اللہ کے محبوب ﷺ! مجھے یہ واقعہ پیش آیا ہے،اب بتایئے کہ میں ان دیناروں کا کیا کروں؟ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ اصل میں تمہارا رزق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ پہنچانے کا بندوست کر دیا،اب تم اسے استعمال میں لے آؤ۔

جب کبھی میں یہ واقعہ پڑھتا ہوں تو حیران ہوتا ہوں کہ صحابہ (رضی اللہ عنہم) کی ایمانی کیفیت کیا تھی! ان لوگوں کو بلوں سے رزق ملتا تھا۔اور آج کل ہماری کیفیت یہ ہے کہ سارے مہینے میں جو کماتے ہیں وہ بلوں میں صرف ہو جاتا ہے۔ یہ بجلی کا بل ...... یہ ٹیلیفون کا بل ...... یہ انشورنس کا بل ...... یہ گیس کا بل ...... یوں ساری تنخواہ ہی بلوں میں چلی جاتی ہے۔

والدین کی خدمت کا انعام:

ایک نوجوان نے اپنے ماں باپ کی بہت خدمت کی۔جب والدین فوت ہو گئے تو کچھ دنوں کے بعد خواب میں ایک آدمی کو دیکھا۔اس نے کہا تم نے والدین کی بڑی خدمت کی ہے،اب تجھے انعام ملے گا۔فلاں پتھر کے نیچے سو دینار پڑے ہیں جا کر اٹھا لو۔وہ نوجوان سمجھدار تھا،اس نے پوچھا: کیا ان میں برکت بھی ہوگی؟ اس نے جواب دیا،ان میں برکت نہیں ہوگی،اس نے کہا: پھر میں نہیں اٹھاتا۔جب صبح کو اٹھ کر بیوی کو بتایا تو وہ کہنے لگی: ٹھیک ہے تم نہ لینا لیکن جا کر دیکھو تو سہی کہ دینار پڑے بھی ہیں یا نہیں۔اس نے کہا: جب لینے نہیں تو پھر میں جا کر دیکھتا بھی نہیں۔ دوسری رات اسے پھر خواب میں کہا گیا کہ فلاں جگہ پر دس دینار پڑے ہیں،اٹھا لو! اس نے پھر وہی سوال کیا کہ کیا ان میں برکت ہوگی، جواب ملا کہ برکت نہیں ہوگی۔اس نے کہا: میں یہ دس دینار بھی نہیں لیتا۔جب بیوی کو بتایا تو وہ کہنے لگی کہ پہلے سو دینار تو چھوڑ دیے تھے،اب دس رہ گئے ہیں،وہ تو اٹھا لو۔اس نے جواب دیا کہ جب ان

میں برکت نہیں ہے تو پھر میں بھی نہیں لیتا۔تیسری رات پھر اسی طرح خواب آیا،اسے کہا گیا کہ تو نے اپنے والدین کو خدمت کر کے خوش کر دیا تھا،اس کے صلہ میں ہم آپ کو ایک دینار دیتے ہیں۔اس نے پوچھا،اس میں برکت ہوگی: جواب ملا، ہاں ہوگی۔جب وہ نوجوان صبح کو بیدار ہوا تو اس نے اس پتھر کے نیچے سے ایک دینار اٹھا لیا۔واپسی پر اس کے دل میں خوشی کے جذبات تھے،اس نے سوچا کہ آج میں مچھلی لے جاتا ہوں،اس کے کباب بنا کر کھائیں گے۔چنانچہ جب وہ مچھلی لے کر گھر آیا اور بیوی نے اسے کاٹا،تو اس کے اندر سے ایک ایسا قیمتی ہیرا نکلا کہ جب اسے بازار میں جا کر بیچا تو اس بندے کی پوری زندگی کا خرچہ نکل آیا۔

﴿ وَ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾(الطلاق :۳)

(۶)......معیت الٰہی:

تقویٰ کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ بندے کو اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہو جاتی ہے،ارشاد فرمایا:

﴿ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴾

[اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ متقی بندوں کے ساتھ ہے]

آج لوگ کہتے ہیں: جی وہ وزیر ہمارے ساتھ ہے،وہ امیر ہمارے ساتھ ہے، ان کو وزیر اور امیر کے ساتھ ہونے کا بڑا مان ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے مضبوط ہیں۔متقی بندہ اللہ تعالیٰ کو اتنا پیارا ہوتا ہے کہ اس کو اللہ رب العزت کا ساتھ نصیب ہو جاتا ہے۔

(۷)......محبت الٰہی:

متقی بندے سے اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں۔جیسے کچھ لوگ حسن کی بنا پر اچھے لگتے

ہیں، کچھ ذہانت کی وجہ سے اچھے لگتے ہیں، کچھ دینداری کی بنیاد پر اچھے لگتے ہیں، اسی طرح تقویٰ وہ صفت ہے کہ جس صفت کی وجہ سے مومن اپنے پروردگار کو اچھا لگتا ہے۔ ایسے بندے پر اللہ تعالیٰ کو پیار آتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَاَنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴾

[اور بے شک اللہ تعالیٰ متقیوں سے محبت فرماتے ہیں]

(۸)......اصلاحِ احوال:

اللہ تعالیٰ متقی بندے کے احوال خود بخود سنوار دیتے ہیں۔ لوگ آکر کہتے ہیں: حضرت صاحب! حالات کی بہتری کے لیے کوئی وظیفہ بتائیں......لوگ دل کی باتیں پیر سے کرتے ہیں یا حکیم سے۔ پیر سے روحانی بیماریوں کا علاج کرواتے ہیں اور حکیم سے جسمانی بیماریوں کا علاج کرواتے ہیں۔ ان کے پاس وہ آکر دل کھول دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کوئی ایسا وظیفہ بتادیں کہ گھر میں سکون ہو جائے۔ ایک نسخہ آپ کو بھی بتا دیتے ہیں، یہ حالات کو سنوارنے کا قرآنی نسخہ ہے۔ وہ کونسا؟ تقویٰ اختیار کر لیجیے! اللہ تعالیٰ آپ کے حالات کو خود بخود سنوار دیں گے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا يُصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ (الاحزاب:۷۱-۷۲)

[اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اچھی بات کہو! اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو سنوار دیں گے]

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں اعمال سے مراد انسان کے حالات ہیں۔

(۹)......اعداء سے حفاظت:

اللہ رب العزت متقی بندوں کی دشمنوں سے بھی حفاظت فرما دیتے ہیں۔

دیکھیں! بندوں کے کئی دشمن ہوتے ہیں۔ کچھ کھلے دشمن ہوتے ہیں اور کچھ چھپے ہوئے ...... کون دشمن ہے؟ ...... ہم نہیں جانتے۔ کچھ بندوں کے دلوں میں حسد اور کینہ ہوتا ہے۔ اس حسد اور کینے کی وجہ سے وہ دوستی کے رنگ میں دشمنی کر رہے ہوتے ہیں، وہ اپنے بن کر غیروں سے بڑھ کر بندے کے لیے نقصان دہ ہوتے ہیں، وہ انسانوں کی شکل میں بندے کے لیے شیطان ہوتے ہیں۔ ہم اس کو تجن سمجھ رہے ہوتے ہیں مگر کیا پتہ کہ اس کے اندر کیا کھوٹ ہے؟ ہم یقیناً نہیں جانتے، مگر اللہ تعالیٰ ہمارے دشمنوں سے بخوبی واقف ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَاۗىِٕكُمْ ﴾ (النساء:۴۵)

[اور اللہ جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو]

جو لوگ یہ سوچتے ہیں، جی خالہ نے کوئی عمل کروا دیا، او جی! اپھوپھی کی بیٹی کا ہم نے رشتہ نہیں لیا تھا، اس پھوپھی نے کاروبار بندھوا دیا ہے کیونکہ اس کا عملیات والوں کے پاس آنا جانا ہے۔ یہ سب ایسے ہی غلط ڈھکوسلے اور باتیں ہیں، یہ باتیں شیطان ذہن میں ڈالتا ہے..... کوئی کہتا ہے: مجھے بیوی نے پریشان کر رکھا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ مجھے اولاد نے پریشان کر رکھا ہے، کوئی کہتا ہے کہ مجھے پڑوسیوں نے پریشان کر رکھا ہے او خدا کے بندو! کسی نے کسی کو پریشان نہیں کر رکھا، ہمیں ہمارے نفس نے پریشان کر رکھا ہے۔ اگر یہ صحیح معنوں میں ٹھیک ہو جائے تو اللہ رب العزت کی طرف سے فتوحات کے دروازے کھل جائیں۔ اپنے اصل دشمن کو پہچانیے کہ دشمن وہ ہے جو ہمارے اندر ہے۔

پرانے وقتوں میں کسان بیلوں سے ہل چلاتے تھے۔ ایک کسان ہل چلا رہا تھا۔ اس نے اچانک اندر والے بیل کو مارنا شروع کر دیا۔ قریب ہی ایک اللہ والے کھڑے تھے۔ انہوں نے پوچھا: جی اس بے زبان جانور کو اتنا کیوں [illegible] رہے ہو؟ اس

نے جواب دیا کہ یہ پاڑا مار گیا ہے...... پاڑا مارنا کسے کہتے ہیں؟...... جب وہ ہل چلاتے تھے تو اندر والا بیل سستی کرتا تھا، اسی سستی کی وجہ سے بیل زمین کا ایک ٹکڑا چھوڑ کر آگے چلے جاتے ہیں، اس ٹکڑے پر ہل نہیں چلتا، اس کو پاڑا مارنا کہتے ہیں۔ جب ایسی صورت پیش آ جائے تو کسان باہر والے بیل کو کچھ نہیں کہتا، البتہ اندر والے کی پٹائی کر دیتا ہے...... جب اللہ والے نے پوچھا کہ اندر والے بیل کو کیوں مار رہے ہو؟ تو اس نے کہا کہ اسی آندری (اندر والے) کی وجہ سے تو یہ پاڑا ہوتا ہے، اس لیے میں مار رہا ہوں۔

بالکل صحیح بات ہے کہ گناہوں کا پاڑا ہمیشہ آندری کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ہمارے اندر کا نفس جب گناہ کے لیے تیار ہو جاتا ہے تو پھر یہ بندے کو تباہ کر دیتا ہے۔ اس لیے جب شیطان کے مکر کا تذکرہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴾ (النساء:۷٦)

[بے شک شیطان کا مکر کمزور ہے]

اور جہاں انسان کے نفس کا تذکرہ آیا، وہاں فرمایا:

﴿ اِنَّ كَيْدَ كُنَّ عَظِيْم ﴾ (الیوسف:۲۸)

شیطان کے مکر پر اللہ تعالیٰ نے ضعیف کا لفظ ارشاد فرمایا اور نفس کے مکر کے لیے عظیم کا لفظ ارشاد فرمایا۔ معلوم ہوا کہ دراصل ساری مصیبت نفس کی طرف سے ہوتی ہے۔ اسی کو کہتے ہیں: ''گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے'' ہمارا نفس گھر کا بھیدی ہے، یہ لنکا ڈھا دیتا ہے اور بندے کو گناہوں میں الجھا دیتا ہے۔ تو ہماری پریشانیوں کی بنیاد دوسرے لوگ نہیں ہیں بلکہ ہمارا اپنا نفس ہے۔ اگر ہم اپنے اعمال کو ٹھیک کر لیں گے تو اللہ رب العزت ہماری پریشانیوں کو خوشیوں میں تبدیل فرما دیں گے۔ پھر دشمنوں سے حفاظت ہوگی، چاہے وہ دشمن گھر کے ہوں یا دفتر کے۔ جی ہاں! دفتر میں بھی دشمن

ہوتے ہیں، کالج میں بھی ہوتے ہیں۔ وہ بھی ایک دوسرے کے ساتھ سازشیں کرتے رہتے ہیں۔

ایک جگہ ہم نے دیکھا کہ پیالے کے اندر بہت سارے جھینگے زندہ پڑے ہوئے تھے، ان کی عجیب وغریب شکل ہوتی ہے۔ میں نے وہاں کے ایک بندے سے کہا کہ یہ جھینگے پیالے سے نکل جائیں گے اور لوگوں کو پریشان کریں گے۔ اس نے کہا: جی فکر نہ کریں، میں نے کہا: کیوں؟ وہ کہنے لگا کہ ان کی یہ عادت ہوتی ہے کہ ان کو کھلے برتن میں ڈال دیا جائے تو جو اوپر چڑھ کر نکلنا چاہے تو باقی سارے مل کر اس کی ٹانگیں کھینچتے ہیں۔ اب یہ اوپر تو چڑھ رہے ہیں لیکن کوئی باہر نہیں نکل سکتا۔ کئی مرتبہ ایسا ہی معاملہ بن جاتا ہے کہ ایک آدمی کو اللہ تعالیٰ بخت لگا دیتے ہیں، وہ خاندان میں اوپر اٹھنے لگتا ہے اور باقی سارے مل کر اس کی بدتعریفی کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ وہی جھینگے والا کام کر رہے ہوتے ہیں تو ہمیں کیا پتہ کہ کون ہمارے بارے میں کیا تاثرات رکھتا ہے؟ اللہ ہی بہتر جانتے ہیں۔ سنیے! قرآن عظیم الشان...... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ﴾ (آل عمران:۱۲۰)

[اگر تم اپنے اندر صبر وضبط پیدا کرو اور تقویٰ اختیار کرلو تو ان کے مکر تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے]

یعنی تمہارے دشمنوں کی تدبیریں، تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گی۔ اب اس سے بڑا وظیفہ اور کیا ہوسکتا ہے؟ کیا ضرورت ہے عملیات والوں کے پیچھے بھاگنے کی؟ ......آیئے! قرآن مجید کو تھام لیجیے اور اپنے حالات کو سنوار لیجیے۔ ہمارے حضرت مرشد عالمؒ فرمایا کرتے تھے:

......تیرے ہاتھ میں ہو قرآن اور تو زندگی میں رہے پریشان!

..... تیرے ہاتھ میں ہو قرآن اور تو دنیا میں رہے ناکام!
..... تیرے ہاتھ میں ہو قرآن اور تو دنیا میں رہے غلام!
غلامی نفس کی ہو، شیطان کی ہو یا کسی انسان کی ہو

فرمایا: نہ نہ نہ،
۔ او میرے ماننے والے انسان!
۔ اِقراء وربک الاکرم
۔ تو پڑھ قرآن!
۔ تیرا رب کرے گا تیرا اکرام
۔ تیرا رب تجھے عزت و وقار دے گا، تیرے ظاہر و باطن کو نکھار دے گا۔

خدائی فوج کا پہرہ:

حضرت خواجہ محمد عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مدرسہ تھا۔ وہ دہلی سے اٹھارہ میل دور غازی آباد میں واقع تھا۔ وہ کئی ایکڑ اراضی پر پھیلا ہوا مدرسہ، آج بھی چل رہا ہے۔ اس مدرسے کے ناظم سے اس عاجز کی کسی نہ کسی ملک میں ملاقات بھی ہو جاتی ہے، وہ حالات سناتے رہتے ہیں۔ الحمد للہ! وہ بھی حضرت کے لیے صدقہ جاریہ ہے۔ اس مدرسے کا واقعہ ''تجلیات'' نامی کتاب میں لکھا ہے کہ جب تقسیم ہند کا وقت آیا تو ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔

اس مدرسے کے ایک استاذ سکھوں کی ایک بستی کے قریب سے گزر رہے تھے۔ ایک سکھ نے ان سے مخاطب ہو کر کہا: میاں جی! ...... یہ سکھ کسی مسلمان کو دیکھتے ہیں تو اسے میاں جی کہتے ہیں اور ہم انہیں دیکھ کر سردار جی کہتے ہیں ...... اس نے کہا: میاں جی! کیا آپ نے اپنی حفاظت کے لیے کوئی فوج بلوائی ہوئی ہے؟ انہوں نے پوچھا: کیوں؟ اس نے کہا، ''ہماری بستی کے سکھ تین مرتبہ تلواریں اور دوسرا اسلحہ لے کر اس

مدرسے کے مسلمانوں کو لوٹنے اور مارنے کے لیے نکلے ہیں، لیکن جب بھی ہم اس کے قریب پہنچتے تھے تو ہمیں فوجی چاروں طرف پہرہ دیتے نظر آتے تھے۔'' یہ خدائی فوج ہوتی ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے متقی بندوں کی دشمنوں سے حفاظت فرما دیتے ہیں۔

نبی رحمت ﷺ کے دشمنوں کا مکر:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف بھی تو دشمنوں نے مکر کیا تھا...... کیسا مکر؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ اِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴾ (ابراھیم:۴۶)

[ان کی تدبیریں ایسی تھیں کہ پہاڑ بھی ٹل جاتے]

مگر اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کو تسلی دیتے کہ

﴿ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ (الرعد:۴۲)

[ان سے پہلے والوں نے بھی بڑی تدبیریں کی]

﴿ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ ﴾ (النحل:۲۶)

[پس اللہ تعالیٰ نے ان کے مکر کی بنیادیں اکھیڑ دیں]

﴿ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ ﴾

[چھت ان کے اوپر آگری]

﴿ وَاَتَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴾ (النحل: ۲۶)

[اور ان پر ایسی طرف سے عذاب آیا جہاں سے ان کو خیال بھی نہیں تھا]

انہوں نے نبی ﷺ کے خلاف مکر کیا؟...... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں، اے میرے پیارے!

﴿ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ (الانفال:۳۰)

[جب ان کافروں نے آپ کے خلاف تدبیریں کیں]

لِيُثْبِتُوْكَ

(کہ آپ کو جس بے جا میں رکھیں)

اَوْيَقْتُلُوْكَ

(یا آپ کو شہید کر دیں)

اَوْ يُخْرِجُوْكَ

(یا آپ کو دیس نکالا دے دیں)

انہوں نے یہ تین باتیں سوچی تھیں کہ یا تو آپ کو پکڑ کر اپنا قیدی بنالیں گے، یا شہید کر دیں گے یا وطن سے نکال دیں گے،

وَ يَمْكُرُوْنَ

(اورانہوں نے بھی تدبیریں کیں)

وَ يَمْكُرُ اللّٰهَ

(اوراللہ نے بھی تدبیر کی)

وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ

(اوراللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے)

دشمن تدبیریں کرتے رہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ان کی تدبیریں چلنے نہیں دیتے۔ یہی بات تو اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿ وَ لَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴾ (النساء:۱۴۸)

[اوراللہ تعالیٰ ہرگز ہرگز کافروں کو ایمان تک پہنچے کا راستہ نہیں دے گا]

دیکھیں کہ یہاں تاکید کا صیغہ استعمال ہو رہا ہے، یہ تو اس آیت کا ترجمہ ہوا۔ ب اس آیت کو سمجھنے کے لیے اس کا مفہوم سمجھئے: جیسے کوئی کہتا ہے کہ میاں! تم اسے

ہاتھ لگا کے دیکھو، تم میری لاش سے گزر کے جاؤ گے، ...... ان الفاظ میں بالکل یہی مفہوم پایا جاتا ہے ...... کہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! یہ کافر پہلے میرے ساتھ نمٹیں گے، پھر یہ تمہارے تک راستہ پائیں گے۔ یعنی میں خود ان کے ساتھ نمٹ لوں گا۔

ایک دفعہ تو کفار نے مکر کرنے کی حد کر دی، مکہ کے بھی سب لوگوں کو نکالا، اردگرد کے لوگوں کو بھی نکالا، راستے کے لوگوں کو بھی ساتھ ملا لیا، گویا انسانوں کا ایک دریا تھا جس کو لے کر کافروں نے مسلمانوں پر چڑھائی شروع کر دی۔ جب یہودیوں کو خبر پہنچی کہ مکہ والے تو سیلاب کی طرح آ رہے ہیں تو وہ آ کر مسلمانوں کو مشورے دینے لگے:

﴿ اَنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ ﴾ (آل عمران:۱۷۳)

[لوگ تمہارے لیے جمع ہو کر آ رہے ہیں، (میاں) کچھ فکر کرو!]

مگر وہ ایمان والے تھے:

﴿ وَ مَا زَادَهُمْ اِلَّا اِيْمَانًا وَّ تَسْلِيْمًا ﴾ (الاحزاب:۲۲)

[اور اس سے ان کا ایمان اور اطاعت اور زیادہ ہو گئی]

ان کفار نے آ کر مدینہ منورہ کا محاصرہ کر لیا۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے سے خندق کھود لی۔ اتنے لوگ مقابلے کے لیے آ گئے کہ اس غزوہ کا نام ہی غزوہ احزاب پڑ گیا۔ ان کو اپنی کثرت پہ ناز تھا۔ انہوں نے ایک مہینہ تک محاصرہ کیے رکھا لیکن ان کا کچھ نہ بنا۔ بالآخر ان کے اندر آپس میں نااتفاقی پیدا ہو گئی۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے واپسی کی راہ لی۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی ہوا بھیج دی اور ان کی دیگوں کو الٹ کر رکھ دیا اور ان کے خیمے اکھڑ گئے۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ اب واپس چلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: سبحان اللہ! کیا ہی عجیب

الفاظ ہیں! فرمایا:

﴿ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ﴾ (الاحزاب: ۲۵)

[اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ان کے غیض وغضب کے ساتھ واپس لوٹا دیا، ان کے پلے کچھ بھی نہ پڑا]

جیسے چھوٹے بچے ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ تجھے تو ٹھینگا بھی نہیں ملا، یہی مفہوم ہے اس آیت کا۔ اللہ تعالیٰ تقویٰ اختیار کرنے والوں کی ایسے مدد فرماتے ہیں۔ اس لیے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو ارشاد فرمایا:

﴿ اَنَا اَتْقٰكُمْ بِاللّٰهِ ﴾

[میں تم میں سے سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں]

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی مدد کی؟...... نبی علیہ السلام فتح مکہ کے وقت جا رہے ہیں اور فرما رہے ہیں:

اَلحمد للہ وحدہ نصر عبدہ

یوں اللہ رب العزت اپنے بندے کی مدد فرماتے ہیں اور اس کو عزتوں کے ساتھ زندگی کا آخری حصہ عطا فرما دیتے ہیں۔

گناہ...... کمزوری کا پیش خیمہ:

آج ہم اپنے دشمنوں سے ڈرتے ہیں، جبکہ ہمیں اپنے گناہوں سے ڈرنا چاہیے۔ ہمیں اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ اگر ہم گناہ کر بیٹھے تو ہم کمزور ہو جائیں گے۔ یوں سمجھیے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی چادر آپ کے اوپر تنی ہوئی ہے اور ہر کبیرہ گناہ اس چادر میں سوراخ کر رہا ہے اور اس سوراخ سے پریشانیاں اور مصیبتیں اتر کر ہمارے ساتھ لپٹ رہی ہیں۔ ہم نے تو اپنی چھتری میں اپنے کرتوتوں کی وجہ سے

خود سوراخ کیے ہوئے ہیں۔تو جو لوگ متقی اور پرہیزگار ہوتے ہیں ان کے اوپر اللہ رب العزت کی رحمت کی چادر ہوتی ہے اور خود اللہ تعالیٰ ان کے محافظ بن جاتے ہیں۔ اسی لیے تو ارشاد فرمایا:

﴿ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ﴾ (آل عمران:۱۲۰)

چڑیوں سے باز مروادیے:

قلت اور کثرت کی بات نہیں ہوتی، یہ تو اللہ تعالیٰ کی مدد کی بات ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

﴿كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (البقرة: ۲۴۹)

[کتنی بار ایسا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تھوڑے لوگوں سے زیادہ لوگوں کو شکست دلوادی اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتے ہیں]

اگر اپنی زبان میں اس کا مفہوم بیان کیا جائے تو یوں بنے گا کہ کتنی بار ایسا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے چڑیوں سے باز مروادیے۔جب اللہ تعالیٰ ساتھ ہوتے ہیں تو چڑیوں سے باز مروادیتے ہیں۔

اسباب کے بغیر فتح وکامرانی:

لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس تو اسباب نہیں ہیں۔میں آپ کو بتاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے بغیر اسباب کے فتح دے دی...... کچھ یہودی تھے، انہوں نے اپنی حفاظت کے لیے قلعے بنائے ہوئے تھے۔مجھے ایک صاحب کعب بن اشرف کا گھر دکھانے کے لیے لے گئے۔اس زمانے میں انہوں نے اتنا مضبوط گھر بنوایا کہ اس کی ایک میٹر چوڑی مضبوط پتھر کی دیواریں تھیں۔انہیں دیکھ کر بندہ حیران ہوجاتا ہے۔انہوں نے

اتنے مضبوط قلعے بنائے ہوئے تھے اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ ان قلعوں کو کوئی بھی فتح نہیں کر سکتا۔ مسلمانوں کا بھی کچھ ایسا ہی خیال تھا کہ یہ نا قابل تسخیر قلعے ہیں اور ان کو فتح کرنا آسان کام نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان یہودیوں کو مسلمانوں کے زیر قدم لانے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ سنیے..... قرآن عظیم الشان..... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ هُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ ﴾ (الحشر:۲)

[وہی تو ہے جس نے کفار اہل کتاب کو حشر اول کے وقت ان کے گھروں سے نکال دیا، تمہارے خیال میں بھی نہ تھا کہ وہ نکل جائیں گے، لوگ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ان کے قلعے انکو خدا کے عذاب سے بچالیں گے، مگر اللہ نے ان کو وہاں سے آلیا جہاں سے ان کو گمان بھی نہ تھا]

جب ان کے دلوں میں ایمان والوں کا رعب پیدا ہو گیا تو مل بیٹھ کر مشورہ کرنے لگے، یہ مسلمان جدھر بھی جاتے ہیں یہ ادھر کامیاب ہو جاتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ کبھی ہمارے اوپر ہی چڑھ دوڑیں، لہٰذا بہتر یہی ہے کہ ہم خود ہی یہاں سے چلے جائیں۔ چنانچہ اسی مشورے کے تحت وہ اپنی چیزوں کو سمیٹنے لگے۔ ان کی اس حالت زار کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ وَاَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ ﴾ (الحشر:۲)

گویا اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ جب بندوں کی مدد کرتا ہوں تو نہتے لوگوں کو بھی

ناقابل تسخیر قلعوں کا فاتح بنا دیتا ہوں۔ اگر آج بھی ہم من حیث الامہ تقویٰ اختیار کریں تو دنیا کے یہ سب ناقابل تسخیر قلعے فتح ہو جائیں گے۔

ایک سانپ......تریاق کی شکل میں:

ایک اللہ والے تھے، ایک آدمی ان کا حاسد تھا۔ اس نے سوچا کہ میں ان اللہ والوں سے بدلہ لوں۔ چنانچہ اس نے دوائی کی شکل میں افیون ان کو دے دی۔ جب انہوں نے وہ دوائی کھائی تو ان پر افیون کا نشہ چڑھ گیا۔ چنانچہ وہ بے سدھ ہو گئے۔ اب اس نے ان کو اٹھا کر کسی ویرانے میں پھینک دیا۔ اللہ کی شان کہ وہاں ایک سانپ تھا، اس سانپ نے ان کو کاٹ لیا۔ اب افیون کی برودت (ٹھنڈک) اور سانپ کے کاٹنے کی حرارت مل گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش میں آ گئے اور اپنے گھر چلے گئے ......اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کی دشمنوں سے ایسے حفاظت فرما دیتے ہیں۔

(۱۰)......اخروی نجات:

تقویٰ کا ایک اور فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو اخروی نجات عطا فرما دیتے ہیں۔

﴿ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴾ (القصص:۸۳)

[وہ جو آخرت کا گھر ہے اسے ہم نے ان لوگوں کے لیے تیار کر رکھا ہے، جو ملک میں ظلم اور فساد کا ارادہ نہیں رکھتے اور نیک انجام تو متقی لوگوں کے واسطے ہی ہے]

سنیے! متقی آخرت میں کیسے کامیاب ہوں گے؟...... دوزخ کے اوپر ایک پل ہے جسے صراط کہتے ہیں، اس کے اوپر سے سب کو گزرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے

ہیں:

﴿ وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ﴾ (مریم: ۷۱)

[جو بھی تم میں سے ہے اس کو اس کے اوپر سے گزرنا ہے]

﴿ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴾ (مریم: ۷۱)

[یہ تیرے رب کے نزدیک حتمی اور فیصلہ شدہ بات ہے]

﴿ ثُمَّ نُنَجِّى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّ نَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ﴾ (مریم: ۷۲)

[پھر ہم نجات دیں گے ان کو جو متقی ہوں گے اور جو ظالم گنہگار ہوں گے ان کو اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیں گے]

تو پل صراط سے کون کامیاب ہو کر گزرے گا؟...... متقی بندہ کامیاب ہو کر گزرے گا۔

(۱۱)...... فتح برکات:

متقی بندے کے لیے اللہ تعالیٰ فتح برکات عطا فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے برکتوں کے دروازے کھول دیتے ہیں۔ سنیے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا ﴾

[اگر یہ بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے]

لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (الاعراف: ۹۶)

[تو ہم یقیناً آسمان اور زمین سے ان کے لیے برکتوں کے دروازے کھول دیتے]

انسان دو چیزوں کا نام ہے: ایک جسم اور دوسرا روح، جسم مٹی سے بنا اور اس کی اکثر ضروریات اللہ تعالیٰ نے مٹی میں رکھی ہیں۔ مثال کے طور پر:

۔ پانی مٹی سے نکلتا ہے۔

۔ ہمارے لباس کی فصل مٹی سے نکلتی ہے۔
۔ ہماری غذاؤں کی فصلیں مٹی سے نکلتی ہیں۔
۔ ہمارے پھل اور میوے مٹی سے اگتے ہیں۔
۔ ہمارے مکان جن چیزوں سے بنتے ہیں ان سب چیزوں کی کانیں مٹی میں ہیں تو انسان کی جسمانی ضروریات مٹی میں رکھ دی گئی ہیں۔

دوسری چیز روح ہے۔ روح عالم امر سے آئی ہوئی ایک چیز ہے، اس عالمِ امر کی چیز کی غذا اوپر سے آنے والے انوار و تجلیات ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمادیا کہ "ہم ان کے لیے آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے ہیں"۔ گویا زمین سے وہ برکتیں دیتے جو تمہاری جسمانی غذا بنتیں اور آسمان سے وہ نور برساتے جو تمہاری روحانی غذا بنتی۔

برکت کا فقدان:

اگر غور کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ

☆......آج رزق کی کمی نہیں ہے، برکت کی کمی ہے گھر کے جتنے بندے ہیں وہ سب کما رہے ہیں لیکن خرچے پھر بھی پورے نہیں ہوتے۔

☆......دوائی کیلیے روز ڈاکٹر کے پاس بوتل جاتی ہے اور صحت پھر بھی نہیں ملتی۔ کئی لوگ تو ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں روپے خرچ کرتے ہیں، صحت پھر بھی نہیں ملتی، برکت نکل گئی ہے۔ آج اٹھارہ سال کا نوجوان کہتا ہے: حضرت! پتہ نہیں مجھے کیا ہوگیا ہے، بیٹھا ہوا، اٹھتا ہوں تو آنکھوں کے سامنے اندھیرا آجاتا ہے۔ بائیس سال کا نوجوان کہتا ہے: حضرت! مجھے لو بیک پین (کمر کے نچلے حصے میں درد) ہونا شروع ہوگئی ہے۔......یہ کیسی جوانی ہے؟......اگر بائیس سال کی عمر میں اس کوریڑھ کی ہڈی میں دردیں ہیں تو پھر بڑھاپے میں کیا ہوگا۔

☆ ...... وقت ہے برکت نہیں ...... چنانچہ سارا دن یہ کہتے ہیں کہ یہ کام بھی کرلوں، یہ کام بھی کرلوں، لیکن شام کو دیکھتے ہیں تو کوئی کام بھی سمٹا ہوا نہیں ہوتا۔

☆ ...... حافظہ تیز ہے برکت نہیں ...... جو یاد کرتے ہیں، وہ تھوڑی دیر کے لیے یاد رہتا ہے پھر بھول جاتا ہے۔ طلبا آ کر کہتے ہیں، حضرت! سبق یاد نہیں رہتا۔ بھئی یہ یاد نہ رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ برکت نہیں ...... جب ہر چیز سے برکت اٹھ گئی ہے تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ برکت نہیں رہی، یہ برکت نہ ہونے کی وجہ انسان کی کوتاہیاں ہیں۔

ایک بزرگ سے ان کے بیٹے نے پوچھا، ابا جان! آپ اکثر سناتے رہتے ہیں کہ برکت ہوتی ہے، برکت ہوتی ہے، تو کبھی کوئی چیز عملی طور پر بھی دکھائیں تاکہ مجھے سمجھ میں آسکے کہ یہ برکت ہوتی ہے۔ وہ اپنے بیٹے کو لے کر بجلی کے گیزر کے پاس گئے اور اس سے کہا: بیٹا! یہ دیکھو! تمہاری عمر اب تیس سال ہو چکی ہے اور میں نے اس گیزر کو تمہاری پیدائش سے پہلے لگوایا تھا، اتنے عرصے میں مجھے اس کی Maintaimance (مرمت وغیرہ) کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی ...... اس سے معلوم ہوا کہ نقصان نہ ہونا بھی رزق کی برکت میں شامل ہے۔

زندگی میں برکت کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں ...... ایک تو یہ کہ بندے کی عمر لمبی ہو جائے ...... ایک یہ ہوتا ہے کہ جتنی زندگی ہے، اللہ تعالیٰ اس میں ایسی صحت دے کہ وہ کسی کا محتاج نہ ہونے پائے ...... چنانچہ آپ نے کتنے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اچھی صحت کے ساتھ زندگی گزارتے ہوئے اللہ کے حضور پیش ہو جاتے ہیں۔ اور کئی لوگوں کو آپ نے دیکھا ہوگا کہ ان کا بڑھاپا کتنا خراب ہوتا ہے۔

(۲)...... اعطائے قبولیت:

اللہ تعالیٰ متقی بندے کے اعمال قبول کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے

ہیں:

﴿ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴾ (المائدہ:۲۷)

[بے شک اللہ تعالیٰ متقی بندوں کے عملوں کو قبول فرماتے ہیں]

اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ متقی بندوں کو ہی قبولیت ملتی ہے۔

فقہ حنفی کی قبولیت اور اس کا راز:

امت میں اللہ تعالیٰ نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو قبولیت عامہ عطا فرمادی تھی۔ دنیا کے اکثر علاقوں کے لوگ آج ان کی فقہ پر عمل کر رہے ہیں۔

......پاکستان میں فقہ حنفی،

......افغانستان میں فقہ حنفی،

......ہندوستان میں فقہ حنفی،

......ازبکستان میں فقہ حنفی،

......تاجکستان میں فقہ حنفی،

......قزاقستان میں فقہ حنفی،

......تاتارستان میں فقہ حنفی،

......بشکیرستان میں فقہ حنفی،

......ماسکو اور لینن گراڈ تک مسلمانوں کے سب علاقوں میں فقہ حنفی،

اس سے ذرا آگے چلے جایئے،

......بوسنیا کے اندر فقہ حنفی،

پھر اور آگے چلے جایئے۔

......ترکی کے اندر فقہ حنفی،

......شام کے اندر فقہ حنفی،

......عراق کے سنی مسلمانوں کے اندر فقہ حنفی، اس کے علاوہ،

......بنگلہ دیش کے اندر فقہ حنفی،

......چائنہ میں مسلمانوں کے سارے علاقے میں فقہ حنفی،

اللہ اکبر!!!......دنیا کا کتنا بڑا علاقہ ہے جس پر فقہ حنفی پر عمل کرنے والے لوگ ہیں۔ بلکہ ایک مزے کی بات بتاؤں۔ مجھے کسی ایئر پورٹ پر سوڈان کے ایک جج ملے۔ کہنے لگے کہ میں وہاں پر چیف جسٹس ہوں۔ ان کے ساتھ باتیں ہوتی رہیں۔ پھر میں نے پوچھا کہ آپ کے ملک میں کس فقہ پر عمل ہوتا ہے؟ وہ کہنے لگے کہ ''ہم اعمال میں تو مالکی ہیں لیکن ہماری عدالتوں میں فقہ حنفی رائج ہے'' میں نے پوچھا، یہ فرق کیوں ہے؟......وہ کہنے لگے:

''عدالت کے معاملے میں فقہ حنفی جتنی کامل ہے اتنا کمال کسی اور فقہ میں نہیں ہے'' ماشاءاللہ

فقہ مالکی پر عمل کرنے والے بھی اپنی عدالتوں میں فقہ حنفی پر عمل کرتے ہیں۔ یہ قبولیت عامہ ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمادی ہے۔ لوگ سمجھتے تھے کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ آپ کے شاگرد بن گئے تھے، جس کی وجہ سے فقہ حنفی کی ترویج ہوئی۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ہارون الرشید کے زمانے میں دیوار چین ڈھونڈنے کی مہم شروع ہوئی تو اس نے علماء کی جماعت بھیجی کہ دیوار چین کا پتہ کرو! انہوں نے چین کا سفر کیا۔ وہاں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ بالکل نہیں گئے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم ایسے علاقوں میں گئے جہاں ہمارے ملک کا کوئی بندہ نہیں پہنچا تھا، وہاں کے لوگ بھی فقہ حنفی پر عمل کرنے والے تھے۔ اللہ اکبر!!! یہ خدائی قبولیت تھی۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اس قبولیت کا راز ان کے تقویٰ میں پوشیدہ تھا۔ مجھے تین شخصیتوں سے والہانہ محبت ہے۔

...... مجھے سب صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت ہے لیکن سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے انوکھی محبت ہے۔

......سب ائمہ کی عظمت میرے دل میں ہے مگر امام اعظمؒ سے کچھ انوکھی محبت ہے۔

......سب اکابرین علمائے دیوبند سے محبت ہے لیکن قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ انوکھی محبت ہے۔

میں نے ایک مرتبہ بڑا غور کیا تو دل میں یہ خیال آیا کہ ممکن ہے کہ ان سب حضرات کے اندر تقویٰ کی انتہا تھی۔ شاید ان کی زندگیوں کا وہ تقویٰ ہی ہے جس نے عاجز کے دل کو اتنا متاثر کر دیا ہے۔

''چنانچہ اگر میں آج یہ قسم کھاؤں کہ مجھے اپنے باپ سے بڑھ کر ان تینوں سے محبت ہے تو میں حانث نہیں بنوں گا۔''

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ بے مثال تھا، آپ بہت ہی محتاط تھے۔ اس امت کو تجارت یا تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سکھائی یا پھر ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے سکھائی۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے تقویٰ کے کچھ پھول آپ کے دامن میں بھی ڈالتا چلوں......

آپ کی کپڑے کی دکان تھی، ایک مرتبہ ظہر کے بعد دکان بند کر کے گھر جانے لگے۔ کسی نے کہا: نعمان! کہاں جا رہے ہو؟ فرمایا: آپ دیکھ نہیں رہے کہ آسمان پر بادل ہیں۔ اس نے پوچھا کہ اگر آسمان پر بادل ہیں تو پھر آپ نے دکان کیوں بند کر دی؟ فرمایا: میری کپڑے کی دکان ہے۔ جب آسمان پر بادل ہوں تو لائٹ پوری نہیں ہوتی جس کی وجہ سے گاہک کو کپڑے کی کوالٹی کا صحیح پتہ نہیں چلتا، میں نے اس لیے دکان بند کر دی کہ میرا کوئی گاہک کم قیمت کپڑے کو بیش قیمت کپڑا سمجھ کر نہ خرید لے اللہ اکبر!!! آپ اتنا دھوکا بھی نہیں دینا چاہتے تھے۔

بخاری شریف کی قبولیت کا راز:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے جو قبولیت عطا فرمائی وہ ان کے تقویٰ کی وجہ سے تھی، ورنہ حدیث پاک کی کتب میں اور بھی بہت ساری کتب ایسی ہیں جن کا مقام صحت حدیث میں بہت اونچا ہے، مگر جو قبولیت اللہ رب العزت نے صحیح البخاری کو عطا فرمائی وہ کسی اور کتاب کو حاصل نہیں ہے۔ چنانچہ آج دنیا کہتی ہے کہ یہ کتاب اللہ کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب ہے۔

منہ توڑ جواب:

ایک صاحب میرے پاس آئے ..... یہ ان میں سے تھے جو کسی کی نہیں مانتے ..... مجھے کہنے لگے کہ آپ لکھے پڑھے بندے ہیں، آپ کیوں حنفی بنے پھرتے ہیں؟ میں نے کہا: کیوں؟ کہنے لگے کہ ہم نے تو کتابوں میں پڑھا ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں۔ میں نے کہا: اچھا! پہلے تو میں تھا مضبوط حنفی اور اب یہ سن کر بن گیا ہوں اضبط حنفی'' وہ کہنے لگے: کیوں؟ میں نے کہا: ''اب آپ جھٹلا نہیں سکتے۔ امام اعظمؒ نے اپنی زندگی میں چھ لاکھ مسائل کے جوابات اپنے شاگردوں سے لکھوائے۔ میں اس شخص کو اپنا امام کیوں نہ مانوں جس نے سترہ حدیثوں سے چھ لاکھ مسائل کے جواب نکالے؟

پھر وہ بات کا رخ بدلنے لگے۔ کہنے لگے کہ میں آپ سے ایک بات کرتا ہوں۔ میں نے کہا: کریں کہنے لگے: پھر آپ کوفہ نہ پہنچ جانا..... کیوں کہ میں اکثر اپنے ائمہ کی باتیں بتاتا ہوں۔ میں نے الزامی جواب دیتے ہوئے کہا: جی آپ بات کریں، مگر آپ بھی بخارا نہ پہنچ جانا۔ اگر ہم کوفہ پہنچتے ہیں تو تم بھی تو بخارا پہنچ جاتے ہو۔

قرآن مجید کی خدمت کا صلہ:

امام العلما والصلحا مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سکھ گھرانے سے تھے۔ آپ ایمان لے آئے اور دارالعلوم دیوبند پہنچ گئے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے دورہ حدیث کرلیا۔ وہاں ان کی برادری اور خاندان کے لوگ نہیں تھے۔ بہر حال اللہ کے کسی مقبول بندے نے ان کو اپنی بیٹی کا رشتہ دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے ظاہری حالات بھی سنوار دیے۔

حضرت فرمایا کرتے تھے کہ ایک وقت وہ بھی تھا جب شادی کے بعد گھر میں روٹی نہیں ملا کرتی تھی اور آج وہ وقت ہے کہ میرے کھانے کے لیے طائف سے پھل آتے ہیں اور سرگودھا کے کلیار، جو بڑے زمیندار ہیں، ان کی بیویاں برکت کے لیے میرے گھر میں جھاڑو دیتی ہیں۔

میں نے اپنے حضرتؒ سے یہ واقعہ سنا۔ فرماتے ہیں کہ جب ان کی وفات ہوئی تو ان کے خلفاء میں سے کسی نے ان کو خواب میں دیکھا تو پوچھا، حضرت! آگے کیا معاملہ بنا؟...... فرمانے لگے، اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا، احمد علی! تو مجھ سے اتنا کیوں ڈرتا تھا؟...... حضرتؒ کے اوپر خوف خدا غالب رہتا تھا اور آپ کی طبیعت کثیر البکاء تھی، آنکھوں سے اکثر آنسو ٹپکتے رہتے تھے۔

جیسے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا حال تھا۔ ان کے بھی اتنے آنسو ٹپکتے تھے کہ ان کے رخساروں پر آنسوؤں کی وجہ سے نشان بن گئے تھے۔ بالکل حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی کیفیت تھی...... فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ پوچھا کہ احمد علی! تو مجھ سے اتنا کیوں ڈرتا تھا؟ تو میں یہ سن کر اور ڈر گیا۔ میں نے پڑھا تھا:

من نوقش في الحساب فقد عذب

[جس سے تفتیش شروع ہوگئی اس کو عذاب دیا جائے گا]

لہٰذا میں اور گھبرا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوئی اور اللہ رب العزت نے فرمایا: احمد علی! تو اور ڈر رہا ہے، آج تو تیرے خوش ہونے کا مقام ہے، تو نے اتنی اچھی زندگی گزاری، قرآن کی اتنی خدمت کی کہ میں نے تمہیں بھی بخش دیا اور جس قبرستان میں تجھے دفن کیا گیا، وہاں کے سب گنہگاروں کو بھی میں نے بخش دیا۔

قربِ خداوندی کا سبب:

متقی بندہ اللہ رب العزت کے ہاں بھی مقبول اور اللہ کے بندوں کے ہاں بھی مقبول۔ کیا عالم کیا عوام، کیا چھوٹے کیا بڑے، جسے دیکھو اس کے دل میں اس کی محبت ہوتی ہے۔ لوگ اس کی خدمت کے لیے اپنی زندگیاں وقف کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں...... یہ کیا ہے؟ یہ تقویٰ کی وجہ سے قبولیت ہے۔

حدیث قدسی میں ہے کہ......

يَتَقَرَّبُ عَبْدِیْ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى اُحِبَّهُ

[میرا بندہ نفلی عبادت کے ذریعے میرا قرب پالیتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں]

پھر آگے فرماتے ہیں کہ جب میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو جبرئیل علیہ السلام کو بلا کر کہتا ہوں، جبرائیل! میں اس بندے سے محبت کرتا ہوں چنانچہ جبرائیل علیہ السلام آسمان کے فرشتوں میں آواز لگاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتے ہیں۔ یہ سن کر سارے فرشتے اس بندے سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں پھر جبرائیل علیہ السلام زمین پر آتے ہیں اور ایسی آواز لگاتے ہیں جس کو لوگوں کے کان نہیں سنتے بلکہ ان کے دل سن رہے ہوتے ہیں، وہ کہتے ہیں: اے اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ اس بندے سے محبت فرماتے ہیں۔ حدیث پاک کے الفاظ ہیں کہ

ثُمَّ يُوْضَعُ لَهُ الْقَبُوْلُ فِي الْاَرْضِ

(پھراس کے لیے زمین کے اندر قبولیت رکھ دی جاتی ہے)

وہ جنگل میں جا کر بیٹھ جائے تو اللہ تعالیٰ وہاں بھی منگل بنا دیتے ہیں۔ یہ سب کچھ تقویٰ کی وجہ سے ملتا ہے۔

احسن القصص اور اس کے اسرار ورموز:

جس جگہ پر متقی لوگوں کا اپنا کوئی نہیں ہوتا وہاں اللہ، ان کا اپنا ہوتا ہے۔ جب سیدنا یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالا گیا تو بھائیوں نے کیا معاملہ کیا؟ وہ ان کو کنویں میں ڈال کر چلے گئے۔ جب نکالا گیا تو ان کو بیچا گیا...... قیمت کیا لگی؟......

﴿ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ﴾

[وہ چند کھوٹے سکوں کے عوض بیچے گئے]

واہ میرے مولا! اب دیکھیں کہ جو چھوٹے بچے ہوتے ہیں ان کے چہرے پر ویسے ہی معصومیت ہوتی ہے اور سیدنا یوسف علیہ السلام کا حسن تو ویسے ہی بے مثال تھا۔ اتنا حسن تھا مگر قیمت کیا لگی؟ چند کھوٹے سکے...... یہاں سے ایک نکتہ ملا کہ جو نوجوان حسن ظاہر کے پیچھے بھاگتے ہیں وہ چند کھوٹے سکوں کی متاع کے پیچھے زندگی برباد کر رہے ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو عزیز مصر کے گھر پہنچا دیا، وہاں ایک اور تماشا بنا۔ عزیز مصر کی بیوی کی نیت بد ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ﴾ (یوسف:۲۳)

اب یہاں ایک نکتہ سمجھیے کہ اس کلام کو مختصر کرنے کا بھی طریقہ تھا۔ یوں کہا جا سکتا تھا کہ عزیز مصر کی بیوی نے ان کو یوں کہا: تو پندرہ لفظوں کی بجائے پانچ لفظوں میں بات ہو جاتی: مگر نہیں، حالانکہ کلام پاک میں اختصار ہے، سمندر کو کوزے میں بند کر دیا جاتا ہے، مگر اس مقام پر معاملہ الٹ نظر آتا ہے، کلام کو مختصر کرتے کی بجائے طویل کلام

کو پسند کر لیا گیا...... کیوں؟ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ایسا کلام نہیں فرمانا چاہتے تھے، جس سے کسی کی غیبت ہوتی کیونکہ اس نے غیبت کو ناپسند کیا ہے، اسے مومنوں پر حرام کر دیا۔ اس لیے بجائے نام لے کر بات کرنے کے کہ اس سے مختصر کلام ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ رَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ معلوم ہوا کہ اگر ہم بھی کسی کے بارے میں گفتگو کریں تو نام لے کر بات کرنے کی بجائے ہمیں بھی اسی طرح تھرڈ پرسن کی بات کرنی چاہیے، یوں ہم بھی غیبت سے محفوظ ہو جائیں گے۔

اب دیکھیے! وہ غلام تھے، مالکہ نے کام کے لیے کمرے میں بلایا

وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ (اور دروازے بند کر دیے)

ابواب کی تفسیر مختلف مفسرین نے مختلف لکھی ہے، بعض نے کہا کہ جی کمرے کے اندر کمرہ تھا، اس کمرے کے اندر بھی کمرہ تھا، اس طرح کئی کمروں میں بلایا۔ یہ بھی صورت ہو سکتی ہے اور یہ صورت بھی ہو سکتی ہے کہ ایک کمرے کے ایک سے زیادہ دروازے بھی ہوتے ہیں، ایک دروازہ کسی صحن میں نکلتا ہے تو دوسرا دروازہ کسی کمرے میں نکلتا ہے، تیسرا دروازہ کسی اور طرف کو نکلتا ہے...... یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کھڑکیوں کو بھی دروازہ ہی شمار کر لیا گیا ہو۔ تو ایک کمرے کے دروازے اور کھڑکیوں کے بند کرنے کو بھی ابواب کہا گیا، بہر حال جو صورت بھی تھی، دروازے بند کر دیے گئے، پھر اس نے اپنی نیت کا اظہار کیا اور کہا:

﴿ قَالَتْ هَیْتَ لَكَ ﴾ (یوسف: ۲۳)

تو انہوں نے فوراً جواب میں کیا فرمایا:

قَالَ مَعَاذَاللّٰهِ

معاذ اللہ...... یہ فقرہ یاد کر لیجیے! جب بھی کبھی آپ کے سامنے گناہ کا موقع پیش ہو، اس وقت اگر آپ یہ دو الفاظ زبان سے کہہ دیں...... معاذ اللہ...... تو اللہ تعالیٰ نے

جیسے سیدنا یوسف علیہ السلام کو بچالیا تھا۔ دیکھنا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی بھی حفاظت فرمائے گا۔ ان الفاظ کو یاد کر لیجئے ۔ جب بھی کوئی ایسا موقع ہو، کہہ دیا کریں...... معاذ اللہ، معاذ اللہ......اس طرح بندہ اللہ رب العزت کی پناہ میں آ جاتا ہے۔

آگے کیا ہوا؟......اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَ لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَ هَمَّ بِهَا ﴾ (یوسف:۲۴)

[اور تحقیق اس عورت نے بھی ارادہ کیا اور انہوں نے بھی ارادہ کیا]

اب یہاں پر کچھ لوگوں کو شبہ پیدا ہوا......المرء یقیس علیٰ نفسه (بندہ دوسروں کو اپنے آپ پر قیاس کرتا ہے) ہمارا تو یہ حال کہ ہمیں کہیں سے بھی گناہ کی دعوت ملے تو گناہ کے لیے ہماری نیت بن جاتی ہے، اسی وقت پھسل جاتے ہیں ۔تو لوگ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اس نے بھی ارادہ کیا اور آگے سے یوسف علیہ السلام نے بھی ارادہ کیا۔ایسی بات ہرگز نہیں ہے۔ دیکھیں ''ھــم'' کا لفظ ایک ہی ہے مگر ایک نے ہاتھ بڑھانے کا ارادہ کیا اور دوسرے نے ہاتھ واپس دھکیلنے کا ارادہ کیا۔ایک نے گناہ کی طرف قدم بڑھانے کا ارادہ کیا اور دوسرے نے اسے اپنے سے پیچھے ہٹانے کا ارادہ کیا......کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ اگر کوئی بندہ ناپسند ہو تو وہ آ کر ملنا بھی چاہے تو دوسرا بندہ اسے پیچھے دھکیلنے کی کوشش کرتا ہے۔اسی طرح ارادہ اِس نے بھی کیا اور ارادہ اُس نے بھی کیا، لفظ تو ارادے کا لگا مگر ارادہ اپنی اپنی شان کے مطابق تھا۔ زلیخا نے ارادہ کیا تھا، گناہ کرنے کا اور سیدنا یوسف علیہ السلام نے ارادہ کیا تھا اس کو پیچھے دھکیلنے کا سیدنا یوسف علیہ السلام کا گناہ کا ارادہ نہیں تھا۔ ورنہ دلوں کے بھید جاننے والے پروردگار گواہی نہ دیتے کہ:

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ (یوسف: ۲۴)

اس کی دلیل بھی قرآن عظیم الشان سے کیونکہ اَلْقُرْآن یفسر بعضه بعضا، اللہ

تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ (یوسف: ۲۴)

[اسی طرح ہم نے اسے بچا لیا، سوء سے اور فحشاء سے]

یہاں دو لفظ استعمال ہوئے، سوء اور فحشاء۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ سوء کا لفظ غیر عورت کو ہاتھ لگانے، اسے گلے لگانے اور اس کا بوسہ لینے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ گویا بوس و کنار کے لیے سوء کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور زنا کے لیے فحشاء کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ یہاں قرآن مجید بتا رہا ہے کہ انہوں نے جو ارادہ کیا تھا، اس وقت اگر نیت میں میل ہوتی تو پھر سوء سے کیسے بچ سکتے تھے؟ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ہم نے اس کو بچایا سوء سے بھی اور فحشاء سے بھی۔ تو معلوم ہوا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام نے بچنے کے لیے دفاع کا ارادہ کیا اور زلیخا نے زنا کا ارادہ کیا۔

اس کی ایک اور دلیل سنیے! سیدنا یوسف علیہ السلام گناہ کا نام سنتے ہی فوراً دروازے کی طرف بھاگے، سبحان اللہ، یہ فراست مومنانہ ہے۔ اگر وہیں کھڑے ہو کر الجھتے رہتے اور ان کا قمیض پھٹتا تو کس سائیڈ سے پھٹتا؟ سامنے سے، اس طرح الزام ان کے اوپر آ جاتا۔ یہ فراست مومنانہ تھی کہ آپ دروازے کی طرف بھاگے، پھر اس نے پیچھے سے پکڑا تو کپڑا کدھر سے پھٹا؟ پیچھے سے پھٹا۔ اللہ تعالیٰ نے بچے سے گواہی دلوا دی، اللہ تعالیٰ یوں مہربانی فرماتے ہیں کہ متقی بندے پر جب اس طرح کی بات کوئی آتی ہے تو وہ معصوم بچے جو ضابطہ قدرت کی وجہ سے نہیں بولا کرتے۔ میرے پروردگار ان متقی بندوں کی خاطر ضابطے بدل کر ان کو قوت گویائی عطا فرما دیا کرتے ہیں اور وہ ان کی پاک دامنی کی گواہی دے دیا کرتے ہیں۔

پھر حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل میں جانا پڑا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وہاں سے نکال کر تخت عطا کر دیا۔ قحط آیا، اس دوران ان کے بھائی بڑے پریشان ہوئے۔ ایک

مرتبہ انہوں نے اپنے بھائی بنیامین کو ایک حیلے سے اپنے پاس رکھ لیا۔ پھر دوسری مرتبہ بھائی آئے ...... یہ ساری روداد قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے۔ سورۃ یوسف کو احسن القصص کیوں کہا گیا؟ اس لیے کہا گیا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام پر ایک ایسا وقت آیا جب انہوں نے اپنے آپ کو بے سہارا پایا، ان کا کوئی اپنا نہیں تھا۔ والد ویسے ہی جدا تھے۔ بھائیوں نے یہ حال کر دیا۔ جن کے ہاں غلام بنے اس عورت نے ہی جیل بھجوا دیا۔ تو ان کا اپنا تو کوئی بھی نہیں تھا، سارے سہارے ٹوٹ گئے۔ جب انسان دنیا میں ہر طرف سے بے سہارا ہوتا ہے تب اس کا سہارا پروردگار ہوتا ہے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو فرمایا گیا: اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے بھائی یوسف علیہ السلام کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا؟ آپ بھی اپنے آپ کو بے سہارا محسوس کرتے ہیں، اس کا سہارا بھی ہم بنے تھے اور آپ کا سہارا بھی ہم بنیں گے۔ اور جب اللہ تعالیٰ سہارا بنے تو پروردگار نے تخت بھی عطا فرما دیا۔ آج لوگوں کو تخت کے لیے کثرت چاہیے، تائید چاہیے، لوگ چاہئیں۔ برادری چاہیے۔ قبیلہ چاہیے، شہرت چاہیے، تب جا کر کہیں چھوٹی سی ممبری ہاتھ آتی ہے۔ اس لیے کہ اصل منبر تو یہ منبر رسول ہے۔

اللہ تعالیٰ سیدنا یوسف علیہ السلام کو تخت عطا فرما دیتے ہیں۔ بھائی آتے ہیں اور آ کر کہتے ہیں۔

يَاَيُّهَا الْعَزِيْزُ (اے عزیز مصر!)

مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ (ہمیں اور ہمارے اہل خانہ کو تنگ دستی نے بے حال کر دیا)

وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰةٍ (ہم قیمت بھی وہ لائے جو پوری نہیں)

فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ (ہمیں وزن پورا دے دے!)

وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا (اور ہم پر صدقہ و خیرات کر دے!)

اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِى الْمُتَصَدِّقِيْنَ (بے شک اللہ صدقہ دینے والوں کو جزا دیتا ہے)

جب بھائیوں نے آ کر بھیک مانگی، سائل کیا کہتا ہے؟ اللہ کے نام پہ دو!
وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا (ہم پر صدقہ خیرات کردو)۔ جب بھائیوں نے آ کر بھیک مانگی تو
حضرت یوسف علیہ السلام نے پوچھا:

مَا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ (تم نے یوسف کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟)

یہ سن کر بھائی ہکا بکا رہ گئے۔ کہنے لگے:

ءَ اِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ (کیا آپ یوسف ہیں؟)

قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَ هٰذَا اَخِيْ

(فرمایا: ہاں میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی بنیامین ہے)

قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا (تحقیق اللہ نے ہم پر احسان کیا)

اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ

(بے شک وہ جو تقویٰ اختیار کرتا ہے اور اپنے اندر صبر وضبط پیدا کرتا ہے)

فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ

(پس اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کیا کرتے)

(یوسف:۹۰)

چنانچہ جو بندہ بھی سیدنا یوسف علیہ السلام کی طرح تقویٰ کی زندگی گزارے گا اللہ تعالیٰ اسے عرش پر بٹھائیں گے...... اور جو ان کے بھائیوں کی طرح گناہوں کی زندگی گزارے گا اللہ تعالیٰ اسے سائل بنا کر فرش پر کھڑا کر دیں گے...... پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اس وقت آتی ہے جب انسان اپنے آپ کو بے سہارا محسوس کرتا ہے۔

آج امت بے سہارا ہے مگر......

آج ایسا ہی وقت ہے کہ امت اپنے آپ کو بے سہارا محسوس کر رہی ہے پہلے بھی یہی رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿حَتّٰى اِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَاءَهُمْ نَصْرُنَا﴾

[حتیٰ کہ جب رسول بھی نا امید ہونے لگے اور ان کا یہ گمان تھا کہ اب ان کو جھٹلا دیا گیا، تب ان پر ہماری مدد آئی] (یوسف: ۱۱۰)

کئی مرتبہ اللہ تعالیٰ ایسے پوائنٹ پر پہنچا دیتے ہیں جہاں چاروں طرف اللہ کے سوا کچھ نظر نہیں آرہا ہوتا

﴿حَتّٰى ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ﴾ (التوبۃ: ۱۱۸)

[حتیٰ کہ زمین اپنی پوری فراخی کے باوجود ان پر تنگ ہو جاتی ہے]

اور بندے کا گمان کیا ہوتا ہے؟......

وَ ظَنُّوْا اَنْ لَّا مَلْجَاً مِنَ اللّٰهِ اِلَّا اِلَيْهِ (التوبۃ: ۱۱۸)

[وہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ کے سوا ہمارا کوئی ملجا اور ماویٰ نہیں ہے]

اس جگہ پر پہنچ کر اللہ کی مدد آتی ہے۔

ہمیں بھی ہمت سے کام لینا چاہیے اور اپنی زندگی سے گناہوں کو سو فیصد ختم کر کے اپنے رب سے صلح کر لینی چاہیے، تقویٰ کی زندگی اختیار کرنی چاہیے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مدد کا وزن ہمارے پلڑے میں آجائے گا اور ہمارا پلڑا پورے جہان سے جھک جائے گا۔

آج اس کی بے حد ضرورت ہے، اخباروں کی ضرورت نہیں ہے۔ آج تو جمعہ پڑھانا ہوتا ہے تو کہتے ہیں، جی ذرا دو تین اخباریں لے آنا، یوں اخباری جمعے پڑھاتے ہیں۔ کیا قوم کی اصلاح ہو رہی ہے!!!؟ منبر رسول پر بیٹھ کر اخباری جمعے!!!...... فلاں نے یہ کر دیا، فلاں نے وہ کر دیا۔ وہ سمجھتے ہیں، ہم بڑی اصلاح کر رہے ہیں، کہتے ہیں کہ ہم کسی سے نہیں ڈرتے، حالت یہ ہوتی ہے کہ مسجد کے صدر سے ڈر رہے ہوتے ہیں کہ کہیں نکال ہی نہ دے۔

عزیز طلباء! ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ امامت کو ملامت نہ بنانا۔ جب ہم تقویٰ کو چھوڑ دیتے تو پھر امامت کو ملامت بنا بیٹھتے ہیں۔ اس لیے آج دلوں میں یہ عہد کیجیے کہ ہم آئندہ شریعت پر اختیار کے ساتھ عمل کریں گے اور تقویٰ کی زندگی گزاریں گے۔

احتیاط تو یہ بھی ہے مگر......

ویسے ہم دنیا کے معاملے میں بہت محتاط ہیں مثال کے طور پر:

......ایئر پورٹ پر آٹھ بجے جانا ہو تو بیوی سے کہتے ہیں جلدی تیار ہو جانا، جانا تو آٹھ بجے ہے لیکن احتیاطاً ہم پونے آٹھ بجے وہاں پہنچ جائیں گے۔

......انٹرویو کے لیے چھ بجے جانا ہوتا ہے، کہتا ہے کہ جی میں نے جانا تو تھا چھ بجے مگر To be on the safe side (احتیاطاً) میں دس منٹ پہلے پہنچ گیا۔

......مہمان بلاتے ہیں پندرہ اور بیوی سے کہتے ہیں To be on the safe side (احتیاطاً) بیس آدمیوں کا کھانا بنا دینا۔

......یعنی ہم دنیا کے معاملے میں بڑے محتاط ہے۔ یہ To be on the safe side کے الفاظ کو اگر قرآنی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو اس کو تقویٰ کہتے ہیں، کہ متقی بندہ ہمیشہ To be on the safe side (محتاط) رہ کر زندگی گزارتا ہے۔ وہ گناہ کا Risk (رسک) ہی نہیں لیتا۔

تقویٰ کا دائرہ کار:

کچھ صوفیوں کو دیکھا کہ وہ کھانے پینے میں بڑا تقویٰ اختیار کرتے ہیں مگر لین دین کے معاملات میں کچھ بھی نہیں ہوتے، بیوی کو گھر میں ستایا ہوا ہوتا ہے۔ نہ اس سے بنتی ہے، نہ اُس سے بنتی ہے۔ یہ کیسا تصوف ہے؟......تقویٰ یہ نہیں ہوتا بلکہ

تقویٰ پوری زندگی پر محیط ہوتا ہے، فقط بازار کی چیزیں کھانی چھوڑ دینے سے بندہ متقی نہیں بن جاتا بلکہ تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ معاملات، معاشرت بلکہ ہر چیز میں انسان شریعت کے مطابق زندگی گزارے۔ آیئے قرآن سے پوچھیے کہ تقویٰ کیا ہے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴾ (البقرہ: ۱۷۷)

[نیکی یہ نہیں کہ تم مشرق کی طرف منہ کر لو یا مغرب کی طرف، بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ اللہ پر، آخرت کے دن پر، فرشتوں پر، کتاب پر، اور نبیوں پر ایمان لائیں اور مال باوجود عزیز رکھنے کے رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں اور گردن چھڑانے والوں پر خرچ کریں، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور وعدے جو کر لیے پورے کریں اور سختی اور تکلیف کے وقت اور معرکہ کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں، یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہی ہیں جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں]

دیکھا! یہ ہیں متقی بندے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی تقویٰ بھری زندگی نصیب فرمادے۔ آمین

دنیا کی چیک پوسٹ میں پوشیدہ ایک سبق:

ہم لوگ ایک مرتبہ مدینہ طیبہ سے احرام باندھ کر مکہ مکرمہ جا رہے تھے۔ وہاں

کام کرنے والے ہمارے ایک دوست بھی ہمارے ساتھ تھے۔ ہم نے دیکھا کہ جب چیک پوسٹ آنے لگی تو خوف کی وجہ سے اس کا رنگ فق ہوگیا۔ میں نے پوچھا: کیا ہوا؟ کہنے لگا: حضرت! میں ورقہ بنوانا بھول گیا ہوں۔ یہ وہ ورقہ ہوتا ہے جو عمرہ کرنے کا اجازت نامہ ہوتا ہے۔ میں احرام باندھ کر آپ کے ساتھ عمرہ کرنا چاہتا تھا اور میرا دھیان ہی ادھر نہ گیا اور اب مجھے یہ خیال آرہا ہے کہ یہ روکے گا اور ورقہ دیکھے گا، اگر اس نے روک لیا تو مجھے واپس بھیج دے گا۔ عمرہ تو میں بعد میں بھی کرلوں گا مگر میں آپ کے ہمراہ سیکھ کر عمرہ کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ اب اس کا ایک رنگ آتا اور ایک رنگ جاتا۔ جیسے جیسے چیک پوسٹ والا مقام قریب آتا گیا، اس بیچارے کے پسینے چھوٹتے گئے۔ کچھ پڑھ بھی رہا تھا اور خوف زدہ بھی تھا، جن کے پاس ویزے تھے وہ سب مزے میں تھے، مگر اس کی کیفیت عجیب تھی۔ دور سے ہی اس کی نظر شرطہ پر تھی کہ کوئی ہے بھی یا نہیں۔ اللہ کی شان کہ ایک کی بجائے دو کھڑے تھے۔

جب گاڑی ان کے قریب پہنچی تو ڈرائیور نے گاڑی آہستہ کردی۔ پولیس والے نے اشارہ کیا...... امھل (روکو)...... جیسے ہی اس نے رکنے کا اشارہ کیا تو خوف کی وجہ سے اس کی زبان سے ''اوہ'' کا لفظ نکلا کہ مجھے روک لیا گیا۔ لیکن اللہ کی شان کہ جیسے ہی ڈرائیور نے گاڑی روکی اور پولیس والے نے ذرا قریب ہوکر دیکھا تو اس عاجز کا مسکین چہرہ سامنے تھا: وہ دیکھ کے کہنے لگا: یَلّا ...... ہم نے بھی کہا: اللہ ای اللہ۔ جب ہم وہاں سے نکل گئے تو وہ بالکل فریش ہوگیا۔ میں نے اس وقت کہا: بھئی! آج مجھے ایک بات سمجھ میں آگئی۔ کہنے لگا: حضرت! کیا؟...... میں نے کہا قیامت کا دن ہوگا۔ کہ ایک ایک کر کے اللہ رب العزت کے روبرو پیش ہورہے ہوں گے۔

﴿ جِئۡتُمُوۡنَا فُرَادٰی كَمَا خَلَقۡنٰكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ (الانعام: ۹۴)

اور اُدھر بھی چیک پوسٹ بنی ہوئی ہوگی۔ حق لینے والے لوگ بھی کھڑے ہوں

گے اور اللہ کے فرشتے بھی کھڑے ہوں گے۔ کچھ قسمت والے ہوں گے جن کے پاس نیکیوں کے پرمٹ ہوں گے، ان کو سیدھا جانے دیا جائے گا۔ اور کچھ ایسے ہوں گے جن کے بارے میں قرآن مجید نے فرمادیا: حکم ہوگا......

﴿ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْن ﴾ (الصفٰت:۲۴)

[ان کو روک لیجیے ان سے سوال کیا جائے گا]

اس وقت ہمارا کیا بنے گا۔ حکم ہوگا، اس کو روک لیجیے، ہمارے نام کی روٹیاں کھاتا تھا اور ہمارے ہی حکموں کو چھپ چھپ کے توڑتا تھا،

﴿ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْن ﴾

اس کو روک لیجیے یہ دیکھنے میں بڑا صوفی بنا پھرتا تھا مگر اپنے گھر کے ماحول کو جہنم بنا رکھا تھا، غصہ قابو میں نہیں آتا تھا، نہ بچوں پہ شفقت نہ بیوی پہ رحمت۔

﴿ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْن ﴾

اس کو روک لیجیے۔ ہم نے اس کو کتنی نعمتیں عطا فرمائی تھیں، من پسند کے کھانے کھایا کرتا تھا، اس کے پاس سائل مانگنے کے لیے جاتے تھے۔ یہ ان کو جھڑکیاں دے کر گھر سے بھیج دیا کرتا تھا۔

﴿ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْن ﴾

آج ان سے سوال پوچھا جائے گا۔

آج ہمت کر لیجیے ارادے کر لیجیے اور اللہ سے مانگ لیجیے کہ اے اللہ! ہمیں تقویٰ کی زندگی عطا فرما دیجیے تاکہ قیامت کے دن کی چیک پوسٹ سے ہم بچا دیے جائیں۔ جب متقی بندے اللہ کے سامنے پیش ہوں گے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ﴾ (الزمر:۷۳)

ان کو جنت کا گیٹ دکھا دیا جائے گا کہ اے میرے متقی بندو! تم اتنی احتیاط سے میری شریعت پر عمل کرتے تھے، جاؤ! جنت کے دروازے تمہارے لیے کھلے ہیں۔ تم نے دنیا میں بہت ہی تکلیفیں برداشت کی ہیں، اب سیدھے جنت میں چلے جاؤ! جیسے ہی وہ جنت میں داخل ہوں گے اسی وقت کہیں گے:

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ﴾ (الفاطر:۳۴)

[سب تعریفیں اللہ کے لیے جس نے سب غم دور کر دیئے]

اللہ رب العزت ہمیں آج احتیاط کے ساتھ شریعت پر زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)۔

واخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ کی دیگر کتب

- خطبات فقیر (تیرہ جلدیں)
- مجالس فقیر (چھ جلدیں)
- مکتوبات فقیر
- حیات حبیب (سوانح حیات)
- عشق الٰہی
- عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
- باادب بانصیب
- تصوف وسلوک
- لاہور سے تا خاک بخارا و سمرقند (سفرنامہ)
- قرآن مجید کے ادبی اسرار و رموز
- نماز کے اسرار و رموز
- رہے سلامت تمہاری نسبت
- موت کی تیاری
- مثالی ازدواجی زندگی کے سنہری اصول
- اولاد کی تربیت کے سنہری اصول
- حیاء اور پاکدامنی
- خواتین اسلام کے کارنامے
- عمل سے زندگی بنتی ہے
- دوائے دل

- سکونِ دل
- تمنائے دل
- گھریلو جھگڑوں سے نجات
- زلزلہ......مشاہدات وواقعات
- ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی
- کتنے بڑے حوصلے ہیں پروردگار کے
- پریشانیوں کا حل
- دعائیں قبول نہ ہونے کی وجوہات
- گناہوں سے توبہ کیجئے
- محسنین اسلام
- سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے معمولات
- وظیفہ
- پیارے رسول ﷺ کی پیاری دعائیں
- شجرہ طیبہ
- بے داغ جوانی
- **LOVE FOR ALLAH**
- **Wisdom For The Seeker**
- **Be Courteour Be Blessed**
- **Travelling Across Central Asia**
- **Ocean Of Wisdom**

مکتبۃ الفقیر 223 سنت پورہ فیصل آباد

مکتبۃ الفقیر کی کتب ملنے کے مراکز

- معہد الفقیر الاسلامی ٹوبہ روڈ، بائی پاس جھنگ
- دارالمطالعہ، نزد پرانی ٹینکی، حاصل پور 062-2442791
- ادارہ اسلامیات، 190 انارکلی لاہور 7353255
- مکتبہ مجددیہ، الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور 042-7231492
- مکتبہ سید احمد شہید 10 الکریم مارکیٹ اردو بارزار لاہور 042-7228272
- مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور 041-7224228
- مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان 061-544965
- مکتبہ بیت العلم بنوری ٹاؤن کراچی 021-2018342
- مکتبہ الشیخ 445/3 بہادر آباد کراچی 0214935493
- دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی 021-2213768
- مکتبہ علمیہ، دوکان نمبر 2 اسلامی کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی 021-4918946
- مکتبہ حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد مدظلہ العالی مین بازار، سرائے نورنگ PP 09261-350364
- حضرت مولانا قاسم منصور صاحب ٹیپو مارکیٹ، مسجد اسامہ بن زید، اسلام آباد 051-2288261
- جامعۃ الصالحات، محبوب سٹریٹ، ڈھوک مستقیم روڈ، پیرودھائی موڑ، پشاور روڈ، راولپنڈی
  051-5462347 ، 03009834893

مکتبۃ الفقیر 223 سنت پورہ فیصل آباد